

انسانی دنیا پر
مسلمانوں کے عروج و زوال
کا اثر

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس شریعت اسلام
ایکے سر ناظم آبادیشن۔ ناظم آبادیہ، کراچی ۱۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں نئی ہائے دینی اور اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

فہرست مضامین

”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“

۴۴	ایرانیوں کی قوم پرستی	۱۱	دیباچہ طبع یا زہم
۴۵	آتش پرستی اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات	۱۳	کچھ کتاب کے متعلق مقدمہ
۴۶	بدھ مت اور اس کے تغیرات	۲۳	(مصر کے نامور اہل قلم ریاضی کے قلم سے)
۴۸	وسط ایشیا کی قومیں		باب اول
	ہندوستان مذہبی اجتماعی اور اخلاقی	۸۴-۳۱	بعثت محمدی سے پہلے
۴۸	نقطہ نظر سے	۳۱	چھٹی صدی مسیحی کی دنیا
۴۹	نئے نئے دیوتا	۳۳	اقوام و مذاہب پر ایک نظر
۵۰	جنسی بحران	۳۴	مسیحیت چھٹی صدی عیسوی میں
۵۲	طبقہ واریت	۳۵	رومی سلطنت میں مذہبی خانہ جنگی
۵۵	بدقسمت شودر	۳۶	اجتماعی بد نظمی اور ماسحی بے چینی
۵۶	ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت	۳۷	یورپ کی شمالی و مغربی قومیں
۵۷	عرب	۳۸	یہود
۵۷	دور جاہلیت کے بُت	۴۰	ایران اور وہاں کی تخریبی تحریکات
۵۹	معبودوں کی کثرت	۴۲	ایران کی شاہ پرستی

۵۹	اخلاقی و اجتماعی امراض	باب دوم	۸۵
۶۰	عورت کا درجہ	بعثت محمدی کے بعد	۱۳۱
۶۱	قبائلی و خانہ دانی عصبیت و امتیاز	بعثت محمدی	۸۵
۶۲	جنگ و فطرت	جاہلیت پر ایک اجمالی نگاہ	۸۶
۶۳	دنیا کا عمومی جائزہ	جُزئی اصلاح کی ناکامی	۸۸
۶۶	زمانہ جاہلیت کا سیاسی و معاشی نظام	پیغمبر اور سیاسی قائد کا فرق	۹۰
۶۶	مطلق العنان بادشاہت	انسانیت کی صحیح گرہ کشائی	۹۲
۶۸	مصر و شام کی رومی حکومت	جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر	۹۳
۷۰	ایران میں خراج اور یکس وصول کرنے کا نظام	اولین مسلمان	۹۴
۷۰	شاہی خزانے اور ذاتی دولت	صحابہ کرام کی ایمانی تربیت	۹۷
۷۱	طبقاتی تفاوت	مدینۃ الرسول میں	۹۸
۷۳	ایران کے کسان	صحابہ کرام کی ایمانی تکمیل	۹۹
۷۴	حکام کا رویہ	تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اور اس کا ارتقاء	۱۰۱
۷۴	مصنوعی معاشرت اور پُر عشرت زندگی	ایمان اور اس کے اثرات	۱۰۱
۷۸	حکومت کی دولت تانی	اختسابِ نفس اور ملامتِ ضمیر	۱۰۵
۸۰	عوام کی خستہ حالی	امانت و دیانت	۱۰۶
۸۱	سرکش دولت مند اور خود فراموش مفلس	مخلوقات و مظاہر سے بے محبتی	۱۰۷
۸۳	عالمگیرتاریکی	بے نظیر شجاعت اور زندگی کی حاکمیت	۱۰۹
		مکمل سیرِ دگر	۱۱۱

۱۶۰	جہاد و اجتہاد کا فقدان	۱۱۳	صحیح معرفت
۱۶۳	اُموی اور عباسی خلفاء	۱۱۵	انسانی نگہداشت
۱۶۴	ملوکیت کے اثرات و نتائج	۱۱۶	ذمہ دار معاشرہ
۱۶۶	فلسفیانہ موٹنگانیاں	۱۱۷	صاحبِ ضمیر معاشرہ
۱۶۷	شرک و بدعات	۱۱۸	محبت کا صحیح مصرف
۱۶۸	دعوت و تجدید کا تسلسل	۱۱۹	محبت اور جان نثاری
۱۶۹	صلیبی خطرہ اور زندگی خاندان	۱۲۲	اطاعت و تابعداری
۱۷۱	صلاح الدین کی قیادت	۱۲۶	نئے افراد اور نئی امت
۱۷۴	صلاح الدین کے بعد	۱۳۰	توازن انسانی مجموعہ
۱۷۴	جاہلیت کے لئے رکاوٹ	باب سوم	
۱۷۵	ہنگامہ تاتار	۱۳۲ مسلمانوں کا دور قیادت ۱۵۷	
	مصری افواج کے مقابلہ میں تاتاریوں	۱۳۲	مسلمانوں کی قائدانہ خصوصیات
۱۷۷	کی شکست	۱۴۰	صحابہ کرام کا امتیاز
۱۷۸	مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح		دنیا اور دنیا کی زندگی کے بارہ میلہ اسلامی
۱۷۹	تاتاری حملہ کا عالم اسلام پر اثر	۱۴۲	نقطہ نظر و طرز عمل
	میدان قیادت میں عثمانی ترکوں کی آمد		اسلامی اقتدار اور اسلامی تمدن کے اثرات
۱۷۹	اور عالم اسلامی کا ایک سنبھالا	۱۴۸	و نتائج
۱۸۱	ترکوں کی خصوصیات	باب چہارم	
۱۸۳	ترکوں کا تنزیل	۱۵۸-۱۹۵ مسلمانوں کا تنزیل	
		۱۵۸ مسلمانوں کے تنزیل کا آغاز اور اس کے ابتدا	

۱۸۴	ترکوں کا محمود اور پس ماندگی	کتب مقدسہ میں حقائق و تحریف اور اس کے نتائج	۲۱۹
۱۸۷	عالم اسلام کا عام ذہنی و علمی انحطاط	مذہب و عقلیت کی کشمکش اور رابطہ	۲۲۰
۱۸۹	ترکوں کے مشرقی معاصر	کلیسا کے مظالم	۲۲۱
۱۹۱	اولوالعزم افراد	اہل تہجد کی مذہب کے خلاف بغاوت	۲۲۱
۱۹۲	یورپ کی صنعتی و طبیعیاتی ترقیاں	وہیزاری	۲۲۲
	باب پنجم	روشن خیالوں کی بے رغبتی	۲۲۲
۱۹۶	بین الاقوامی سیادت و قیادت	اور محمود تعصب	۲۲۴
۲۰۵	کا مغربی عہد اور اس کے اثرات	یورپ کی ادیت	۲۲۷
۱۹۷	مغربی تہذیب کا شجرہ نسب	مسیحیت یا مادہ پرستی	۲۲۷
۱۹۷	یونانی تہذیب	نذر پرستی	۲۳۰
۲۰۳	رومی تہذیب	خدا فراموشی و خود فراموشی	۲۳۲
۲۰۸	عیسائیت کی آمد اور رمیوں کا قبول	مغربی مزاج ایک مشرقی کی نظر میں	۲۳۵
۲۰۸	مسیحیت میں بت پرستی کی آمیزش	روحانیت میں ادیت	۲۳۶
۲۱۰	جنونِ ربانیت	اقتصادی وحدۃ الوجود	۲۳۸
۲۱۳	فطرت دشمنی کا اثر اخلاق و تمدن پر	یورپ کا نعرہ لا موجود الا بطین	۲۳۹
۲۱۶	اربابِ کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری	والمعدہ	۲۴۰
۲۱۷	حکومت و کلیسا کی کشمکش	ڈارون کے نظریۂ ارتقا کا اثر	۲۴۱
۲۱۸	اقتدار کا غلط استعمال اور یورپ کے تمدن پر برا اثر	وطنیت و قومیت کا نشو و نما	۲۴۱

باب ہفتم	۲۴۳	مغرب کا کلیہ اور مشرق کے خلاف تعصب
۳۱۴	۲۴۴	قومیت کی حد بندیاں
۳۱۵	۲۴۵	قوم پرستی کے عناصر نفرت اور خوف
۳۱۶	۲۴۸	قومی عظمت و کبر
۳۱۸	۲۴۹	قوم پرست حکومتوں کا معیار عزت و عظمت
۳۱۹	۲۵۰	ہدایت یا تجارت
۳۲۰	۲۵۱	تجارت و صنعت کا اخلاق کے ساتھ عدم تناؤ
۳۲۱	۲۵۶	سائنس و ترقی اور عہد جدید کے اکتشافات
۳۲۲	۲۵۶	صنعتی اکتشافات کا مقصد اور اسلامی تعلیمات
۳۲۳	۲۶۴	یورپ میں قوت و اخلاق اور دین کا عروج و زوال
۳۲۵	۲۶۸	آلات و وسائل کا غلط استعمال
۳۳۰	۲۷۱	ایجادات و اکتشافات کی ہلاکت آفرینی
۳۳۰	باب ہشتم	
۳۳۵	۲۷۶	مغربی عہدِ اقتدار میں دنیا کے مغربی حصے کا شمار
۳۳۷	۲۷۶	حادثہ مذہبی کا فقدان
۳۳۹	۲۸۱	ذوقِ خدا طلبی کا عالمگیر فقدان
۳۵۱	۲۹۰	دنیا طلبی کا بحران
۳۵۲	۲۹۲	اخلاقی تغیر و زوال
۳۵۴	۳۰۲	پست ہمتی و تن آسانی
عالم اسلام زندگی کے میدان میں		
گذشتہ اسلامی قیادت کے اثرات		
مغربی قیادت اور اس کے اثرات		
عالمگیر جاہلیت		
اشتراکی روس اور سرمایہ اور مغربی ممالک کا فرق		
ایشیائی اور مشرقی قومیں		
مسلمان جاہلیت کا حلیف		
امید کی شمع		
دین الہی کا علمبردار اور دنیا کا محاسب		
عالمِ اسلامی کا پیغام		
نیا ایمان		
منوی تیاری		
شعور کی تربیت		
فرد غرضی اندیش پرستی کی گنجائش نہیں		
صنعتی اور جنگی تیاری		
نئی علمی تنظیم		
عالم عربی کی قیادت		
عالم عربی کی اہمیت		

۳۶۲	تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری	۳۵۵	محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں
۳۶۳	انسانیت کی سادگی کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی	۳۵۷	ایمان عالم عربی کی طاقت
۳۷۳	عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے	۳۵۸	شہسوار اور فوجی زندگی کی اہمیت
۳۷۵	اشاریہ (ایڈکس) مرتبہ از محمد رضا الدین ندوی	۳۶۱	طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ



دیباچہ طبع یازدہم

الحمد للہ کہ کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر کے گیا ہوئی بار
شائع ہونے کی نوبت آئی، علاوہ متعدد بار شائع ہونے کے اس کو اہل علم اور مصنفین کے حلقہ
میں جو قبولیت اور وقعت حاصل ہوئی، ناچیز مصنف کو اس کا پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا۔

کتاب کا انگریزی ترجمہ (ISLAM & THE WORLD) (اسلام اینڈ دی ورلڈ)
کے نام سے کئی سال پہلے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے، اس سلسلہ میں قارئین کو یہ معلوم کر کے
دل چسپا اور خوشی ہوگی کہ جب اس کتاب کو اس ادارہ نے اپنے علمی مشیروں اور ماہرین فن
کے سامنے اظہار رائے کے لئے پیش کیا تو ڈاکٹر مکینکم (نندن یونیورسٹی میں ادارہ مشرق وسطیٰ)
(MIDDLE-EAST SECTION) کے چیرمین نے ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا کہ کتاب کو

۱۔ اصل کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، وہ عرب دنیا میں جتنی مقبول ہوئی، اس کا اندازہ اس سے
کیا جاسکتا ہے کہ اس کے چودہ قانونی ایڈیشن مکمل چکے ہیں، غیر قانونی ایڈیشن جو مصنف کی اجازت
اور علم کے بغیر شائع ہوئے وہ بیس سے زیادہ ہوں گے، بعض (قانونی) ایڈیشن ایک لاکھ کی تعداد
میں شائع ہوئے اور جلد مکمل گئے۔

برطانیہ سے شائع ہونا چاہئے، کیونکہ اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقہ پر ہوئی ہے، اس کا یہ نمونہ اوزار بیخی دنا دیرینہ ہے۔ ادارہ نے اس کو ایک دوسرے صاحب نظر اور ماہر اسلامیات نامور مشرق پر وفیسر نوٹنگمری وائٹ صدر شعبہ اسلامیات ایڈنبرا یونیورسٹی کے حوالہ کیا کہ وہ اپنی فیصلہ کن رائے دیں، انھوں نے اس کتاب کو اشاعت کا سختی قرار دیا اور اس کی طباعت کی تائید کی۔

ایران کے ایک سنجیدہ اور باوقار اسلامی ادارہ ”جلسات علمی اسلام شناسی“ (قم) نے اس کا فارسی ترجمہ ”باصفت مسلمین دنیا در خطر سقوط“ کے نام سے شائع کیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ وہ ایران میں شوق اور دل چسپی سے پڑھا جا رہا ہے، ترکی میں وہ کئی بار شائع ہوئی، اور ذوق و شوق سے پڑھی گئی، فریج میں بھی اس کے ترجمہ کی اجازت مانگی گئی اور مصنف کی طرف سے اجازت دی گئی، جنوبی ایشیا کی بھی مختلف زبانوں میں کتاب کا ترجمہ ہوا۔

کتاب کی کمبالی کی وجہ سے کتاب کی جو طلب خواہش پیدا ہو گئی تھی امید ہے کہ اس جدید اشاعت سے اس کی تکمیل ہوگی۔

ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوة العلماء، لکھنؤ

محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

۹ جولائی ۱۹۹۲ء

کچھ کتاب کے متعلق

الحمد لله رب العالمین، وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعين۔
 پیش نظر کتاب کا ابتدائی تخیل ایک مضمون سے زیادہ نہ تھا، ابتداء میں خیال تھا کہ اجمالی طور پر ان نقصانات کی نشان دہی کی جائے جو مسلمانوں کے تنزل و زوال اور دنیا کی قیادت و رہنمائی سے کنارہ کش ہو جانے سے انسانیت کو پہونچے اور دکھایا جائے کہ زندگی کے نقشہ میں ان کی جگہ اور قوموں کی صف میں ان کا مقام کیا ہے؟ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کو اس تجربہ نامہ کوتاہی کا احساس ہو جو انھوں نے انسانیت کے حق میں کیا اور اس کی تلافی اور اصلاح حال کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہو، اسی کے ساتھ دنیا کو اپنی اس بد قسمتی کا بھی علم ہو جس سے اس کو مسلمانوں کی قیادت سے محروم ہو جانے کی بنا پر دو چار ہونا پڑا، اس کو محسوس ہو کہ حالات میں کوئی بڑی تبدیلی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی قیادت مادہ پرست اور ناخدا ترس انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر ان خدا شناس اور خدا ترس انسانوں کے ہاتھ میں نہ پہونچ جائے جو پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، اور انھیں کی ہدایات اور تعلیمات سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اور ان کے پاس آخری پیغمبر کی شریعت اور دین و دنیا کی رہنمائی کا مکمل دستور موجود ہے۔

اس مقصد کے لئے عام انسانی تاریخ، نیز اسلامی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا اور دکھایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کس جاہلی ماحول میں ہوئی، انسانیت کس پستی کو پہنچ چکی تھی، آپ کی دعوت اور تربیت نے کس طرح کی امت تیار کی اس امت کے عقائد و اخلاق اور سیرت و تربیت کیا تھی، اس نے کس طرح دنیا کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی اس کے اقتدار اور امامت کا دنیا کی تہذیب اور زندگی اور لوگوں کے رجحانات اور کردار پر کیا اثر پڑا، کس طرح دنیا کا رخ ہمہ گیر خدا فراموشی اور مجموعی جاہلیت سے ہمہ گیر خدا پرستی اور اسلام کی طرف تبدیل ہوا، پھر کس طرح اس امت میں انحراف اور زوال کا آغاز ہوا اور اس کو دنیا کی امامت اور قیادت سے علیحدہ ہونا پڑا، اور کس طرح یہ قیادت کمزور و غافل خدا شناسوں کے ہاتھ سے نکل کر طاقتور نا خدا شناس اور مادہ پرست یورپ کی طرف منتقل ہوئی، خود یورپ میں اس مادہ پرستی اور مذہب بیزاری کا کس طرح ظہور اور ارتقا ہوا، مغربی تہذیب کا اصلی مزاج کیا ہے اور اس کا خمیر کن عناصر و اجزاء سے تیار ہوا ہے، یورپ کے اقتدار اور اس کی قیادت نے دنیا پر کیا اثر ڈالا اور زندگی کو کس طرح متاثر کیا، دنیا کا رخ کیا ہے، اور مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے اور وہ اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔

تحریر کے دوران ہی میں مصنف کو محسوس ہو گیا کہ یہ مضمون ایک مقالہ کا نہیں بلکہ مبسوط کتاب کا ہے اور اس کتاب کی تالیف وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، خود مسلمانوں کا ذہن اس بارہ میں صاف نہیں ہے، وہ اپنا زندگی سے کوئی تعلق اور ربط محسوس نہیں کرتے اور اس دنیا کی اپنے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمانوں کے زوال کو ایک قومی حادثہ اور مقامی واقعہ سمجھتے ہیں، اور ان کو مطلقاً اس کا احساس نہیں کہ یہ کتنا بڑا عالمگیر سانحہ اور انسانیت کی کیسی بڑی بد قسمتی تھی، واقعہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو نظر انداز

کر کے ہم نہ اسلامی تاریخ کو سمجھ سکتے ہیں نہ انسانی تاریخ کو نہ اس دور کی صحیح تشخیص کر سکتے ہیں ہوا بھی دنیا میں قائم ہے نہ اس عالمگیر انقلاب کے صحیح اسباب متین کر سکتے ہیں جو دنیا کی تاریخ میں رونما ہوا، اور وہ اسلامی انقلاب کے بعد سے بڑا انقلاب ہے، فرق یہ ہے کہ پہلا انقلاب شر سے خیر کی طرف تھا، یہ خیر سے شر کی طرف ہے، پہلا انقلاب بعثتِ محمدی اور دعوتِ اسلامی کے عروج کا نتیجہ تھا، دوسرا انقلاب امتِ محمدی کے انحطاط اور دعوتِ اسلامی سے تعادل کا نتیجہ ہے، مسلمانوں میں خود اعتمادی کی روح اسلام کی طرف بازگشت کا جذبہ اور جوشِ عمل پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کو اپنا مقام یاد دلایا جائے اور بتلایا جائے کہ وہ دنیا کی تعمیر و تشکیل کے اہم اور مقدس کام میں ایک موثر و فعال عنصر (FACTOR) ہیں کسی چلتی ہوئی مشین کا پرزہ اور کسی ایجنٹ کے بازیگر اور نقال (ACTOR) نہیں ہیں۔

جس ملک ماحول سے مصنف کا تعلق تھا، اور جہاں اس کتاب کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا تھا، اس کا اقتضا تھا کہ یہ کتاب اس ملک کی زبان (اردو) میں تصنیف کی جائے لیکن ایک خاص خیال کے ماتحت اس کتاب کی تصنیف کے لئے اردو کے مقابلہ میں عربی کو ترجیح دی گئی۔ عربی زبان کی ترجیح و انتخاب کا محرک باعث یہ احساس تھا کہ عرب ممالک اس احساسِ کرمی اور مرضِ خود فراموشی کا سب سے زیادہ شکار ہیں، دنیا نے اگرچہ انھیں سے نئی زندگی اور نیا ایمان پایا ہے لیکن آج انھیں کی فضا سب سے زیادہ خاموش اور انھیں کا سمندر سب سے زیادہ پرسکون ہے، اقبال نے آج سے چند برس پہلے ان ملکوں کو دیکھ کر یہی انہیں کہا تھا کہ

سنی نہ مصر و طبلین وہ اذان میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو خوش کیا

وہ بجز روحِ زمین جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں سحر و محراب

یورپ کے قرب، مخصوص سیاسی حالات اور ان دیوانوں کی کمی سے جو خوش قسمتی سے ہندوستان کی

سرزمین میں برابر پیدا ہوتے رہے اور عرب کی مقدس سرزمین عرصہ سے ان کے وجود سے محروم تھی عرب کو یورپ کی شبیہ گری اور فرزانگی کا آسانی سے شکار بن جانے دیا شیخ حسن البنا مصر کا اور ان کی تحریک اور جماعت الانخوان المسلمون پہلے پورے شرق اوسط میں کوئی طاقتور اسلامی تحریک اور جدوجہد نہیں تھی اور کہیں بے حسنی اور اولوالعزمی کے آثار نظر نہیں آتے تھے، لوگوں نے یا تو زمانہ سے صلح کر لی تھی یا مایوس ہو کر بیٹھ گئے تھے یا بہاؤ پر اپنی کشتی ڈال دی تھی، ان ممالک کے حالات پر نظر رکھنے والا اور ان کے ماضی و حال کا موازنہ کرنے والا بڑے درد و حسرت سے کہہ رہا تھا۔

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں گرچہ ہے تابدار بھی گیسوئے دجلہ و قرا

اس تکلیف دہ احساس نے قلم کا رخ اردو سے عربی کی طرف موڑ دیا، عربی بنی تالیخ اور اپنے جزا فیکہ اعتبار سے اس کے اہل ہیں کہ بین الاقوامی سیادت نبھالیں اور پوری امت مسلمہ دنیا پر اثر ڈالیں، ان ممالک بحر احمر اور بحر متوسط کے کنارے واقع ہیں وہ مغرب و مشرق بعید کے درمیان میں ہیں نئے عالمگیر انقلاب و اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے عرب ممالک اور شرق اوسط سے زیادہ موزوں سرزمین کوئی اور نہیں ہو سکتی، یہ سب باب محرکات تھے جن کی بنا پر ہندی نثر اور مصنف نے عربی زبان کو اس اہم موضوع کے لئے انتخاب کیا اور یہ کتاب سب سے پہلے عربی میں لکھی گئی جس کا نام "ماذا اخر العالم باخطاط المسلمين" تھا۔ اسی عرصہ میں (۱۹۳۸ء میں) حجاز کا پہلا سفر پیش آیا وہاں پہلی بار مصنف کتاب کو اس ملک اور اہل ملک کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جن کے لئے یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی حجاز کے قیام اور عالم عربی کے لوگوں سے تعارف نے اس خیال کو اور تقویت پہنچائی اور اس کتاب کے جلد سے جلد نائل ہونے کی ضرورت کا احساس بے حد پیدا ہوا کہ معظمہ کے دوران قیام میں مصنف کو محسوس ہوا کہ کتاب کا پہلا باب بہت تشنہ ہے ضرورت ہے کہ جاہلیت کے خد خال کو پوری وضاحت سے پیش کیا جائے اور پوری تفصیل سے دکھایا جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

دنیا کی حالت کیا تھی، اور وہ کیا دینی و اخلاقی، اجتماعی، سیاسی و معاشی ماحول تھا جس میں اسلام کی دعوت نمودار ہوئی، اسلامی انقلاب کی عظمت اور اس کا محیر العقول کا نامہ اس وقت تک نہ ہن میں نہیں آسکتا جب تک کہ جاہلیت کا پورا ماحول اور اس کا نقشہ سامنے نہ ہو اس لئے ضروری سمجھا کہ جاہلیت کا پورا مرقع پیش کیا جائے اس مرقع پر معینوم بد کہ جاہلیت کے متعلق بہت کم مواد کجا ملتا ہے کچھ منتشر معلومات ہیں جو ہزاروں صفحات اور بیسوں کتابوں میں مرقع ہیں اس کو جمع کرنا اور ان منتشر و متفرق اجزاء سے جاہلیت کا پورا مرقع تیار کرنا جس سے اس دور کی پوری زندگی سامنے آجائے سیر نبوی کی بہت بڑی خدمت ہے کہ معظمین مصنف کو قدیم و جدید عربی مطبوعات کا ایسا ذخیرہ ملا جس سے اس مرقع کی تیاری میں بڑی مدد ملی ہندوستان میں بھی مطالعہ تحقیق کا سلسلہ جاری رہا اور یہ بائبل کو پہنچ کر کتاب میں شامل ہوا اور اس کتاب میں متعدد اضافہ ہوا۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی خیال پیدا ہوا کہ بعثت محمدی کے اثرات اور دعوت اسلام کے اغیازات و خصوصیات کو بھی تفصیل سے بیان کیا جائے اس دعوت کا مزاج اور اس کا طریق کا کیا ہے انبیاء علیہم السلام اپنے زمانہ کی بگڑی ہوئی دنیا کی کس طرح اصلاح کرتے ہیں ان کی دعوت اور جدوجہد کا انداز دوسرے مصلحین و قائدین سے کس قدر مختلف ہے ان کی دعوت کا رد و قبول استقبال کس طرح ہوتا ہے جاہلیت کس طرح ان کے مقابلے میں آتی ہے اور کیا حربے استعمال کرتی ہے وہ کس طرح اپنے متبعین کی تربیت کرتے ہیں پھر ان کی دعوت کس طرح فتح حاصل کرتی ہے اور کس طرح کے اثرات و نتائج ظہور میں آتے ہیں یہ کتاب کا ایک ضروری باب ہے جس کے بغیر یہ کتاب نامکمل رہتی۔ مصنف کو اس کا انتظار اور اہتمام تھا کہ یہ کتاب بصر میں کسی وقیع ادارہ کی طرف سے

لے کہ منظر میں حاجی عبدالوہاب صاحب ہلوی کا قیمتی کتب خانہ اور ہندوستان میں مولانا عبد الماجد دریا بادی کا منتخب ذخیرہ کتب اس باب کی ترتیب میں مصنف کے لئے بہت مددگار ثابت ہوا۔

شائع ہوا اور اس کا شایانِ شان تعارف ہوتا کہ اس سے وہ مقصد حاصل ہو جو مصنف کے پیشِ نظر تھا۔ اصرار کے بغیر کتاب کی اشاعت کے لئے ”لجنة التأليف والترجمة والنشر“ کو انتخاب کیا گیا جو مصر کا ایک سنجیدہ اور باوقار تصنیفی ادارہ اور دارالاشاعت ہے اور جو اپنی بلند پایہ علمی مطبوعات و تالیفات کی وجہ سے پورے مشرقِ اوسط میں شہرت اور وقعت حاصل کر چکا ہے کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لئے اسی ادارہ کے صدر ڈاکٹر احمد امین (سابق پرنسپلِ کلیۃ الادب جامعۃ مصریہ) کو زحمت دی گئی جو اپنی مشہور تالیفات ”فجر الاسلام“ ضمنی الاسلام کی بنا پر عالمگیر شہرت حاصل کر چکے ہیں، مصنف کتاب پر ان کی سلامتِ فکر و دقتِ نظر اور اصابتِ رائے کا اچھا اثر تھا، کتاب کا مروجہ ان کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی گئی، انھوں نے کمیٹی سے اس کتاب کی اشاعت کی پُر زور سفارش کی اور مصنف سے مقدمہ لکھنے کا وعدہ کیا کتاب کی اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ مصنف نے ”مقدمہ نگار“ کے انتخاب میں غلطی کی کسی کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لئے مقدمہ نگار کا کلمہ انظر دقیق النظر اور وسیع المطالع ہونا کافی نہیں اس کی بھی ضرورت ہے کہ مقدمہ نگار کو کتاب کے موضوع سے ہمہ دمی اور اس کے نتائجِ بحث سے اتفاق ہو اور وہ مصنف کے مقصد کا پُر جوش داعی اور کیل ہو اس پر پورا یقین رکھتا ہو اور اس کی کامیابی کا دل متمسک ہو، مقدمہ نگار میں اس خصوصیت کی کمی تھی وہ مصنف و مفکر اور ایک کامیاب مخرج ہیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی عالمی قیادت کی طرف سے کچھ زیادہ پُر امید نہیں وہ اس کو بھی ایک علمی اور تاریخی مسئلہ کی طرح سوچ سکتے ہیں مگر اس کے لئے اپنے دل میں کوئی خاص جذبہ اور ولولہ نہیں رکھتے اس طرح اُن کو دراصل کتاب کی اصل روح سے کوئی خاص مناسبت نہیں تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کا مقدمہ روح اور تاثیر سے خالی اور ایک ضابطہ کی فائدہ پوری زیادہ نہ تھا، مصر و شام و فلسطین و حجاز میں ہر جگہ محسوس کیا گیا کہ مقدمہ نے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنے کے بجائے اس کی روح کو نقصان پہنچایا ہے اور کتاب کو ہلکا کر دیا ہے لیکن تیرکانِ کل چاہتا تھا

اور مصنف کو اپنی غلطی کا احساس تھا اب اس ہمہ کتاب کا "لجنة التأليف والترجمة والنشر" کے ساتھ ہوجانا کتاب کے لئے مفید ہو کتاب ان حلقوں میں بھی پہنچ گئی جہاں خالص دینی کتب اور اسلامی دعوت کے سلسلہ کی چیزیں آسانی سے باز نہیں پائیں، لہذا میں جب مصنف کتاب کو شرق و وسط کی سیاحت کا موقع ملا تو اس کو یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی کہ کتاب بڑے شوق سے پڑھی گئی تھی اور بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال ہوا تھا، کتاب کی اشاعت کے دو تین مہینے کے اندر اندر وہ تمام عرب ملکوں میں پہنچ گئی تھی، اسلامی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لگی تھی اور اسلامی فکر کے حلقوں نے بطور خود اس کی اشاعت اور تبلیغ کی تھی، مصر میں انخوان کے ذمہ داروں نے اس کو اپنی تعلیمی و تربیتی سلسلہ میں شامل کیا تھا، اور مطالعہ و تربیت کے حلقوں سے لے کر جیل خانوں تک اس کی اشاعت کی تھی، عدالت کی کچنوں اور پارلیمنٹ کی تقریروں تک اس سے استفادہ و اقتباس کیا گیا تھا، جدید و قدیم دونوں حلقوں نے اس کی پذیرائی کی، جہاں یہ بات مصنف کے لئے سراپا سعادت اور موجب شکر ہے وہاں عیروں کی فراخ دلی، عالیٰوصلگی اور حق پرستی کا تین ثبوت ہے، کتاب کی جو پذیرائی اور اس کے گمنام اور بیداروں مصنف کی جو وصلہ افزائی ان عرب ملکوں میں ہوئی اس کی توقع اپنے ملک میں بھی نہیں کی جاسکتی۔

مصر کے دوران قیام ہی میں کتاب کی دوسری اشاعت کی نوبت آگئی اس موقع پر مصنف کے مخلص دوست اور کتاب کے خاص قدردان ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ مرحوم (سابق استاد جامعہ ازہر و پروفیسر اسلامی قانون قاہرہ یونیورسٹی) نے اپنی کمیٹی "جماعة الاُئمة للنشر والتأليف" کی طرف سے طبع ثانی کی پیش کش کی، اور مصنف کے ایسا سے ڈاکٹر احمد امین سے اس کی اجازت حاصل کر لی اس موقع پر سابق غلطی کی تلافی کا امکان پیدا ہوا، اب اس کا موقع تھا کہ مقدمہ کے لئے ایسے موزوں شخص کا انتخاب کیا جائے جو کتاب کے مقصد اور روح پر پورا یقین رکھتا ہو اور اس کا پرچوش وکیل اور داعی ہو، اس مقصد کے لئے موزوں ترین شخصیت رید قطب کی ہو سکتی تھی، رید قطب مصر جدید میں اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے سب سے بڑے

علمدار ہیں، ان کا قلم ادھر چرچہ برپا ہو گا جو انوں میں اسلامی روح اور خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے وقف ہے، ان کی ذات میں وسیع النظر عالموں کا مطالعہ جدید ادیبوں کا زور قلم اور اسلوبِ داعی کا جذبہ اور اخلاص اور نو مسلموں کا جوشِ جمع ہے، وہ اپنے حالات کے لحاظ سے مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود مسلم ہی ہیں، تعلیم و تربیت اور ماحول نے ان کو اسلام سے بہت دور اور یگانہ کر دیا تھا، قرآن مجید کے مطالعہ اور تفکر اور مغربی تہذیب کی ناکامی اور افلاس نے ان کو کچھ اسلام کی طرف واپس کیا اور وہ نئے جوش و خروش اور اعتماد و یقین کے ساتھ اسلام کی طرف آئے، وہ دارالعلوم مصر کے فاضل ہیں، ان کی ادبی زندگی تنقید ادب سے شروع ہوئی جس میں انھوں نے بہت جلد اپنا مقام پیدا کر لیا، "التقد الادبی" اور "التصویر الفنی فی القرآن" اور "مشاهد القیامۃ فی القرآن" اس زمانہ کی یادگار اور ادبی حلقوں کی مقبول اور کامیاب کتابیں ہیں، عرصہ تک محکمہ تعلیم سے متعلق رہے، اسی سلسلہ میں بعض تعلیمی نظریات کے مطالعہ کے لئے ان کو امریکہ میں کچھ عرصہ قیام کرنا پڑا، وہاں مغربی زندگی کے تاریک پہلو کھلے طریقہ پر ان کی نظر کے سامنے آئے اور مغربی تہذیب و فلسفہ زندگی کی ناکامی کو انھوں نے بخشم خود دیکھ لیا، اس کے ایمان و یقین اور اسلام کے تعلق میں بڑا اضافہ ہوا اور اسلامی دعوت کا نیا جوش پیدا ہوا، امریکہ سے آنے کے بعد وہ اسلام کے ایک پُر جوش داعی اور مغربی تہذیب کے مبصر ناقد بن گئے اور بہترین جدید اسلامی ادب کی ترتیب میں منہمک ہو گئے، ان کے فکر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ابدی اور عالمگیر پیغام مانتے ہیں جس کے بغیر دنیا کی نجات اور سلامتی نہیں، ان کے اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معنیت اور دریافت کے قائل نہیں، وہ مغربی تہذیب کی بنیادوں پر غیثہ چلاتے ہیں، اور اپنے حریف پر بڑھ کر حکمہ کرتے ہیں، ان کو اسلام میں کوئی کمزوری اور کمی محسوس نہیں ہوتی اور وہ اس کو ایک مکمل اور جامع دستورِ حیات کی طرح پورے اعتماد و یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اس لئے ان کی تحریریں پڑھنے والوں میں اعتماد و یقین کی ایک نئی روح اور مغربی نظامِ فکر کی حقارت پیدا کر دیتی ہیں، اور نوجوان ان کی تصنیفاتِ مخالفات سے

بہت متاثر ہوتے ہیں ان کی کتاب "العدالة الاجتماعية في الاسلام" (اگرچہ مصنف کو اس کے بعض مقامات پر اختلاف ہے) اس طرز فکر اور اس طرز تحریر کا کامیاب نمونہ ہے اور جدید اسلامی ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔

یہ قطب نے کتاب کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کیا تھا، اور ان کی ہفتہ وار مجلس مذاکرہ میں اس کتاب کی تخصیص اور اس پر بحث و مباحثہ بھی ہوا تھا، جس میں مصنف کو بھی حصہ لینے کا اتفاق ہوا تھا، مقدمہ کی فرمائش کو انھوں نے بہ سرت قبول کیا اور ایسا مقدمہ لکھا جس میں کتاب کی پوری روح کھینچ لی، یہ مقدمہ جواب کتاب کی زینت ہے کتاب میں ایک مستقل باب کا اضافہ کرتے ہوئے اور اس کا ایک اچھا خلاصہ ہے، یہ قطب کے فاضلانہ مقدمہ کے علاوہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ مرحوم نے بھی ازراہ کم ایک مقدمہ یا پیش لفظ تحریر فرمایا جس میں کتاب کے متعلق اپنے قلبی تاثرات اور علمی خیالات کا اظہار کیا، علاوہ دوسرے مصنف کے بے تکلف دوست ڈاکٹر شیخ احمد الشرباشی (استاذ جامع ازہر) نے مصنف کی لاعلمی میں اپنے مخصوص نذر میں صاحب کتاب کا تعارف کرایا اور اس کے مختصر حالات زندگی لکھے، ان دونوں مقدموں کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

۱۹۵۴ء میں یہ خیال کر کے کہ اصل عربی کتاب کی اشاعت میں محلوں نہیں کتنی تاخیر ہو، خود مصنف نے اس کو اردو میں منتقل کر دیا تھا، یہ ترجمہ مسلمانوں کے منزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، کے نام سے شائع بھی ہو گیا، اس کتاب کی کتابت و طباعت اور کاغذ، موضوع کی اہمیت اور کتاب کی حیثیت کے شایان شان نہ تھا، اس میں تبدیلی دونوں باب "بشت محمدی سے پہلے" اور "بشت محمدی کے بعد" (جو ۱۹۵۴ء کے بعد اضافہ کئے گئے تھے) اور متعدد اہم اضافے عربی اصل کی اشاعت کے وقت تک ہوتے رہے موجود نہیں تھے، اب جب کہ کتاب کے مصر میں ڈیٹا ڈیشن نکل چکے ہیں، اور میرے کی تیار رہا ہے، اور کتاب اپنے مضامین اور اضافات کی بنا پر دو چند ہو چکی ہے، اردو میں اس کی از سر نو اشاعت کا خیال پیدا ہوا، ان نئے ابواب و اضافوں کے ترجمے کی فرصت مصنف کتاب کو ملنی بہت مشکل تھی، اس لئے یہ خدمت اس نے اپنے عزیز رفیقوں کے سپرد کی، خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے بڑی خوبی سے یہ خدمت

انجام دی اس خدمت میں سب سے بڑا حصہ مولوی عبداللہ صاحب پھولپوری ندوی استاذ ادب العلوم ندوۃ العلماء اور ان کے بعد مولوی محمد راجہ ندوی استاذ ادب العلوم کا ہے کچھ مضامین اور حصے براوردادہ عزیز محمد حسنی سلمہ کے قلم سے ہیں مصنف ان تینوں عزیزوں کا شکر گزار اور دعا گو ہے کہ ان کی محنت سے یہ کتاب شاعت کے قابل ہوئی اور اب اردو میں انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و فلاح کا اثر کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔

مصنف اس کتاب میں کسی انکشاف خاص تحقیق اور اجتہاد کا متبعی نہیں نہ اپنے بارہ میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کتاب ایک دیانتدارانہ تاریخی جائزہ ہے اور ایک قدرتی سوال کا مقبول اور علمی جواب ہے ممکن ہے یہ سوال بہت سے دماغوں میں آیا ہو اور مختلف طریقوں پر اس کا جواب دیا گیا ہو، مصنف کا کام یہ ہے کہ اس نے اس سوال کو ابھار دیا ہے اور اس کو ایک مستقل موضوع بنا کر اس پر تاریخی مواد جمع کر دیا ہے اگر اس سے کسی ضمیر میں نیا شعور اور کسی دل میں نئی غارش پیدا ہو جاتی ہے تو مصنف اپنے مقصد میں کامیاب ہے ہر صانع انقلاب اور نئی تعمیر کے لئے ضمیر کی بیداری اور ذہن کی تیاری ضروری ہے اس کے لئے تاریخ کی بامقصد ترتیب اور ایسی کتابوں اور مباحث کی ضرورت ہے جو ایک طرف علمی اطمینان اور قلبی انشراح پیدا کریں دوسری طرف پڑھنے والوں میں نیا حوصلہ، نیا یقین اور جوش عمل پیدا کر دیں، مبالغہ اور تواضع دونوں سے الگ ہو کر یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے اس سلسلہ کی ایک مفید اور اہم کڑی بن سکتی ہے اور اس سے اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے تمام حلقے بلا اختلاف فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

الواحد حسن علی

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

الحال ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی سابق پروفیسر جامعہ اُم القریٰ مدینہ منورہ۔
۱۵ افرس ۱۳۷۳ھ کو عین جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا رحمة اللہ علیہ واسمہ

مقدمہ

مصر کے نامور اہل قلم سید قطب کے قلم سے

عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جائے، ان میں ماضی پر اعتماد مستقبل کے بارے میں امید اور وصلہ پیدا ہو، اس دین پران کا ایمان و یقین تازہ اور زندہ ہو جائے جس کا نام تو وہ لینے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے نا آشنا ہیں، ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور مردوثی ہے اور انھوں نے اس کو بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

اس موضوع پر تمام قدیم و جدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گزری ہیں، ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی جدید تصنیف ”ماذا خسر العالم باخطاط المسلمین“ (مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا؟) خاص مقام رکھتی ہے۔

اسلام کی تعلیم سروری و جہان بینی کی تعلیم ہے اس کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ دین اپنے ماننے والوں میں بغیر کسی شائبہ تکبر کے خود داری بغیر کسی فریب نفس کے اعتماد و یقین اور بغیر دوسرے پر اعتماد، درضعف کے یقین توکل کی روح پھونکتا ہے، یہ عقیدہ انھیں متنبہ کرتا ہے کہ ان کے کاندھوں پر پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے، روئے زمین پر بسنے والی انسانی جماعت کی تولیت (TRUSTEESHIP) ان کے سپرد ہے اور ان کا فرض منصبی ہے کہ وہ بھٹکے ہوئے انسانی نگاہ کی پاسبانی کریں اور انسانوں کو دینِ محکم اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کا فرض

انجام دیں اور اس روشنی اور ہدایت کے ذریعہ جو ان کو خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں :-

کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْتُونَ بِحِلِّهِ
(سورہ آل عمران - ۱۱۰)

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے
پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو
اور بُرائی سے روکتے ہو اور اشرار پر ایمان
رکھتے ہو۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورہ بقرہ ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت
بنادیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور
رسول علیکم شہید آہ (سورہ بقرہ ۱۴۳)

پیش نظر کتاب اپنے ناظرین کے دل میں انھیں تمام احساسات کو ابھارتی ہے اور ان تمام
حقائق کو دل میں اتارتی چلی جاتی ہے لیکن کتاب کا اسلوب یہ نہیں ہے کہ صرف جذبات ابھار دے
یا عصبیت کا جوش پیدا کر دے اس میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ٹھوس علمی حقائق سے کام لیا گیا
ہے جو بیک وقت وجدان و شعور اور فکر و نظر و نوں کو اپیل کرتے ہیں تاریخی واقعات اور
اس عصر کے ماحول و متعلقات ایسے منصفانہ طریقہ پر پیش کئے گئے ہیں، جس میں مصنف کی روشنی و افغانی
صاف جھلکتی ہے پھر فیصلہ و اقییت و صداقت اور قلب و ضمیر کی بصیرت کے سپرد کیا گیا ہے جس کی
وجہ سے کتاب کے مباحث کی تمام کرطیاں مربوط اور ایک دوسرے سے پیوست نظر آتی ہیں
اور کہیں بھی کسی مسئلہ میں مفدمات سے نتائج اخذ کرنے میں غیر واقفیت یا تکلف کا ثبوت
نہیں ملتا، یہ اس کتاب کی اولین خصوصیت ہے۔

اسلام سے پہلے اس دنیا کا کیا حال تھا، مشرق و مغرب، شمال و جنوب کا کیا نقشہ تھا،

چین و عرب اور ہند سے لے کر روم و فارس تک معاصر دنیا کا عقلی و فکری مزاج کیا تھا، اس وقت کی سوسائٹی کا کیا رنگ تھا؟ جن مذاہب پر دینِ سماوی کا پر تو تھا، مثلاً یہودیت و نصرانیت یا جو بُت پرست مذاہب تھے، مثلاً ہندومت، آتش پرست، ان کا کیا حال تھا؟ ان تمام باتوں کی اس کتاب میں مختصر لیکن بہت جامع اور واضح تصویر کشی کی گئی ہے، اور ہمیں سے کتاب شروع ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ بہت ہی جامع مرتع ہے جو خطۂ ارضی کے صحیح حدود و خال نمایاں کرتا ہے، اس مرتع کی ترتیب میں مؤلف نے کسی خود دہائی اور ضد کا مظاہر نہیں کیا ہے بلکہ وہ اپنے جلو میں غیر مسلم قدیم و جدید مصنفین کو بھی لئے ہوئے ہیں جو قدرنا اسلام کے نمائندہ اور اس عہد کو بدنام کر کے پیش کرنے والے ہیں جو اسلام کی طرف موبہ، مؤلف اس دنیا کی تصویر پیش کرتے ہیں جس پر جاہلی روح مسلط تھی، اور اس وقت کا انسانی ضمیر گنہ اور روح متعفن ہو چکی تھی، میرا اور تقدیریں بگڑ چکی تھیں غلامی اور کم کا دور دورہ تھا اور انسانیت کی جو ایک طرف مجرمانہ عشرت پسندی اور دوسری طرف نامراد محرومی کے ہاتھوں کھوکھلی ہو رہی تھی، مزید برآں کفر و جہالت اور ظلمت و ضلالت کے بادل سر پر منڈلا رہے تھے، مذاہب چاروں بے بس تھے، ادیان سماوی پہلے ہی سے تحریف کا شکار ہو چکے تھے، اور ان کو گھٹن لگ چکا تھا، دلوں سے ان کی عظمت نکل چکی تھی، یہ مذاہب (خصوصاً نصرانیت) مذہب کے ڈھانچے رہ گئے تھے، جن میں نہ کوئی روح تھی نہ کوئی زندگی صرف چند بے جان بے روح مراسم کا نام مذہب رہ گیا تھا۔

زمانہ جاہلیت کے اس نقشہ کو پیش کرنے کے بعد مؤلف نے دکھایا ہے کہ تعمیر انسانیت کے سلسلہ میں اسلام نے کیا کارنامہ انجام دیا اور جب اس کو کچھ کرنے کا موقع ملا تو کس طرح انسانی روح کو اوہام و خرافات سے نجات دلائی، ذلت و غلامی سے کس طرح انسانیت کی گلو خلاصی کرائی، مرنے والے ناپاکیوں اور گندگیوں کو زریوں اور ناتوانیوں کے کس طرح انسان کو نکالا، اور اپنے وقت میں اسلام نے کس طرح انسانی معاشرے کو ظلم و سرکشی اور انسانی تہذیب کو انتشار و تباہی سے بچایا

سماجی طبقہ و اریستس سلاطین کے جوہر دم سے اور مذہبی طبقہ (PRIEST HOOD) اور منتوں کی غلامی سے آزاد کیا، اسلام نے نئی بنیادوں پر دنیا کی تعمیر کی، عقیدہ اخلاق و ضمیر کو طہارت پاکیزگی عطا کی، تعمیرِ ایجاد کی بلند قدریں بخشیں، محبت پسندی اور اخلاقی صلاحیتیں پیدا کیں، یقین و محنت و ثبوت و اعتماد، عدل و انصاف اور خودداری عطا کی، اور دنیا کے صحیح نشوونما اور متوازن ارتقاء کے لئے عملِ بہیم اور سعی سلسل پر آمادہ کیا کہ زندگی کی پوشیدہ طاقتیں بروئے کار آئیں اور پھولیں پھلین، صحیح مردم شناسی سے کام لے کر دنیا کی تعمیر و ترقی کے کام میں ہر ایک کو اس کے صحیح مقام پر رکھا اور اس سے وہ کام لیا جس کے لئے وہ بنایا گیا تھا۔

یہ سب اس وقت کی بات ہے جب کہ عالم کی زمام کار اسلام کے ہاتھوں میں تھی، اس کو اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے ڈھنگ سے کام کرنے کا موقع حاصل تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے جوہر اسی وقت کھلتے ہیں جب اس کے ہاتھ میں قیادت ہو اس لئے کہ اسلام کا عقیدہ سرورِ دو جہاں بنانی کا عقیدہ ہے، وہ قیادت کا ایک نظام ہے، وہ انسانی قافلے کی سربراہی کر سکتا ہے کسی کا دیو زورہ گر نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد وہ وقفہ آتا ہے جب زمام قیادت اسلام کے ہاتھوں سے نکل گئی، جس کا سبب یہ تھا کہ خود مسلمانوں میں زوال آ گیا اور وہ اس عالمی قیادت سے دستبردار ہو گئے، جس کی ذمہ داری ان پر اسلام کی طرف سے عائد ہوتی تھی اور انسانیت کی تولیت (TRUSTEESHIP) اور ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے جو زندگی کے ہر موڑ پر ان کی ذات سے وابستہ تھیں۔ اس جگہ مؤلف نے اس روحانی و مادی زوال کے اسباب بیان کئے ہیں اور ان نقصانات کو واضح کیا ہے جو خود مسلمانوں کو اٹھانے پڑے جب کہ وہ اپنے دین کے اصول سے منحرف ہو گئے اور اس کی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہونے لگے، پھر اس مبارک قیادت سے

محرم ہونے اور پہلی جاہلیت کی زندگی اختیار کر لینے کے بعد دنیا پر کیا گزری؟ یہاں ٹولف نے اس ہولناک پستی کی نشاندہی کی ہے جس کے ہمیشہ غار میں انسانیت اپنے سر کے بل گری تھتی تھی۔ اس پستی کا زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں علم و فن کی راہیں کھلیں اور انسانیت نے مادی میدان میں بڑی ترقی حاصل کی، ٹولف محترم نے اس پستی کی نشاندہی کرنے میں آتش بیانی یا ہنسنی پیدا کرنے والا طرز نہیں اختیار کیا ہے بلکہ بحث و نظر سے کام لیا ہے اور واقعات کو پیش کر دیا ہے انھوں نے اس سلسلہ میں جن حقائق کو پیش کیا ہے وہ خود ہر طرح کی مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی سے بے نیاز ہیں۔

اس تاریخی جائزہ کے وقت کتاب کا پڑھنے والا بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ موجودہ قیادت بدلنے کی سخت ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ انسانیت کو پھر اسی سرشت پر ہدایت پر لا کر کھڑا کر دیا جائے جس ہدایت کا مٹھا ہی یہ تھا کہ انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی نظر اور جاہلیت سے نجات دلا کر علم و معرفت کی طرف لائے، اس کتاب کے پڑھنے والے کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قیادت کی کیا عالمگیر اہمیت ہے اور اسے کھو کر انسانیت کو کتنا بڑا خسارہ برداشت کرنا پڑا ہے اور اس خسارہ میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا شریک ہے یہ اتنا وسیع خسارہ ہے جو دنیا و حال اور مستقبل قریب و بعید سب پر حاوی ہے اس کے ساتھ ہی مسلمان کے دل میں ندامت و شرمندگی کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کیسی مجرمانہ کوتاہی اور غفلت کا ارتکاب کیا، دوسری طرف اس کے اندر یہ احساس بھی ابھرتا ہے کہ اسے عظیم الشان صلاحیتیں بخشی گئی ہیں پھر اس عالمی قیادت کو دوبارہ حاصل کرنے کی تڑپ بھی پیدا ہوتی ہے جو اسے اپنی غفلت و ناقدی سے کھودی ہے۔

اس کتاب کی ایک قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ ٹولف جہاں کہیں انسانیت کی پستی کا

ذکر کرتے ہیں (وہ سچی جو تمام انسانوں پر محض اس وجہ سے آئی کہ مسلمان ان کی قیادت سے قاصر ہے) وہاں مؤلف اس سچی کو جاہلیت سے تعبیر کرتے ہیں یہ اسلوب بیان بہت خوبی کے ساتھ مؤلف محترم کے انداز فکر کو واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلامی روح اور اس مادہ پرستی کی روح (جو اسلام سے قبل دنیا پر چھائی ہوئی تھی) اور اسلام کی قیادت سے دستبرداری کے بعد آج بھی چھائی ہوئی ہے) کے درمیان کیا فرق ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ جاہلیت اپنے مزاج اور روح کے اعتبار سے ایک ہی ہے، جاہلیت کسی محدود زمانہ کے کسی خاص وقفہ کا نام نہیں ہے بلکہ عقل و فکر کی ایک خاص اور متعین ساخت کا نام ہے، وہ فکری ساخت اس وقت ابھرتی ہے جب کہ انسانی زندگی کے وہ حدود اور وہ معیار باقی نہیں رہتے جو خدا نے مقرر کئے ہیں، اور ان کی جگہ بنائے ہوئے وہ مصنوعی معیار آجاتے ہیں جن کی بنیاد وقتی خواہشات پر ہوتی ہے جس کو آج دنیا اپنے ارتقائی دور میں بھی اسی طرح پھیل رہی ہے جس طرح اپنے بربریت اور جہالت کے ابتدائی زمانہ میں پھیل رہی تھی، افاضل مؤلف کتاب کے آخری باب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”عالم اسلامی کا پیغام اللہ، رسول اور اس کی قیادت پر ایمان لانے کی دعوت تھی اس کا صلیہ لے گا کہ تا کیوں تک کر روشنی کی طرف انسان کی عبادت سے نجات پا کر اللہ کی عبادت کی طرف دنیا کی تنگنائی سے نکل کر عالم کی وسعت کی طرف مذاہب کے جوڑو سے بچ کر عدل اسلامی کی طرف آنا نصیب ہوگا اس پیغام کی اہمیت سامنے آچکی ہے، اور اس زمانہ میں اس کا سمجھنا دوسرے زمانہ کی نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے، آج جاہلیت سرِ باز اُڑسوا ہو چکی ہے، اس کے چھپے ڈھکے عیب نگاہوں کے سامنے آگئے ہیں، دنیا اس سے عاجز آچکی ہے، لہذا جاہلی قیادت کو چھوڑ کر اسلامی قیادت کی طرف منتقل ہونے کا یہ خاص وقت ہے“

بشرطیکہ عالم اسلامی اس کے لئے کھڑا ہو اور اس پیغام کو پورے عزم و اخلاص اور جرأت و ہمت کے ساتھ اپنالے اور اس پیغام کو دنیا کا نجات دہندہ باور کرے اور یقین کرے کہ پستی و تنہا ہی سے دنیا کو صرف یہی پیغام نجات دلا سکتا ہے! اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسلام کے اصول و کلیات کو ان وسیع دائرہ کے اندر اور اسلام کی صحیح روح کے مطابق سمجھا ہے اس بنا پر نہ صرف یہ کتاب دینی و اجتماعی تحقیق علمی کا نمونہ ہے بلکہ اس کا بھی نمونہ ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے تاریخ کو کس طرح مرتب کرنا چاہیے۔

علمائے مغرب نے دنیا کی تاریخ مغربی نقطہ نظر سے لکھی ہے اور وہ قدرتا اپنی مادی تربیت، مادی فلسفے اور پھر مذہبی و قومی تعصب کے اثرات سے خالی نہیں تھے، چنانچہ دانستہ یا نادانستہ ان کی تاریخ میں اغلاط اور جا بجا بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں کیونکہ انھوں نے انسانی زندگی کی بہت سی اہم قدروں کو فراموش کر دیا ہے، حالانکہ انسانی زندگی کی تاریخ ان کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتی اور ان قدروں کے جانے بغیر واقعات کی صحیح توجیہ ممکن ہے اور نہ نتائج اخذ کرنا درست ہو سکتا ہے، نیز یورپین مورخین عموماً اپنے قومی و مذہبی تعصب کی بنا پر دنیا کا مرکز یورپ ہی کو سمجھ لیتے ہیں اور زندگی کے دوسرے اہم اثرات اور محرکات کو صرف اس نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یورپ ان کا اخذ نہیں ہے یا کم از کم بہت گھٹا اور ان کی اہمیت کو کم کر کے پیش کرتے ہیں۔

بد قسمتی سے ہم لوگ عرصہ سے اس کے عادی چلے آئے ہیں کہ جس طرح دوسری اشیاء یورپ سے منگاتے ہیں اسی طرح تاریخ بھی یورپ ہی کے ہاتھوں میں آکر تمام کمزوریوں کے ساتھ اس کو جوں کا توں لے لیں حالانکہ ان کا طریقہ تصنیف اور طریق فکر ہی دوسرے ماقصلاً و پرہیزاً غلط ہے، کیونکہ انھوں نے انسانی زندگی کو ایک محدود زاویہ سے دیکھا ہے اور اس غلط اور محدود زاویہ نگاہ سے وہ غلط

نتائج کا شکار ہوئے ہیں اور یہ ظاہر ہے جب تقدار ہی درست نہ ہوگا تو نتیجہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔
 پیش نظر کتاب تاریخ کا ایک ایسا نمونہ ہے جس میں ان تمام امور پر نگاہ رکھی گئی ہے اور نام نہاد محاکمات
 اور مختلف قدروں کا لحاظ رکھا گیا ہے کتاب کے پڑھنے والے غالباً اس کے متوقع نہ ہوں گے کہ ایک
 صاحبِ ایمان مؤلف جو اسلام کی روحانی طاقت پختہ و کامل رکھنے میں اور عالمی قیادت کو اسلام
 کے سپرد کرنے کا پرجوش جذبہ ان کے دل میں موجزن ہے، جہاں قیادت کی صلاحیتوں پر گفتگو
 کریں گے وہاں روحانی قوت کے ساتھ ساتھ صنعتی و حربی صلاحیت کا بھی تذکرہ کریں گے اور جدید تعلیمی
 نظام اور اقتصادی و تجارتی خود کفالتی بھی میرے حال بحث کریں گے لیکن بڑی مسرت کی بات ہے کہ
 انھوں نے اس پہلو کو بھی نشہ نہیں چھوڑا۔

بلاشبہ اس کتاب میں انسانی زندگی پر اثر ڈالنے والے تمام عوامل کا ایک مربوط اور منظم تصور ہے
 اسی مربوط و منظم تصور کے ساتھ تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے اور امتِ اسلامیہ کو ایسا مشورہ دیا گیا ہے
 جس میں پورا اعتدال اور تناسب پایا جاتا ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب تاریخِ دنیوی
 کا ایک کامیاب نمونہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو یورپ کے اسلوبِ نگارش سے
 بے نیاز ہو کر (جس میں ارتباط و توازن، مورخانہ انصاف اور علمی تحقیق کی بالعموم کمی ہوتی ہے) تاریخی
 مباحث پر کس طرح قلم اٹھانا چاہئے اور کس انداز سے اس کو مرتب کرنا چاہئے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ پیش نظر کتاب کے بارہ میں اپنے ان تاثرات کے اظہار کا موقع ملا اور بڑی
 مسرت ہے کہ مجھے اس کتاب کا مطالعہ عربی زبان میں نصیب ہوا، اس لئے کہ خیالِ مؤلف نے اسی
 زبان کو اپنی تصنیف کے لئے اختیار کیا ہے اور آج دوسری بار مصر میں اس کے شائع ہونے کی نوبت آ رہی ہے
 "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ"

یہ قطب (شہید)
 حلوان (مصر)

باب اول

بعثتِ محمدیؐ سے پہلے

چھٹی صدی مسیحی کی دنیا

چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف تاریخِ انسانی کا تاریک ترین و پست ترین دور تھا، صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی، رُئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غامیس اس کو گرنے سے روک سکے، نشیب کی طرف جلتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی، انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا، وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر اور بُرے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا، پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی، جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے، وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹٹمارہے تھے جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، جو شہروں کو چھوڑ کر چند پورے پورے گھروں میں بھی اُجالا نہیں کر سکتے تھے، دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، او

زندگی کی کشمکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہو گئے تھے، اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے، انھوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی، اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ نظام سلطنت و معیشت میں ان کے دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک و سہم بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی زعامت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے، وہ دنیا کے لئے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبرار و ذمہ دار تھے مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی تھیں، ان کے افراد تعیش و تکلفات کی زندگی اور مصنوعی تمدن کے سمندر میں سرتاپا غرق تھے، بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشہ سلطنت میں سرشار تھے، کام و دہن کی لذت اور خواہشات نفس کی تسکین کے سوا ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ تھا، زندگی کی ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیر نہیں ہوتی تھی، متوسط طبقہ کے لوگ (ہرزبانہ کے دستور کے مطابق) اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے، اور اس کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے، باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بار میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی، دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کے عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح

اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا، کبھی اگر وہ اس خشک و بے مزہ زندگی اور اس یکساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقع ملتا تو فاقہ زدہ اور نذیبہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ سالک تنزل و انحطاط اور شرف و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

اقوام و مذاہب پر ایک نظر

اس دور میں بڑے بڑے مذاہب باز یچہ اطفال اور منافقین کا تختہ ہشت بن گئے تھے، ان مذاہب کی صورت و حقیقت دونوں اس درجہ سبک ہو گئی تھی کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی طرح ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آکر اپنے دین کا حال دیکھ سکیں تو قطعاً وہ اپنے مذاہب نہ پہچان سکتے۔ تہذیب و تمدن کے گہواروں میں خود سری بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دور دورہ تھا، نظام حکومت میں حد درجہ ابتری تھی، احکام کی سخت گیری اور عوام کی اخلاقی گراؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قومیں اپنے اندرونی مسائل ہی میں الجھ کر رہ گئی تھیں، دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ان کے پاس نہ کوئی پیغام تھا، اور نہ انسانیت کے لئے کوئی دعوت تھی، درحقیقت یہ اقوام و مذاہب اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے، ان کی زندگی کا سونا خشک ہو چکا تھا، ان کے پاس نہ دینی ہدایات تھیں اور نہ نظام حکومت کے لئے مستحکم و معقول اصول۔

مسیحیت چھٹی صدی عیسوی میں

مسیحی مذہب میں کبھی بھی اس درجہ تفصیل و وضاحت نہ تھی کہ جس کی روشنی میں زندگی کے اہم مسائل سلجھائے جاسکیں یا اس کی بنیاد پر تمدن کی تعمیر ہو سکے، یا اس کے زیر ہدایت کوئی سلطنت چل سکے، جو کچھ تھا وہ صرف حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کا ایک ہلکا سا خاکہ تھا جس پر توحید کے سادہ عقیدہ کا کچھ پرتو تھا، مسیحیت کا یہ اتنا زبھی اس وقت تک قائم رہا جب تک کہ یہ مذہب سینٹ پال کی دستبرد سے بچا رہا، اس نے تو اگر ہی بھی روشنی بھی گل کر دی کیونکہ جس بُت پرستانہ ماحول میں اس کی پرورش ہوئی تھی، اور جن جاہلی خرافات سے وہ نکل کر آیا تھا، اس نے مسیحیت میں ان تمام جہالتوں اور لغویات کی آمیزش کر دی، اس کے قبسطین کا زمانہ آیا جس نے اپنے دور حکومت میں یہی اصلیت بھی کھودی، غرض یہ کہ چوتھی صدی ہی میں مسیحیت ایک عجیب و غریب بن کر رہ گئی تھی، جس میں یونانی خرافات، رومی بُت پرستی، مصری افلاطونیت (NEO-PLATONISM & MONASTICISM) اور رہبانیت کے اجراء شامل تھے، حضرت مسیحؑ کی سادہ تعلیمات کا غنصر اس مجموعہ میں اس طرح گم ہو کر رہ گیا تھا جیسے کہ ایک قطرہ کا وجود سمندر میں گم ہو جاتا ہے، بالآخر مسیحیت چند بے جان مراسم اور بے کیف عقائد کا نام رہ گیا تھا، جو نہ روح میں گداز پیدا کر سکتے تھے، نہ عقل کی افزائش کا سبب بن سکتے تھے، نہ جذبات کو حرکت میں لاسکتے تھے، اور نہ ان میں اس کی صلاحیت تھی کہ زندگی کے اہم مسائل میں انسانی قافلہ کی رہبری کر سکیں، اس پر تحریف و تاویل کی مصیبت مُتراد تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ نصرانیت علم و فکر کے دروازے کھولتی، وہ خود علم و فکر کی راہ میں چٹان بن کر کھڑی ہو گئی اور صدیوں کے مسلسل انحطاط کے باعث محض ایک

ثبت پستی کا مذہب بن کر رہ گئی، ایل (SALE) جس نے انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا،
چھٹی صدی عیسوی کے عیسائیوں کے بارے میں کہتا ہے: مسیحیوں نے بزرگوں اور حضرت مسیح کے
مجسموں کی پرستش میں اس درجہ غلو کیا کہ اس زمانہ کے روکنے کی تھوک بھی اس حد کو نہیں پہنچنے لگی۔

رومی سلطنت میں مذہبی خانہ جنگی

پھر نفس مذہب سے متعلق کلامی مباحث ابھرائے اور بے نتیجہ اختلافات کی شورش
نے قوم کو ابھادیا جس میں ان کی ذہانتیں ضائع ہوئیں اور قوائے علمی شل ہو گئے، بیشتر ان
خانہ جنگیوں نے بڑے پیمانہ پر فونی معرکہ کی شکل اختیار کر لی، مدارس، کلیسا اور لوگوں کے
مکانات حریت کی پ بن گئے تھے، اور پورے کا پورا ملک خانہ جنگی (CIVIL WAR) کا
شکار تھا، بحث یہ تھی کہ حضرت مسیح کی فطرت کیا ہے اور اس میں الہی اور بشری جزو کس
تناسب سے ہیں؟ روم و شام کے ملکائی (MALKITE) عیسائیوں کا مذہب یہ تھا کہ حضرت مسیح
کی فطرت مرکب ہے، اس کا ایک جزو الہی ہے اور ایک بشری، لیکن مصر کے منوفیٹ (MONOPHYSITES)
عیسائیوں کا اصرار تھا کہ حضرت مسیح کی فطرت خالص الہی ہے، اس میں ان کی فطرت بشری
اس طرح فنا ہو گئی ہے، جیسے سرکہ کا ایک قطرہ سمندر میں پڑ کر اپنی ہستی کو گم کر دیتا ہے، پہلا
سلک گویا حکومت کا سرکاری مسلک تھا، بازنطینی سلاطین و اہل حکومت نے اس کو عام
کرنے اور پوری مملکت کا واحد مذہب بنانے میں پوری قوت صرف کی اور مخالفین مذہب
(مبتدعین) کو سخت نازبن سزائیں دیں جن کے تصور سے روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر اختلاف
اور مذہبی کشاکش بڑھتی ہی رہی، دونوں فریق ایک دوسرے کو ایسا ہی خارج از مذہب اور

۱۷۰ SALE'S TRANSLATION, P. 62 (1896)

بدین سمجھتے تھے، جیسے دو متضاد مذہب کے پیرو، قیرس (CYRUS) کی نیابت مصر کے دس سال (۳۶۱-۳۵۱ ق م) کی تاریخ و حیشانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔

اجتماعی بد نظمی اور معاشی بے چینی

روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بد نظمی انتہا کو پہنچ گئی تھی، باوجود اس کے کہ عام رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی، ٹیکس اور محصول دو گنے چو گنے بڑھ گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے، اور اپنے ملکی حکمرانوں پر بدیسی حکومتوں کو ترجیح دیتے تھے، اجارہ داریاں (MONOPOLIES) اور مضطیباں مصیبت بالاعمال مصیبت تھیں، ان اسباب کی بنا پر بڑے پیمانے پر فسادات اور بغاوتیں رونما ہوئیں چنانچہ ۳۵۳ء کے فساد میں تیس ہزار افراد دارا سلطنت میں ہلاک ہوئے، اور ہر چند کہ وقت اور مصلحت کا تقاضا تھا کہ اخراجات میں کفایت شعاری سے کام لیا جاتا، لیکن لوگ سراوت اور فضول خرچی سے باز نہیں آتے تھے، اور اخلاقی گراؤ کی بورت سے پست سطح ہو سکتی ہے اس حد تک پہنچ چکے تھے، اور صرف ایک ہی لگن سب کے دل سے لگ تھی کہ جس طرح ممکن ہو زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنا چاہئے، اور اس کو فیشن پرستی، عیش پسندی اور اپنی من مانی خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے، انسانیت و شرافت کی بنیادیں اپنی جگہ سے ہل چکی تھیں، تہذیب و اخلاق کے ستون اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ ازدواجی زندگی پر غور کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے تاکہ آزادی سے انھیں کھیل کھیلنے کا

۱۰ ALFRED J. BUTLER ARAB'S CONQUEST OF EGYPT AND THE LAST
THIRTY YEARS OF THE ROMAN DOMINION P. 29-30

۱۱ (ENCYCLO PAEDIA BRITANNICA CHAP. JUSTIN) ۱۲ P. 183-189

موقع لے، انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل، SALE جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور ان کے دام ٹھیرائے جاتے ہیں، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا، رشوت، خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی، لیکن کہتا ہے ”چھٹی صدی عیسوی میں سلطنت کا زوال اور اس کی پستی انتہا پر تھی، اس کی مثال اس بڑے تناور اور گھنے درخت کی تھی جس کے سائے میں دنیا کی قومیں کبھی پناہ لیتی تھیں، اور اب اس کا صرف تنہا گیا ہوا ہو روز بروز سوکھتا جا رہا ہو“

”تاریخ عالم برائے مؤرخین کے مصنفین لکھتے ہیں:-

”بڑے بڑے شہر جن میں تیزی کے ساتھ بربادی آئی، اور پھر وہ سنبھل نہ سکے، اور نہ اس لائق ہو سکے کہ اپنی عظمتِ رفتہ کو پھر زندہ کر سکیں، وہ گواہ ہیں کہ بازنطینی حکومت اس زمانہ میں انتہائی انحطاط و تنزل کے عالم میں تھی اور تیز زلزلے اور محسوس میں زیادتی، تجارت میں پستی، زراعت سے غفلت، شہروں کی آبادی میں روز افزائی کی کمی کا نتیجہ تھا“

یورپ کی شمالی اور مغربی قومیں

وہ مغربی قومیں جو بالکل شمال و مغرب میں آباد تھیں، جہالت و ناخواندگی کا شکار اور خونی جنگوں سے زار و نزار تھیں، وہ جنگ و جہالت کی پیدا کی ہوئی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں، ان ممالک میں اب تک علم و تمدن کی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی، اسلامی و عربی

THE STORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE V. 3. P. 327

GIBBON V. V. P. 31 SALES TRANSLATION P. 72
HISTORIAN'S HISTORY OF THE WORLD V. VII P. 175

اندلس (SPAIN) اس وقت تک منصفہ شہود پر نہیں آیا تھا کہ علم و تمدن سے روشناس کرائے، نیز مصائب و حوادث نے بھی ان کی آنکھیں نہیں کھولی تھیں، غرض ہر طرح یہ قومیں تہذیب انسانی کے قافلہ کی شاہراہ سے الگ تھلگ تھیں، بہت حد تک یہ دنیا سے بے خبر تھیں اور دنیا ان سے تقریباً نا آشنا تھی، مشرق و مغرب کے ممالک میں جو انقلاب انگیز واقعات و تغیرات پیش آ رہے تھے، ان سے قوموں کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، عقائد کے لحاظ سے یہ قومیں فوجی زیمیت اور فرسودہ بُت پرستی کے در بیان میں تھیں، نہ دین سے متعلق ان کے پاس کوئی پیغام تھا، اور نہ سیاست کے میدان میں ان کا کوئی مقام تھا، ایچ جی، ویلز (H. G. WELLS) کا بیان ہے اس زمانہ میں مغربی یورپ کے اندر کچھ ترقی اور نظام کے کوئی آثار نہ تھے؛

رابرٹ بریفالٹ ROBERT BRIFFAULT لکھتا ہے:-

”پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی مدیجہ کا زیادہ گہری اور بھیا نک ہوتی جا رہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی، جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی و فرانس وہاں تباہی، طوائف الملوک اور ویرانی کا دور دورہ تھا؛“

یہود

یورپ، ایشیا، افریقہ میں بسنے والی یہود نام کی قوم دنیا کی تمام قوموں میں

A SHORT HISTORY OF THE WORLD P. 170
THE MAKING OF HUMANITY V. P. 164

اس لحاظ سے متنازع تھی کہ اس کے پاس دین کا بہت بڑا سرمایہ تھا، اور اس میں دینی تعمیرات و اصطلاحات سمجھنے کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی، لیکن یہ یہودی مذہب تمدن یا سیاست میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے کہ دوسروں پر اثر ڈال سکیں، بلکہ اُن کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ ہمیشہ ان پر دوسرے لوگ حکومت کریں اور ہمیشہ ظلم و استبداد، سزا و جلاوطنی اور مصائب و شقت کے ہدف بنے رہیں، عرصہ دراز تک غلام رہنے اور انواع و اقسام کی سختیاں اور سزائیں بھیلنے کے سبب ان کا ایک خاص مزاج بن گیا تھا، قومی غرور، نسبی تکبر، حرص اور مال و دولت کی حد سے بڑھی ہوئی طمع، مسلسل سود کے لین دین سے ان میں مخصوص ذہنیت و سیرت اور قومی خصائل و عادات پیدا ہو گئے تھے، جن میں وہ ہمیشہ منفرد رہے، مگر وریا مغلوب ہونے کے وقت ذلت و خوشامد اور غالب ہونے کی صورت میں انتہائی بے رحمی اور بد معاملگی اور عام حالات میں دغا بازی اور نفاق، سنگدلی و خود غرضی، ہفت خوری و حرام خوری، راہ حق سے لوگوں کو روکنا ان کا قومی کردار تھا، قرآن کریم نے ان کی اس صورت حال کا جو چھٹی اور ساتویں صدی میں تھی، بہت واضح اور مکمل نقشہ کھینچا ہے اور بتلایا ہے کہ اخلاقی انحطاط، انسانی پستی اور اجتماعی فساد میں وہ کس منزل میں تھے، اور کیا اسباب تھے جن کی بنا پر وہ ہمیشہ کے لئے عالم کی قیادت اور اقوام کی امامت سے محروم کر دیئے گئے۔

چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی باہم رقابت و منافرت اس حد پہنچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور فتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا، ہنسی میں یہودیوں نے انطاکیہ میں عیسائیوں کے خلاف بلوہ کیا، ہنشاہ فوقا (PHOCAS) نے ان کی کربلی کے لئے مشہور فوجی افسر بنوسوس (BONOSUS) کو بھیجا اس نے پوری یہودی آبادی کا اس طرح

خاتمہ کیا کہ ہزاروں کو تلوار سے، سیکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کر دیا، ۶۱۵ء میں جب ایرانیوں نے شام کو فتح کیا تو یہودیہ کے مشورہ و ترغیب سے خسر نے عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم کئے اور بیشتر عیسائیوں کو تہ تیغ کیا، ایرانیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہرقل (HERCULES) نے زخم خوردہ عیسائیوں کے مشورہ سے ۶۳۰ء میں یہودیوں سے سخت انتقام لیا اور ان کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی مملکت میں صرف وہ یہودی ہی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے۔

اس سفاکی و بربریت اور اس خون آشام ذہنیت کے ساتھ جس کا مظاہرہ سابقہ صریح کے ان عظیم ترین مذاہب نے کیا، اس کی کیا توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے دور حکومت میں انسانی کے پاسان ثابت ہوں گے اور حق و انصاف اسن و صلح کا پیغام دنیا کو سنائیں گے۔

ایران اور وہاں کی تخریبی تحریکات

تمدن دنیا کی تولیت و انتظام میں ایران روم کا شریک تھا لیکن بد قسمتی سے وہ دشمن انسانیت افراد کی سرگرمیوں کا پرانا مرکز تھا، وہاں کی اخلاقی بنیادیں زمانہ دراز سے متزلزل چلی آ رہی تھیں جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات دنیا کے تمدن و متعلد علاقوں کے باشندے ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی سمجھتے رہے ہیں، او فطری طور پر اس سے نفرت کرتے ہیں ایرانیوں کو ان کی حرمت و کرامت تسلیم نہیں تھی، بزرگ در دوم جس نے پانچویں صدی کے وسط میں حکومت کی ہے اس نے اپنی لڑکی کو زوجیت میں رکھا پھر قتل کر دیا، بہرام چوہین جو چھٹی صدی عیسوی

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الخط المقرئہ ج ۴ ص ۳۹۸ اور

(THE ARAB'S CONQUEST OF EGYPT P. 133 - 134)

HISTORIANS' HISTORY OF THE WORLD, VOL. VIII P. 24 ۵

میں حکمراں تھا، اس نے اپنی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا، پروفیسر آرتھر کرٹن مین کے بیان کے مطابق اس قسم کا رشتہ ایران میں کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ ایک عباد اور کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا، شہورِ صینی بیاح (ہوٹن میانگ) کا بیان ہے کہ ایرانی قانون و معاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لئے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا۔^{۲۲}

تیسری صدی عیسوی میں آئی دنیا کے سامنے آیا اس کی تحریک دراصل ملک کے بڑھتے ہوئے شدید شہوانی رجحان کا ایک غیر فطری اور سخت ردِ عمل اور نور و ظلمت کی مفروضہ کش مکش کا (جو ایران کا قدیمی فلسفہ ہے) نتیجہ تھا، چنانچہ اس نے تجربہ کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی تاکہ دنیا سے شرفِ فساد کے جراثیم ناپید ہو جائیں اس نے اعلان کیا کہ نور و ظلمت کا استخراج ہی شر کا باعث ہے، اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اس بنا پر اس نے نکاح کو حرام قرار دیا کہ انسان جلد سے جلد فنا ہو جائے اور نسل انسانی منقطع ہو کر نور و ظلمت پر دائمی فتح حاصل ہو بہر حال نے ۲۶۷ء میں آئی کو یہ کہتے ہوئے قتل کر ڈالا کہ شخص دنیا کی تباہی کی دعوت دیتا ہے اس لئے قتل اس کے کہ دنیا ختم ہو اور اس کا مقصد پورا ہو اس کو خود ہلاک ہونا چاہئے لیکن بانی مذہب کے قتل کے باوجود اس کی تعلیمات عرصہ تک زندہ رہیں اور اسلامی فتح کے بعد تک ان کے اثرات باقی رہے۔ ایران کی اقتدارِ طبع نے پھر ایک مرتبہ آئی کی دشمن فطرت تعلیمات کے خلاف بغاوت کی، یہ بغاوت مزدک (پیدائش ۲۷۸ء) کی دعوت کی شکل میں سامنے آئی، اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوئے ہیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے لہذا ہر ایک کو دوسرے کی ملکیت میں مساوی حقوق حاصل ہیں اور چونکہ مال اور عورت ہی ڈولیسے غصہ ہیں جن کی حفاظت و نگہ رانی کا انسان اہتمام کرتا ہے، لہذا انھیں میں مساوات و اشتراک کی سب سے

زیادہ ضرورت ہے، شہرستانی کا بیان ہے مزدک نے تمام عورتوں کو سبکے لئے حلال قرار دے دیا، اور مال و وزن کو مثل آگ، پانی اور چارہ کے مشترک اور عام کر دیا۔^۱ نوجوانوں اور پیش پندوں کی مراد برائی اور انھوں نے اس تحریک کا پرجوش خیر مقدم کیا، طرطوشیہ ہوا کہ شاہ ایران قباد نے اس کی سرپرستی قبول کر لی اور اس کی اشاعت و تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھائی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک آگ کی طرح ملک میں پھیل گئی، پورے کا پور ایران جنسی انار کی اور شہوانی بحران میں ڈوب گیا، طبرانی کا بیان ہے کہ:-

”ابو باش اور آوارہ مزاج لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پرجوش ساتھی اور دست و بازو بن گئے، عام شہری اس بلائے ناگہانی کا شکار تھے، اس تحریک کا اتنا زور ہوا کہ جو چاہتا جس کے گھر میں چاہتا گھس آتا اور مال و وزن پر قبضہ کر لیتا اور صاحب مکان کچھ بھی نہ کر سکتا، ان مزدکیوں نے قباد کو ابھارا اور اس کو مزدوں کی دھمکی دے کر تیار کر لیا کہ وہ بھی اس دعوت کو اپنالے نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عالم ہو گیا کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا، اور نہ لڑکا اپنے باپ کو، کئی بھی اپنی کسی ملکیت پر اختیار اور قبضہ نہیں تھا۔“^۲

طبری کا بیان ہے کہ اس تحریک سے پہلے قباد ایران کے اچھے فرمانرواؤں میں تھا لیکن مزدک کی پیروی کی وجہ سے حدودِ مملکت اور سرحدوں میں پرانندگی اور انتہری پھیل گئی۔^۳

ایران کی شاہ پرستی

ایران کے سلاطین جن کا لقب کسری (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس بات کے مدعی تھے کہ

لے المل والنمل للشہرستانی ص ۵۵ ۵۶ تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۵ ایضاً

ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران بھی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں، ان کا اعتقاد تھا کہ ان سلاطین کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز ہے، چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سر سجدہ ہوتے، ان کی اُکوپیت کے ترانے گاتے اور انھیں قانون سے تنقید سے، بلکہ بشریت سے بالاتر تصور کرتے تھے، فرطِ ادب سے ان سلاطین کے نام بھی اپنی زبان پر نہ لاتے اور نہ کوئی شخص ان کی مجلس میں بیٹھنے کی ہمت کر سکتا تھا، اہل ایران کا عقیدہ تھا کہ ان سلاطین کا ہر انسان پر پیدا نشی حق ہے، اور کسی انسان کا ان سلاطین پر حق نہیں، شاہ ایران اپنی دولت میں سے جو تھوڑا بہت کسی کو دے دے یا اپنے دستِ حقان سے کوئی ٹکڑا اٹھا کر کسی کو عطا کر دے وہ اس کا احسان و صدقہ ہے، کسی کا استحقاق نہیں، لوگوں کو سوائے احکام کی بجا آوری کے کسی امر میں دخل نہ دینا چاہیے، ملک، قوم پر حکومت کرنے کے لئے ایک خاص گھرانہ (کیانی خاندان) منتخب تھا، اہل ایران سمجھتے تھے کہ صرف اسی گھرانے کے افراد تخت و تاج کے وارث اور ملک و سلطنت کے مالک ہو سکتے ہیں اور یہ حق وراثتاً ہیے گویا یہ سلاطینِ مطلق منتقل ہوتا رہے گا، اس حق میں کسی کو دست درازی کی مجال نہیں، چنانچہ یہ لوگ بادشاہ و تخت پر ایمان رکھتے تھے، اور حکومت کو شاہی خاندان کا موروثی حق سمجھتے تھے، اگر جس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، اگر اس خاندان میں کوئی سن ریو نہ ملتا تو بچہ ہی کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیتے اور اگر کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت ہی کو تاج شہنشاہی پہنتا، چنانچہ خیر و شر کے بعد اس کے ہفت سالہ بچہ اردشیر کو شہنشاہ تسلیم کیا گیا اور خسرو پرویز کے بیٹے فرخ زاد تخت و حکومت کی حالت میں لوگوں نے بادشاہ بنایا اور کسریٰ کی لڑکی اور ان بھی تخت نشین ہوئی اور دوسری بیٹی جس کا نام آندھی دخت تھا وہ بھی حکومت کر چکی ہے، کسی کو اس کا تصور بھی نہیں آیا کہ کسی سپہ سالار

۱۷ تاریخ طبری، ج ۲ - و تاریخ ایران از منکارتوس ایرانی.

یا بڑے سردار یا کسی دوسرے لائق اور آزمودہ کار شخص کو (جیسے رستم و جابان تھے) انتظامِ سلطنت سپرد کر دیں چونکہ وہ شاہی گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اس لئے ان کا سوال انہیں پیدا ہوتا تھا۔

مذہبی گھرانوں اور سرداروں کے بارہ میں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ یہ لوگ عام انسانی سطح سے بلند ہیں، اور ان کی شخصیتیں اور ان کے دل و دماغ دوسرے انسانوں سے الگ ہیں، ان اشخاص کو اہل ایران نے غیر محدود اختیارات دے رکھے تھے، اونچ نیچ کا فرق طبقتوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظامِ زندگی کا اہل قانون تھا، جس میں رد و بدل ممکن نہ تھا، پروفیسر آرتھر کرشن سین کا بیان ہے :-

”سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابلِ عبور فاصلہ تھا، حکومت کی طرف سے عوامِ الناس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقہ امرا میں سے کسی کی جائیداد کو خریدیں، سیاست ساسانی کا محکم اصول تھا کہ ہرگز کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسب حاصل ہے، کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا ہے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے، شاہانِ ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے، عوامِ الناس کی مختلف جماعتوں میں نہایت صریح امتیاز تھا، سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی“

ایران کی قوم پرستی

اہل ایران اپنی ایرانی قومیت و عظمت و تقدیس کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ

اہل ایران بعد ساسانیان ۵۷۰ء ایضاً ۴۷۵ء ایضاً ۴۷۵ء ایضاً ۴۷۵ء ایضاً ۴۷۵ء ایضاً ۴۷۵ء

اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر نسل پر اس قومیت و نسل کو فضیلت و برتری حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ خصوصی صلاحیتیں اور فطری قابلیتیں بخشی ہیں جن سے ان کا کوئی شریک و ہم تنہا یہ لوگ اپنے گرد و پیش کی قوموں کو بڑی حسادت و ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان کے لئے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں توہین و تمسخر یا اہجانا۔

آتش پرستی اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

چونکہ آگ اپنے پجاریوں کو ہدایت دینے اور اپنا پیغام پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنے پجاریوں کے مسائل زندگی کو حل کر سکے، ان میں دخل دے اور تجربوں، گتہ گاروں اور مفسدوں کا ہاتھ پکڑ سکے اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو سیوں کا مذہب چند مراسم و روایات کا نام رہ گیا تھا، انھیں مخصوص اوقات اور خاص خاص مقامات پر ادا کر لیا کرتے تھے، رہا عبادت گاہوں سے باہر اپنے گھروں اور بازاروں، دائرۃ اثر اور سیاسی و اجتماعی امور میں تو اس میں یہ بالکل آزاد تھے، اپنی من مانی کرتے ان کے خیالات جس رخ پر چاہتے انھیں موڑتے رہتے یا پھر جو مصلحت اور وقت کا تقاضا ہوتا اس پر کار بند ہوتے، جیسا کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں عام طور پر شرکوں کا حال رہا ہے۔

غرض اہل ایران ایسے مکمل اور جامع دین سے یکسر محروم تھے جو ان کے باطن کی اصلاح کرتا، ان کے اخلاق سنوارتا، نفسیاتی خواہشات کو دبائے اور نیک خواہشات کو ابھارنے کی اس میں طاقت ہوتی، وہ خاندان کا نظام زندگی ملک کا دستور حکومت ہوتا، جو سلاطین کی چیرہ دستیوں اور حکام کی زیادتیوں کی روک تھام کر سکتا، ظالم کا ہاتھ پکڑ سکتا اور مظلوم کے حق میں انصاف کر سکتا، لیکن جیسا کہ اوپر گزر چکا آتش پرست ایرانیوں کو ایسا دین نصیب نہ تھا۔

اور اس طرح ایران کے مجوسیوں اور دنیا کے دوسرے مذاہب و اقوالوں افراد میں اخلاق و اعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا۔

بدھ مت اور اس کے تغیرات

بدھ مت اپنی سادگی اور اپنی انفرادیت عرصہ ہوا کھو چکا تھا، بدھ مذہب کے ہندوستان کے برہمنی مذہب کو اپنے میں شامل کر کے اور اس کے اوتاروں اور دیوتاؤں کو اختیار کر کے (جیسا کہ ڈاکٹر گستاوی بان مصنف تمدن ہند کا رجحان معلوم ہوتا ہے) اپنی ہستی کو کم کر دیا تھا، برہمنیت نے (جو عرصہ سے خوار کھائے بیٹھی تھی) اس کو ہضم اور اپنے میں گم کر لیا تھا، بہر حال یہ دونوں مذاہب جو عرصہ سے ایک دوسرے کے حریت چلے آ رہے تھے، باہم شیعہ و خشک ہو چکے تھے، اور بدھ مت اب عرصہ سے بڑھتی پڑتی کا ایک مذہب تھا، جن ممالک میں بھی اس مذہب کے پیرو گئے، بڑھتے ان کے ساتھ رہے، یہ لوگ جہاں جاتے اور جس ملک میں پہنچتے گوتم کے مجسمے نصب کرتے اور اس کی شبیہیں تیار کرتے، ان کی مذہبی و تمدنی زندگی ان مجسموں سے ڈھکی ہوئی نظر آتی ہے، یہ مجسمے زیادہ تر بدھ مت کے دورِ ترقی میں تیار ہوئے تھے، پروفیسر اشور لویا

لے نکلا (قدیم بدھ دارالسلطنت) کے عجائب خانہ کی سیر کرنے والا ان مجسموں اور صورتوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے، جو بدھ مذہب کے بڑے بڑے شہروں کی کھدائی کے بعد نکلتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب اور اس کا تمدن خاص بڑھتے پرستانہ مذہب و تمدن بن گیا تھا، ڈاکٹر گستاوی بان نے بھی ہندوستان میں بدھ مت اور یادگاروں کو دیکھ کر یہی نتیجہ نکالا ہے، وہ تمدن ہند میں لکھتا ہے:-

”اصلی بدھ مذہب کو سمجھنے اور جاننے کے لئے اس مذہب کی یادگاروں کا مطالعہ کرنا چاہئے نہ کہ کتابوں کا جو سبق ہمیں ان یادگاروں کے لئے ہے، وہ ان کتابی مسائل سے جن کی تعلیم یورپی مصنفین کرتے ہیں بالکل علیحدہ ہے یہ یادگاریں ثابت کرتی ہیں کہ جس مذہب کو یورپی علماء اتحادی مذہب بتاتے ہیں وہ فی الواقع بڑھتے پرست اور کثیر الالہہ مذاہب کا تراجم ہے۔ (تمہ ہندوستان ۲۶۵)

اپنی کتاب "ہندوستانی تمدن" میں لکھتے ہیں: بدھ مت کے سائے میں ایسی حکومت قائم ہوئی جس میں اوتاروں کی بھرمار اور مورت پرستی کا دور دورہ دکھلائی دینے لگا، سنگھوں کی فضا بدل رہی تھی، اس میں بدھتیں اور بدھتیں کے بعد دیگرے نظر آ رہی تھیں!

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب تلاش ہند THE DISCOVERY OF INDIA میں بدھ مت کے بگاڑ اور تدریجی زوال کے متعلق لکھتے ہیں:-

"برہمنیت نے بودھ کو اوتار بنا دیا، بودھ مت نے بھی یہی کیا، سنگھ بہت دولت مند ہو گئے اور ایک خاص جماعت کے مفاد کے مرکز بن کر رہ گئے، اور ان میں ضبط و قاعدہ بالکل نہیں رہا، عبادت کے طریقوں میں سحر اور اوہام داخل ہو گئے، اور ہندوستان میں ایک ہزار سال تک باقاعدہ رائج رہنے کے بعد بودھ مت کا تنزل شروع ہو گیا، اس عہد میں اس کی جو مریضانہ کیفیت تھی سرزراٹس ڈیوڈس (MRS. RHYS DAVIDS) نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

"ان مریضانہ تخیلات کے گہرے سائے میں اگر گوتم کی اخلاقی تعلیم نظر سے اوجھل ہو گئی، ایک نظریہ پیدا ہوا اور اس نے فروغ پایا، اس کی جگہ دوسرے نے لی، اور ہر ایک قدم پر ایک نیا نظریہ پیدا ہونے لگا، یہاں تک کہ ساری فضا میں ذہن کی لائن پُر فریب تخیلوں سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا، اور بانی مذہب کے سادہ اور بلند اخلاقی درس ان الہیاتی نمونہ کاغذوں کے انبار کے نیچے دب کر رہ گئے، مجموعی حیثیت سے بودھ مت اور برہمنیت دونوں ہی میں گراؤ پیدا ہو گئی، اور ان میں اکثر متبدل رسوم داخل ہو گئیں، دونوں میں امتیاز کا نشانہ شکل ہو گیا، بودھ مت برہمنیت میں گھل مل گیا۔"

لے ہندوستانی تمدن (اردو) ایشور اپٹا۔ ۱۵ تلاش ہند ۲۰۳، ۲۰۴ ۱۵ ایضاً

خلاصہ یہ کہ چین اور ان تمام ممالک کے پاس (جو بودھ مت کے پیرو تھے) دنیا کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا جس کی روشنی میں دنیا اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتی، اور خدا کا سیدھا راستہ پاتی، اہل چین ہمدن دنیا کے بالکل مشرقی کنارہ پر اپنی علمی اور مذہبی میراث کو سینہ سے لگائے بیٹھے تھے جس میں نہ خود وہ کسی اضافہ کے خواہشمند تھے اور نہ دوسروں کے ذخیرہ میں اضافہ کرنے کے اہل تھے۔

وسط ایشیا کی قومیں

مشرق اور وسط ایشیا کی دوسری قومیں (مثل، ترک، جاپانی) وغیرہ بگڑے ہوئے بودھ مت اور دھینا نہ بت پرستی کے درمیان تھیں، نہ کوئی علمی دولت اُن کے پاس تھی اور نہ سیٹا کا کوئی ترقی یافتہ نظام ان کے یہاں تھا، دراصل یہ قومیں اپنے عبوری دور میں تھیں، جاہلانہ بت پرستی سے نکل کر تمدن کی طرف آرہی تھیں اور چند قومیں ایسی بھی تھیں جو اس وقت تک شہریت اور زندگی کی ابتدائی منزل میں تھیں اور عقلی و تمدنی حیثیت سے ان کا دور طفولیت تھا۔

ہندوستان، مذہبی، اجتماعی اور اخلاقی نقطہ نظر سے

ہندوستان کے مؤرخین کا اس نقطہ پر اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے جو زمانہ شروع ہوتا ہے، وہ مذہبی، اجتماعی اور اخلاقی لحاظ سے اس ملک کی تاریخ کا (جو کسی زمانہ میں علم و تمدن اور اخلاقی تحریکات کا مرکز رہا ہے) پست ترین دور تھا، ہندوستان کے ارد گرد دوسرے ممالک میں جو اجتماعی اور اخلاقی انحطاط رونما تھا، اس میں یہ ملک کسی سے پیچھے نہ تھا، اس کے علاوہ بھی کچھ خصوصیات تھیں جن میں اس ملک کو شانِ کیتائی حاصل تھی، ان خصوصیات کو میں منواتا

کے ذیل میں بیان کیا جاسکتا ہے (۱) معبودوں کی حد سے بڑھی ہوئی کثرت (۲) جنسی خواہشات کی مجرانی کیفیت (۳) طبقاتی تقسیم اور معاشرتی امتیازات۔

نت نئے دیوتا

چھٹی صدی عیسوی میں ثبت پرتی پوسے عروج پتھی، وید میں دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ تھی، اس صدی میں نینتیس کروڑ ہو گئی اس عہد میں ہر سپدیدہ شے کھرش رکھنے والی اور زندگی کی کوئی ضرورت پوری کرنے والی چیز دیوتا بن گئی تھی جس کی پوجا کی جاتی تھی، اس طرح بتوں اور بتوں دیوتاؤں اور دیویوں کا کوئی شمار نہ تھا، ان دیوتاؤں اور قابل پرستش اشیاء میں مہدیاں و جمادات اشجار و نباتات، پہاڑ اور دریا، حیوانات حتیٰ کہ آلات تناسل سب ہی شامل تھے اس طرح یہ قدیم مذہب افسانوی روایات اور عقائد و عبادات کا ایک دیومالابن کر رہ گیا، ڈاکٹر گستاوی بان متھن ہند میں لکھتا ہے:-

”دنیا کی تمام اقوام میں ہندو کے لئے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی ہے اگرچہ مختلف ازمنہ میں مذہبی اصلاح کرنے والوں نے ہندو مذہب میں توحید کو ثابت کرنا چاہا ہے، لیکن یہ کوشش بالکل بے فائدہ ہے، ہندو کے نزدیک کیا ویدی زمانہ میں اور کیا اس وقت ہر چیز خدا ہے جو کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے یا جس سے وہ مقابلہ کر سکے، اس کے نزدیک پرستش کے لائق ہے، برہمنوں اور ٹنڈیوں کی نہ صرف کل کوششیں جو انھوں نے توحید قائم کرنے کے لئے کیں بلکہ کل وہ کوششیں بھی جو وہ دیوتاؤں کی تعداد گھٹا کر تین پر لانے کے لئے عمل میں لائے محض بیکار اور رائیگاں میں عوام انسان نے ان کی تسلیم کو سنا اور قبول کیا، لیکن علامہ قرین خدا تعالیٰ میں بڑھتے گئے اور ایک چیز بنی“

ہر ایک رنگ بویں اُن کے اوتار نظر آنے لگے!

چھٹی سائیس صدی میں بُت سازی کے فن نے بڑی ترقی کی، اس عہد میں فن اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا، سارے ملک میں بُت پرستی کا دور دورہ تھا، حتیٰ کہ بودھ مت اور ہینی مذہب کو بھی مذاق عام کا ساتھ دینا پڑا اور اپنی زندگی اور مقبولیت کو قائم رکھنے کے لئے اسی روش کو اختیار کرنا پڑا، بُت پرستی کے اس عروج اور وزنیوں اور مجسموں کی کثرت کا اندازہ چینی سیاح ہوئن سیانگ (جس نے سنہ ۶۳۰ء اور سنہ ۶۴۴ء کے درمیان ہندوستان کی سیاحت کی ہے) کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جس میں اس نے راجہ ہرش (۶۰۶-۶۴۷ء) جتن کی کیفیت سنائی ہے، ہوئن سیانگ لکھتا ہے:-

”راجہ ہرش نے تنوج میں علمائے مذہب کا مجمع کرایا، کوئی پچاس ہاتھ اونچے مینار پر گوتم بدھ کی طلائی مورت نصب کی گئی تھی، اس کی دوسری چھوٹی مورت کا بڑی دھوم دھام سے جلوس نکالا گیا جس میں ہرش نے سکر دیوتے کے لباس میں چتر برداری کا او اس کے حلیف راجہ وائی کامروپ نے گس رائی کی بیٹے

ہوئن سیانگ نے ہرش کے خاندان یا درباریوں کے متعلق لکھا ہے کہ کوئی تو شیو کا پرتا تھا، اور کوئی بودھ مت کا پیر ہو گیا تھا، بعض لوگ سورج کی پوجا کرتے تھے، بعض وشنو کی، شخص اُڑا تھا کہ جس دیوی دیوتا کو چاہے اپنی پرستش کے لئے مخصوص کرے اور چاہے تو سب کی پوجا کرے۔

جنسی بحران

شہوانی جذبات اور جنسی (SEXUAL) میلان کو ابھارنے والے عناصر مذہبی صورت میں جس قدر ہندوستان کے قدیم مذہب و تمدن میں ہیں، کسی دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے،

لے تمدن ہندوستان ۴۴۱-۴۴۱ء ۵۲ ہوئن سیانگ کا سفر نامہ، فو کوئی کی (مغربی سلطنت) ۳۵۱ء

ملک کی مقدس کتابوں اور مذہبی حلقوں نے اہم واقعات، حوادث کے وقوع اور موجودات کے وجود کی وجہ کے سلسلہ میں دیویوں اور دیوتاؤں کے باہم اختلاط اور بعض اونچے گھرانوں پر ان کی توجہات کے بعض ایسے واقعات اور روایتیں بیان کی ہیں، جن کو سن کر آنکھیں نیچی اور پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، ان حکایتوں کا سادہ لوح اہل مذہب پر جو بڑے اخلاص اور جوش ایمانی کے ساتھ ان کہانیوں کو دہراتے ہیں، جو کچھ اثر پڑ سکتا ہے، اس کا قیاس کرنا کچھ مشکل نہیں، ظاہر ہے کہ ان کے اعصاب اور جذبات پر یہ روایتیں غیر شعوری طور پر اثر انداز ہوں گی، اس کے علاوہ بڑے دیوتا (شیو) کے آؤ تناسل (لگم) کی پوجا ہوتی تھی، اور بچے، جوان اور عورت سب اس میں شریک ہوتے تھے، ڈاکٹر گتولی بان اس کی اہمیت اور اس کے ساتھ اہل ہند کے شغف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”ہندوؤں کو عورتوں اور ظاہری علامات سے بے انتہا انس ہے، ان کا کوئی مذہب کیوں نہ ہو اس کے اعمال کو یہ نہایت اہتمام سے بجا لاتے ہیں، ان کے مندرپوش کی چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں، جن میں سب سے مقدم لگم اور دیوتی ہیں، جن سے مراد مادہ خلقت کے دونوں جزو ہیں، اشوک کے ستونوں کو بھی عام ہندو لگم خیال کرتے ہیں اور اسطوانہ اور مخروطی شکلیں ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں۔“

”نہ زمین کا بیان ہے کہ ایک مذہبی فرقہ کے مرد برہمن عورتوں کی اور عورتیں برہمن مردوں کی پرستش کرتے تھے، ہندوؤں کے محافظ و منظم بد اخلاقی کا سرشتیہ تھے، اور بہت سی عبادت گاہیں اخلاقی جرائم (CORRUPTION) کا مرکز تھیں، راجاؤں کے محل اور بادشاہوں کے درباروں میں بے تکلف شراب کا دوڑ چلتا اور سرستی میں اخلاقی حدود برقرار نہ رہتے۔“

لے تمدن ہند ص ۴۴ لے سینار تھ پرکاش (دیباچہ سرسوتی) ص ۴۴

اس تن پروری و نفس پرستی کے بالکل متوازی نفس کشی، ریاضت و مجاہدہ (جوگ) اور تپسیا کا سلسلہ بھی جاری تھا جس میں حد درجہ غلو اور انتہا پسندی سے کام لیا جاتا تھا، لہذا ان دونوں سروں کے درمیان اعتدال و توازن سے محروم تھا، چند افراد نفس کشی اور روحانی ترقی میں مصروف تھے اور عام آبادی شہوانیت اور نفس پرستی کے دھارے میں بہی چلی جا رہی تھی۔

طبقہ واریت

کسی قوم کی تاریخ میں اس قدر قیمتی طبقہ واری انبیاز اور پیشوں اور زندگی کے مشغلوں کی ایسی نمٹ اور اٹل تقسیم کم دیکھنے میں آئی ہے، جیسی ہندوستان کے قدیم مذہبی و معاشرتی قانون میں ہے، ذات پات کی تفریق اور پیشہ کی جگہ بندیوں کی ابتدا وید کے آخری زمانہ سے شروع ہو جاتی ہے، آریوں نے اپنی نسل اور اس کی خصوصیات کو محفوظ رکھنے اس ملک میں اپنی فاتحانہ حیثیت قائم رکھنے اور اپنا تفوق و برتری برقرار رکھنے کے لئے اس طبقہ واریت اور نسل انبیاز کو ضروری سمجھا، ڈاکٹر گستاوی بان لکھتا ہے:۔

”ویدی زمانہ کے آخر میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مختلف پیشے کم و بیش آبائی ہوتے جا رہے تھے اور ذات کی تقسیم شروع ہو چکی تھی، اگرچہ تکمیل کو نہیں پہنچ چکی تھی، ویدی آریوں کو یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اپنی پرانی نسل کو اقوام مفتوحہ کے میل جول سے محفوظ رکھیں اور جس وقت قلیل التعداد فاتحین مشرق کی طرف بڑھے اور انھوں نے دیہی اقوام کے ایک بہت بڑے گروہ کو فتح کر لیا تو یہ ضرورت اور بھی زیادہ ہو گئی اور مفتنوں کو اس کا بھافنا لازمی ہو گیا، نسل کے مسائل کو آریہ سمجھ چکے تھے انھیں معلوم ہو چکا تھا کہ اگر کوئی قلیل التعداد فاتح قوم اپنی پوری حفاظت نہ کرے

تو وہ بہت جلد مفتوح اقوام میں کھپ جاتی ہے اور اس کا نام و نشا باقی نہیں رہتا۔
لیکن اس کو ایک مرتب و مفصل قانون کی شکل دینے کا سہرا منوجی کے سر ہے منوجی نے
پیدائش مسیح سے تین سو برس پہلے (جب ہندوستان میں برہمنی تہذیب عروج پر تھی) ہندوستانی سماج
کے لئے اس قانون کو مرتب کیا اور تمام اہل ملک نے اس کو بالاتفاق قبول کیا اور اس نے بہت جلد
ملکی قانون اور ایک مذہبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لی، یہ وہی قانون ہے جس کو ہم آج
”منو شاستر“ کے نام سے جانتے ہیں۔

منو شاستر میں چار ذاتیں بیان کی گئی ہیں (۱) برہمن یعنی مذہبی پیشوا (۲) چھتری
لڑنے والے (۳) ویش زراعت و تجارت پیشہ اور (۴) شودر جن کا کوئی خاص پیشہ
نہ تھا، اور جو دوسری ذاتوں کے صرف خادم تھے، منو شاستر میں ہے:-

”قادر مطلق نے دنیا کی عبودیت کے لئے اپنے منہ سے اور اپنے بازوؤں سے اور اپنی رانوں
سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا۔
”اس دنیا کی حفاظت کے لئے اس نے ان میں سے ہر ایک کے لئے علمدہ علامدہ
فرائض قرار دیئے۔“

”برہمنوں کے لئے وید کی تعلیم اور خود اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں
کے پڑھانے دینا اور دان دینے کے کافر من قرار دیا۔“
”چھتری کو اس نے حکم دیا کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے
چڑھاوے، وید پڑھے، اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑھے۔“
”ویش کو اس نے یہ حکم دیا کہ مویشی کی سیرا کرے، دان دے، چڑھاوے پڑھاوے۔“

لے تمدن ہند ۳۱۳ منو شاستر بابا اول ۱۳۱ ۱۳۲ ایضاً ۱۳۳ ۱۳۴ ایضاً ۱۳۵ ۱۳۶ ایضاً ۱۳۷

وید پڑھے تجارت لین دین زراعت کرے؛

”شودر کے لئے قاور ملنے نے صرف ایک ہی فرض بنایا وہ انہیوں کی خدمت کرنا ہے؛

اس قانون نے برہمنوں کو دوسری ذاتوں کے مقابلہ میں اتنا امتیاز اور تفویض و تقدس عطا کیا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے ہمسر بن گئے، منو شاستر میں ہے:-

”جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، وہ بادشاہ

ہے کل مخلوقات کا اور اس کا کام ہے شاستر کی حفاظت؛

”جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے

کل چیزیں اسی کی ہیں؛

”برہمن کو ضرورت ہو تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر

لے سکتا ہے، اس غضب سے اس پر کوئی حرم عائد نہیں ہوتا کیوں کہ غلام مٹا جائے

نہیں ہو سکتا، اس کی کل املاک، مال کا مال ہے؛

”جس برہمن کو رگ وید یاد ہے وہ بالکل گناہ سے پاک ہے، اگرچہ وہ تینوں

عالم کو اس کیوں نہ کر دے یا کسی کا بھی کھانا کیوں نہ کھائے؛

”بادشاہ کو کیسی ہی سخت ضرورت ہو اور وہ تڑپا بھی ہو تو بھی اسے برہمنوں سے حصول

نہ لینا چاہئے اور نہ اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مرنے دینا چاہئے؛

”سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر منڈا جائے گا، لیکن اور ذات

کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی؛

لے منو شاستر باب اول منو ۱۵ ایضاً ۱۵ ایضاً ۱۵ ایضاً ۱۵

۱۵ ایضاً باب ششم ۱۵ ایضاً باب نہم ۱۵ ایضاً باب نہم ۱۵ ایضاً باب نہم ۱۵

اس قانون میں پھرتی اگر چہ پیش اور شودر کے مقابل میں بلندہیں لیکن برہمنوں کے مقابل میں وہ بھی سیچ ہیں منو لکھتے ہیں:-
 ”دش سال کی عمر کا برہمن اور نو سال کی عمر کا پھرتی گویا آپس میں باپ بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں لیکن ان دونوں میں برہمن باپ ہے؛“

بدقسمت شودر

باقی ہے اچھوت شودر تو وہ ہندوستانی مسلح میں اس شہری و مذہبی قانون کی رو سے جانوروں سے پست درجہ کے اور کتوں سے زیادہ ذلیل تھے، منو شاستر میں ہے:-
 ”برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے نہایت قابل تعریف بات ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز سے اُسے اور کوئی اجر نہیں مل سکتا؛“
 ”شودر کو اگر موقع ملے تو اسے نہیں چاہئے کہ مال و دولت جمع کرے کیونکہ شودر دولت جمع کر کے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے؛“
 ”اگر شودر دوجوں پر ہاتھ یا لکڑی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے گا اور اگر وہ غصہ میں لات مارے تو اس کا پیر کاٹ ڈالا جائے گا؛“
 ”اگر کوئی شودر کسی دوج کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھنا چاہے تو بادشاہ کو چاہئے کہ اس کے سرین کو دوغوا دے اور اسے ملک بدر کر دے یا اس کے سرین کو زخمی کر دے؛“
 ”اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان نالو سے کھینچ لی جائے“
 ”اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اس کو وہ تعلیم دے سکتا ہے تو کھوتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے؛“

۱۔ منو شاستر باب ۱۳۵ ۲۔ ایضاً باب ۱۱۹ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً باب ۲۸ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً

کہتے، تہی، مینڈک چھپکلی، کوئے، اُتو اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے!ؑ

ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت

برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا، جو دیدی زمانہ میں تھا، منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے۔

شوہر مر جاتا تو عورت گویا جیتے جی مر جاتی اور زندہ درگور ہو جاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کر سکتی، اس کی قسمت میں طعن و تشنیع اور ذلت و تحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا، اکثر بیوئیں اپنے شوہروں کے ساتھ مستی ہو جاتیں، ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے ”بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منو شاستر میں نہیں ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہو چکی تھی، کیونکہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے“ؑ

عرض یہ سرسبز و شاداب ملک جو فطرت کے خزانوں سے الامال تھا، سچے آسمانی مذہب کی تعلیمات سے عرصہ سے محروم ہونے اور مذہب کے مستند ماخذوں کے گم ہو جانے کی وجہ سے قیاسات و تخویفات کا شکار اور رسوم و روایات کا پرستار بنا ہوا تھا، اور اس وقت کی دنیا میں جہالت و توہم پرستی، پست درجہ کی مٹ پرستی، نفسانی خواہشات اور طبقہ داری نا انصافی میں پیش پیش تھا، اور دنیا کی اخلاقی و روحانی رہبری کے بجائے خود اندرونی انشائ اور اخلاقی بد نظمی میں مبتلا تھا۔

۱۔ منو شاستر ۴۷ تمدن ہند ص ۲۳ ۲۔ ایضاً ص ۲۳۸

عرب

دور جاہلیت میں عرب اپنی بعض فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، آزادی و خودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے، عقیدے کے پرجوش، صاف گو اور جبری، حافظہ کے قوی، مساوات بے تکلفی اور جفاکشی کے حامی، ارادہ کے پکے، زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے بعد ایک جزیرہ ناپید صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قوی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں وہ منزل و انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھسنے کی طرح کھا رہے تھے، غرض مذاہب کے اکثر شاہنشاہوں سے وہ محروم اور جاہلی زندگی کی بدترین خصوصیتوں اور معائب میں مبتلا تھے۔

دور جاہلیت کے بُت

جہالت و جاہلیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ غیر اشرکی پرستش کا عقیدہ مقبول و عام اور اشرعہ تہائے کی وحدانیت و ربوبیت کا تصور مرکز و راہ و خواص میں محدود ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ پوری قوم بتوں اور مورتیوں کی (جن کو کسی زمانہ میں شیخ اور واسطہ یا مرکز توجہ بنانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا) صاف صاف پرستش میں مشغول ہو گئی اور اشرعہ لا سے (جس کا

خائف کائنات اور رب الارباب کی حیثیت سے اب بھی اقرار تھا) عملاً و قلباً تعلق منقطع ہو کر دوسرے معبودوں اور بتوں سے قائم ہو گیا تھا، اور عبودیت و بندگی کے اظہار کے طریقے اور اعمال (سجدہ، قربانی، حلف، دعا و استغاثت) انھیں کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئے تھے، اور ملک میں کھلی بُت پرستی، خدا سے بے تعلقی اور صریح شرک کا دور دورہ تھا۔

عرب میں ہر قبیلہ، ہر شہر اور ہر علاقہ کا ایک خاص بُت تھا، بلکہ گھر کا بُت جدا تھا، کلبی کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ کے ہر گھر کا ایک بُت تھا جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے جب کہ کئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بُت کو حصولِ برکت کے لئے چھوڑا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بُت کو تبرکاً ہاتھ لگاتا بتوں کے بارے میں بڑا غلو اور انہماک تھا کسی نے تو ایک بُت خانہ بنا رکھا تھا کسی نے بُت تیار کر لیا تھا جو بُت خانہ نہیں بنا سکتا تھا، یا بُت نہیں تیار کر سکتا تھا، وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے ارد گرد اس شان سے طواف کرتا جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے، خود خانہ کعبہ کے اندر (وہ خانہ کعبہ جو صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا) اور اس کے صحن میں ۳۶۰ بُت تھے، بتوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرنے کے لئے یہ لوگ اس حد تک بڑھ گئے کہ پتھر کی قسم سے جو کچھ مل جاتا اس کو پوجتے، بخاری میں ابورجاء العطار دی سے روایت ہے کہ ہم لوگ

لَهُ دَلِيلٌ سَأَلْنَاهُ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ يَقُولُ اللَّهُ ﷻ عَرَبِ جَابِلِيَّتِ كَيْفَ حَقِيقَتِ
اور شرکاء عقیدہ کے مددگار تھا کہ معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو شامی فاضل حمود عزت و روزہ کی کتاب بیئۃ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم من القبائل (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اور ماحول قرآن کی روشنی میں)۔

۵۸ ایضاً ۵۹ صحیح بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ۔

پتھر کو پوجتے تھے، اگر کوئی اس سے اچھے قسم کا پتھر مل جاتا تو اس کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لے لیتے اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لاکر دھوتے، پھر اسی کا طواف کرتے، کلبی کا بیان ہے کہ کوئی شخص سفر میں کسی نئے مقام پر اترتا تو چار پتھر لے آتا جو پتھر اس کو اچھا معلوم ہوتا اس کو موجود قرار دیتا اور باقی تین پتھروں کو اپنی ہانڈی کا پتھر بناتا اور جب وہاں سے جاتا تو سب پتھروں کو چھوڑ جاتا۔

معبودوں کی کثرت

مشرکوں کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے وہی حال عرب کا تھا، ان کے منخددا اور مختلف معبود تھے، جن میں فرشتے، جن تالے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارہ میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان سے شفاعت کے طلب گار ہوتے، ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے جنوں کو اللہ کا شریک کا سمجھتے، ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔ کلبی کا بیان ہے کہ قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو لیح تھی، جو جنوں کو پوجتی تھی، صاعد کی روایت ہے کہ قبیلہ حمیر آفتاب کی پرستش کرتا، کانانہ کا قبیلہ چاند کا پرستار تھا، بنو تمیم وبران کی تحم و جذام مشرق کی قبیلہ طے سہیل کی، بنو قیس شمر کی اور بنو اسد عطار کی پرستش کرتا تھا۔

اخلاقی و اجتماعی امراض

اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں اور امراض گھر گھر کے ہوئے تھے، اور

۱۷ صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ ۱۷ کتاب الامم ۱۷ ایضاً ۱۷

۱۸ ایضاً ۱۸ ۱۹ طبقات الامم (صاعد اندلسی) ص ۱۲

اس کے اسباب واضح ہیں، شراب عام طور سے پی جاتی تھی، اور ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اس کا تذکرہ ان کی ادبیات اور شاعری کی بہت بڑی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے، عربی زبان میں اس کا نام جس کثرت سے ہیں اور ان ناموں میں جن باریک فرقوں اور پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے اس کی مقبولیت و عمومیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، شراب کی دوکانیں برسرِ راہ تھیں اور علامت کے طور پر ان پر پھر براہِ لہر آتا، جو اجاہلی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا پست سمجھی اور مردہ دلی کی دلیل تھی، نابلی عالم قتادہ کا بیان ہے کہ زنا، جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر یا کو داؤں پر کھدیتا تھا، پھر ٹا ہوا حسرت کے اپنے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا اس سے نفرت و عداوت کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی تھی۔ حجاز کے عرب و یہودی سودی لین دین اور سود و سود کا معاملہ کرتے اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے، زنا کو کچھ زیادہ محبوب بات نہ سمجھا جاتا اور اس کے واقعات عربوں کی زندگی میں کیا بے تھے اس کے بہت سے اقسام اور طریقے رائج تھے، زنان بازار اور پیشہ و عورتوں کے آڈے بھی موجود تھے اور شراب خانوں میں بھی اس کا انتظام تھا۔

عورت کا درجہ

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم و بد سلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی اس کے

۱۔ ملاحظہ ہو کتاب النقص (ابن سیدہ) المخرج ۱۱ ص ۸۲ ۵۲ مسیح مملکت مملکت شرقیت سامرہ ۱۱

۲۔ دیوان الحماس قصیدۃ جبرین خالد شعرواذا اهلکت فلا تریدی حلجنا ۱۱ ملاحظہ ہو

تفسیر طبری تفسیر آیت اِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوَفِّعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ ۗ ۝ تفسیر طبری ج ۴ ص ۵۹-۶۰

۳۔ ملاحظہ ہو العقد الفرید کتاب اخبار زیاد (ابن عبد ربہ)

حقوق پامال کئے جاتے اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد کو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں۔

لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انھیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا، ہینرم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھا، ایک اس پر عمل کرتا تھا، دس چھوڑتے تھے، یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک کہ اسلام نہ پہنچا، بعض ننگ و عار کی بنا پر بعض خریج و مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرب کے بعض شرفاء و رؤساء ایسے موقع پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے، مصمصہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت تک میں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفر یا شغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی جا ملی باپ دھوکہ دے کر اس کو لیجاتا اور بڑی بے بددی سے اس کو زندہ درگور کرتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلہ کے بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔

قبائلی و خانہ دانی عصبیت و امتیاز

قبیلے اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور تہذیبی عرب میں بڑی سخت تھی، اس عصبیت کی

۱۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۲ ۲۔ سورۃ النساء آیت ۱۹ ۳۔ سورۃ الانعام آیت ۱۷۰ ۴۔ مکیانی ۵۔ ملاحظہ بلوغ

الاعراب فی احوال العرب الوسی ۶۔ کتاب الافغانی ۷۔ ملاحظہ موسنی الدارمی ۸۔ باب ما کان علیہ

الناس قبل مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجہل والضلالہ ۹۔

بنیاد جاہلی مزاج تھا جس کی روح اس شہورِ حلب سے ظاہر ہوتی ہے: "انصر اباک ظالمًا و مظلومًا" یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے، خواہ وہ برسرِ حق ہو یا برسرِ باطل۔

عربی معاشرہ مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا، ایک خاندان دوسرے سے اپنے کو بلند و برتر سمجھتا تھا، بعض خاندان دوسرے خاندانوں یا عام انسانوں کے ساتھ بہت سی رسوم و عادات میں شرکت پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ حج کے بعض مناسک میں قریش عام حجاج سے الگ تھلگ اور متاز رہتے تھے، وہ عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا عار کی بات سمجھتے تھے، آنے جانے میں پیش قدمی کرتے تھے، ایک طبقہ پیدائشی آقاؤں کا تھا، ایک طبقہ کم حیثیت لوگوں کا جس سے بیکار یا جانا اور کام پر لگایا جاتا کچھ عوام اور بازاری لوگ تھے۔

جنگِ فطرت

عرب فطرۃً جنگجو واقع ہوئے تھے اور ان کی صحرائی اور غیر تمدن زندگی کا تقاضا بھی یہی تھا، جنگ ان کے لئے زندگی کی ایک ضرورت آگے بڑھ کر تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا، ایک شاعر فرخندہ کہتا ہے کہ اگر ہم کو کوئی حریت قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لئے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں، ایک عرب شاعر کا کہنا ہے کہ میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اشر قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکادے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

لے سورة البقرة آیت ۱۴۹ ۱۵۰ و احببنا علی بکر اخینابا اذا مالہم نجد الا انا (حارس)

۱۵۱ اذا المہرۃ الشقرۃ ادرک ظہرہا فشب الالہ الحرب بین القبائل (حارس)

جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لئے معمولی کام تھا، جنگ کو بھڑکانے کے لئے معمولی واقعات کافی تھے، وائل کی اولاد، بکرو تغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ جاری رہی جس میں پانی کی طرح خون بہا، ایک عرب سردار مہلہل نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ دونوں خاندان سٹ گئے، ماؤں نے اپنی اولاد کھوئی، بچے یتیم ہوئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں، پورا جزیرہ عرب گویا شکاری کا جال تھا، کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا اور کب ہو کر سے قتل کر دیا جائے گا، لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچک لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں اور سفارتوں کے لئے چوکی پہرہ اور مضبوط بدقتہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی۔

دنیا کا عمومی جائزہ

ایک انگریز سیرت نگار آر وی ایس ایچ بڈلی R. V. C. BODLEY اپنی کتاب پیغامبر (THE MESSENGER) میں زمانہ بعثت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے قابل ذکر ممالک و اقوام کا تذکرہ کرتا ہے:-

”قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، حقیقت میں تو کسی کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی، یہ ایک نزلع کا دور تھا، بیک مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اول ہی تباہ ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں، یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت ایران کی عظمت اور روم کی شوکت و جلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی ایک شے یا کوئی ایسا

لے ملاحظہ ہو کتاب پیام العرب، ص ۱۳۲ ملاحظہ ہو تاریخ طبری، ج ۲ ص ۱۳۲

ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔

یہودی تمام دنیا میں مائے مائے پھر رہے تھے، ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی، حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں، کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا، اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔ پوپ گریگوری اعظم GREGORY THE GREAT کے حلقہ اثر سے باہر کسی اپنے پہلے عقائد کے فتنہ کے پیچیدہ معانی ایجاد کر رہے تھے، اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں تعمیر سلطنت کی صرف ایک کرن رہ گئی تھی، خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا، اس نے روم کو شکست دے کر کپریڈوشیا (CAPADOCIA) مصر و شام پر قبضہ کر لیا تھا، اس نے ۶۲۰ء میں رجب کے مہرے اشر علیہ وسلم بحیثیت رہنما ظاہر ہونے والے تھے، بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چڑھایا تھا، اور دارے اقل کی زیر دست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی تسطیل گئی ہے، لیکن یہی نہ تھا، بازنطینی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی چستی رکھتے تھے جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انھوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے، ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا، جو یا ساسی اور عربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لئے جھگڑ رہے تھے۔

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نزاع کرتے، خاندان سوی آیا اور گیا اور اس کی

جگہ نیگ نے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی، بدھ مت جو پکڑنے لگا تھا اور
جاپانی تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

اسپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹے چھوٹے ملک تھے اسپین دسی گوتھوں
(VISI GOTHS) کے زیر اثر تھا، جو کچھ عرصہ پہلے ہی فرانس سے جس پر انھوں نے وائر
(LOIRE) تک قبضہ کر رکھا تھا، نکالے گئے تھے وہ ان یہودیوں پر ظالم ڈھلے ہوئے تھے جو کہ
اس علم حملہ کے لئے جابھی سو برس بعد ہونے والا تھا، آسانیاں پیدا کر رہی تھیں۔

جزائر برطانیہ آزاد ریاستوں میں تقسیم تھا، ڈیڑھ سو سال رو میوں کو روانہ
ہوئے ہو چکے تھے، جن کی جگہ نازک لوگوں کی آمد نے لی تھی، خود انگلستان سٹ
مختلف بادشاہوں پر مشتمل تھا۔



زمانہ جاہلیت کا سیاسی و معاشی نظام

جاہلی دنیا کی دینی، روحانی، اخلاقی و اجتماعی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد متاب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سیاسی و معاشی نقشہ پر خصوصی نظر ڈال لی جائے کہ دینی و اخلاقی اور اجتماعی ترقی و انحطاط میں سیاسی و معاشی حالات اور رائج الوقت سیاسی و معاشی تصور اور قوانین کا بہت بڑا دخل ہے اور وہ قومی زندگی کی تعمیر و تخیل کا ایک اہم و فعال عنصر (FACTOR) ہے۔

مطلق العنان بادشاہت

زمانہ جاہلیت میں خالص آمرانہ حکومت کا دور دورہ تھا، اس زمانہ کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی، یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی جیسا کہ ایران میں تھا، وہاں آل ساسان کا عقیدہ تھا کہ حکومت پر ان کا موروثی حق ہے اور انھیں تاہید الہی حاصل ہے، عام رعایا کو بھی پوری کوشش کر کے اس کا یقین دلادیا گیا تھا چنانچہ انھوں نے بھی اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا، اور حکومت کے بارے میں ان کا یہی عقیدہ ہو گیا تھا جو کبھی متزلزل نہیں ہوتا تھا۔

کبھی یہ بادشاہت محض سلاطین کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، اہل چین اپنے بادشاہ کو ”شہنشاہِ فرزند آسمان“ کہتے تھے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان ”تر ہے اور زمین ”مادہ“ اور کائنات کو انھیں دونوں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہِ مبرا اول زمین و آسمان کے

جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے، اسی بنا پر شاہ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا، اس کے حق تھا کہ جو چاہے کرے، لوگ اس سے کہتے تھے کہ آپ ہی قوم کے انی باپ ہیں، شہنشاہ لیان یا تائی تنگ جب مراہے نواہل چین نے سخت ماتم برپا کیا اور حد سے زیادہ غم کیا، کسی نے سوئوں سے اپنا چہرہ خون آلود کیا، کسی نے اپنے بال کاٹے، کسی نے جنازہ سے اپنے کان مارا کر زخمی کر لئے۔

کبھی بادشاہت کسی خاص گروہ یا کسی مخصوص وطن کا حق سمجھی جاتی تھی جیسا کہ مملکت روم میں اعتقاد تھا، وہاں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت کرنا بنیادی قانون تھا، دوسری قومیں اور دوسرے ملک اس قومیت کے غلام تھے، ان کی حیثیت ان رگوں اور شراٹین کی سی تھی جن سے خون جاری ہو کر اپنے مرکز کو پہنچتا ہے، سلطنت روم ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی، اور ہر ایک کی عزت و ناموس پامال کر سکتی تھی، وہ ہر ظلم و گم جائز سمجھتی تھی، رومیوں کا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہو کر اور حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی قوم یا فرد رومیوں کے ظلم و گم سے بچ نہیں سکتا تھا، کسی قوم کو حکومت خود اختیاری یا اندرونی خود مختاری کا حق نہیں تھا، اور نہ اس کا موقع تھا کہ اپنے ملک میں اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکے، ان محکوم قوموں اور مفتوح ملکوں کی مثال اس آؤٹنی کی سی تھی جس پر بوقت ضرورت سواری کی جاتی اور اس کا دودھ دہا جاتا اور صرف اسی قدر اس کو چارہ دیا جاتا جو اس کی پیٹھ کو مضبوط اور تھن کو دودھ سے بھرا رکھ سکے، رابرٹ بریفاٹ (ROBERT BRIFFAULT) رومی سلطنت کے بارہ میں لکھتا ہے:-

”رومی سلطنت کی تباہی کا سبب وہاں کی بڑھی ہوئی خرابیاں (مثلاً رشوت وغیرہ)

لے تاریخ چین، از جیمس کارکن۔

تھیں، بلکہ اصل بُرائی اور بنیادی خرابی نساورد شر اور تھائی سے گریز کی عادت تھی، جو اس سلطنت کے قیام اور نشوونما میں پہلے ہی دن سے موجود تھی یہ خرابی سلطنت کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب بھی اس طرح کی کمزور اور کچ بنیاد پر کی جائے گی تو اس کے گرنے سے صرف ذہانتیں اور اعلیٰ مرگریا نہیں بچ سکتیں اور چونکہ خرابیوں ہی پر اس سلطنت کی بنیاد تھی اس لئے اس کا خاتمہ اور زوال بھی ضروری تھا، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ رومی سلطنت صرف ایک چھوٹے سے طبقہ کی عیش اور راحت رسائی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کو غذا پہونچانا اس حکومت کا کام تھا، بلاشبہ روم میں تجارت امانت داری اور انصاف کے ساتھ جاری تھی اور یہ بات حکومت کی بنیادی خصوصیات میں بھی جاتی تھی اور اس سے بھی انکار نہیں کہ حکومت اپنی طاقت و قابلیت میں نیز اپنے عدالتی نظام میں متاثر تھی لیکن یہ تمام خوبیاں حکومت کو تباہی سے نہیں بچا سکتی تھیں اور نہ اساسی غلطیوں کے سخت انجام سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔

مصر و شام کی رومی حکومت

ڈاکٹر الفرڈ بٹلر ALFRED BUTLER رومی حکومت کے بارے میں لکھتا ہے :-
 ”مصر میں رومی حکومت صرف ایک ہی غرض و غایت اپنے سامنے رکھتی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو رعایا سے مال لوٹ کھسوٹ کر حکام کو فائدہ پہونچایا جائے“

ROBERT BRIFFAULT THE MAKING OF HUMANITY P. 159

رعایا کی بہبودی اور خوشحالی اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کا خیال تک نہیں آتا تھا، رعایا کی تہذیب اور اخلاق کو درست کرنا اور ترقی دینا تو بڑی چیز ہے، ملک کے مادی وسائل کو ترقی دینے کی بھی اس کو فکر نہ تھی، مصر پر ان کی حکومت ان پر دیسیوں کی سی حکومت تھی، جو صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کرتی ہے اور محکمہ قوم کے ساتھ اظہار بہدردی کرنے تک کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی ہے۔

ایک عرب شامی مؤرخ شام میں رومی حکومت کے بارہ میں کہتا ہے:-

”ابتداء میں رومیوں کا شامیوں کے ساتھ اچھا اور نصفانہ برتاؤ تھا، اگرچہ ان کی سلطنت میں اندرونی طور پر غلط فہمی تھی، لیکن جب ان کی حکومت بڑھ گئی تو اسے بتدریج قسم کی غلامی کی شکل اختیار کر لی، اور بدترین معاملہ جو غلام اور رعیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اس نے اپنی حکومت رعایا کے ساتھ کیا، روم نے براہ راست شام کا بھی احاطہ نہیں کیا، اور شام کے باشندوں کو کبھی بھی رومیوں کی طرح شہری حقوق نہیں حاصل ہوئے، زنانہ کے ملک کو رومی سلطنت اور سرزمین کا درجہ ملا، شامی ہمیشہ غریب الوطن افراد کی طرح رعایا بن کر رہے، اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لئے اپنی اولاد کو بیچ دینے پر مجبور ہوتے، مظالم کی زیادتی تھی، غلام بنانے اور بیگار لینے کا عام رواج تھا، اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادائے اور کارخانے تعمیر کئے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں۔“

”رومیوں نے شام پر سات سو سال تک حکومت کی، ان کے آتے ہی ملک میں اختلافات، خود سری اور تکبر کی بنیاد پڑ گئی تھی، اور قبل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا“

ARAB'S CONQUEST OF EGYPT AND THE LAST THIRTY YEARS OF

THE ROMAN DOMINION

P 42

یونانیوں نے شام پر ۳۶۹ سال حکومت کی، اس پورے عہد حکومت میں بڑی سخت جنگیں ہوئیں رعایا پر نظام ہوئے اور یونانیوں کے حوص و ہوس کی پوری کیفیت کھل کر ظاہر ہو گئی، شامی قوم پر ان کی سلطنت بدترین نحوست اور سخت ترین عذاب تھی، خلاصہ یہ کہ بدیسی سامراج کے ہاتھوں روم و ایران کے ممالک انتہائی تکلیف و مصیبت میں تھے، اور سیاسی، مالی، اقتصادی ہر لحاظ سے ملک کے تمام مرکز اور دارالسلطنت حد درجہ ابتری کی حالت میں تھے۔

ایران میں خراج اور ٹیکس وصول کرنے کا نظام

ایران میں سیاسی و معاشی نظام نہ عادلانہ تھا نہ مستحکم، بلکہ اکثر حالات میں بہت ہی ناہموار اور ظالمانہ تھا، خراج اور ٹیکس وصول کرنے والے علمہ کے اخلاق، ان کی خواہشات اور ملک کے جنگی اور سیاسی حالات کے مطابق یہ نظام بدلتا رہتا، ایران بعد ساسانیان کا مؤلف لکھتا ہے:-

”خراج اور ٹیکس کے نگانے اور وصول کرنے میں مصلحتیں خیانت اور استحصال بالجبر کے مرکب ہوتے تھے چونکہ آیات کی قلم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں ہی مقررہ اور خراج کا تخمینہ ہو سکے، علاوہ اس کے ان چیزوں کو ضبط میں رکھنا بھی بہت مشکل تھا، بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ادھر تو جنگ چھڑ گئی اور دھر روپیہ مار دیا، ایسی حالت میں پھر غریبوں کی ٹیکسوں کا گناہ ضرور ہو جاتا تھا اور تقریباً ہمیشہ اس کی زد و خربکے مالداروں کو خصوصاً باطل پر پڑتی تھی۔“

شاہی خزانے اور ذاتی دولت

پبلک کے فائدے کے لئے جتنا روپیہ شاہی خزانے سے خرچ ہوتا تھا، وہ کچھ زیادہ نہ تھا۔

۱۰ خطہ ۱۱ شام (عہد کرد علی) ج ۱ ص ۱۰۱ ۱۲ ایران بعد ساسانیان ص ۱۲۱

شاہان ایران کے یہاں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے خزانہ میں نقد و سپرد قیمتی اشیاء جمع کرتے، خسرو دوم نے ۶۰۸-۶۰۷ء میں طیفون (ملائن) میں اپنے خزانہ کو کئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں چھیا تیس کروڑ اسی لاکھ (۲۶۸۰۰۰۰۰) شقال سونا تھا، یعنی تقریباً سنیس^۲ کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی (چار ارب اڑسٹھ کروڑ روپے) حکومت کے تیرھویں سال کے بعد اس کے خزانہ میں اسی کروڑ شقال وزن کا سونا تھا، خسرو دوم کے تاج میں ۱۲۰ پونڈ (یعنی ڈیڑھ من) خالص سونا تھا۔

طبقاتی تفاوت

ایران کی قومی زندگی میں دولت و خوشحالی مخصوص افراد کے اندر محدود تھی، موثرے چند اشخاص نہایت دولت مند تھے، باقی نہایت تنگدست اور پریشان حال ایرانی تاریخ میں نو شیراز کا زمانہ حسن انتظام اور عدل گستری کے لئے ضرب المثل ہے ایران بہرہ رسانیان کا مصنف اس بہرہ کے متعلق لکھتا ہے:-

”خسرو (نوشیروں) کی مالی اصلاحات میں بیشک رعایا کی نسبت خزانے کے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا تھا، احوام الناس اسی طرح جہالت و غر میں زندگی بسر کر رہے تھے، جیسا کہ زمانہ سابق میں باز نطین فلسفی جو شہنشاہ کے یہاں آکر پناہ گزین ہوئے تھے،

لہ ایران بہرہ رسانیان ۱۶۱۱ء ایضاً ص ۶۱۱، ۵۳ ایضاً ص ۶۱۱، تلح جو سونے اور چاندی کا بنا ہوا، اور مرد یاقوت اور توپوں کی قسٹ تھا، بادشاہ کے سر کے اوپر چھتکے مٹھائے گئے کی بجائے کہ زلیح سے لٹکارتا تھا جس قدر بیکہ تھی کہ جب تک تخت کے بالکل قریب نہ کہ دیکھا جانے والی تھی اگر کوئی شخص در سے دیکھتا تو یہ جھٹکا تلح بادشاہ کے سر پہ لٹکا ہوا ہے لیکن حقیقت یہاں قدر بھاری تھا کہ کوئی انسانی سراں کو نہیں ٹھاکا کہ اس کا وزن ۱۶ کیلو تھا (تقریباً ۱۲ من ہوا)

ایران بہرہ رسانیان ص ۵۳۱

ایران سے جلد برداشتہ خاطر ہو گئے یہ سچ ہے کہ وہ اتنے بلند نظر فلسفی نہ تھے کہ ایک عین قوم کی عادات و رسوم کو بغیر جانبداری کی نظر سے دیکھ سکتے اور جن باتوں کو وہ ایک ظنی بادشاہ کی سلطنت میں دیکھنے کے خواہاں تھے وہ ان کو نظر نہ آئیں اور چونکہ علم الاقوام کے مطالعہ کا انھیں ذوق نہ تھا اور ان کی ذہنیت ایسی نہ تھی جو اس علم کے جاننے والے کی ہوتی ہے لہذا ایرانیوں کی بعض رسوم مثلاً تزویج عورت کی رسم یا لاشوں کو زمینوں پر کھلا چھوڑ دینے کی مذہبی رسم نے ان کو بہم کیا، ایک شخص یہ رسمیں نہ تھیں جن کی وجہ سے ان کو ایران میں رہنا ناگوار ہو، بلکہ ذات پات کی تمیز اور سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابلِ عبور فاصلہ اور خستہ حالی جس میں نچلے طبقہ کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے یہ وہ چیز تھیں جن کو دیکھ کر وہ آزرہ خاطر ہوئے، طاقتور لوگ کمزوروں کو دباتے تھے اور ان کے ساتھ ہی ظلم اور بے جی کا سلوک کرتے تھے۔

یہ حال صرف ایران ہی میں نہ تھا، اس کی معاصر و حریف بازنطینی سلطنت میں بھی سخت کم کا طبقاتی نظام اور امتیازی سلوک رائج تھا، رابرٹ بریفلٹ (ROBERT BRI-
(FFAULT) لکھتا ہے :-

”یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی اجتماعی ادارہ زوال پذیر ہوتا ہے تو اس کے چلانے والے اس کی حرکت اور ارتقاء کو روک دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں پاتے، اسی لئے رومی ماسٹر (اپنے غلط طے دور میں) سخت درجہ کی ظالمانہ طبقہ داریت کے شکنجہ میں کسا ہوا تھا، سوسائٹی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اپنا پیشہ بدل سکے، ہر آدمی کے لئے ضروری تھا کہ اپنے باپ کا پیشہ اختیار کر لے۔“

لہ ایران جہد سامانیان، کوالہ اگاتھاس، ۲۰۳۷ء، P. 166

دونوں سلطنتوں میں بڑے بڑے عہدے، بڑے خاندانوں اور گھرانوں کے لئے مخصوص تھے، جو جاہ و چشم رکھتے اور حکام میں ان کا رسوخ تھا۔

ایران کے کسان

نت نئے ٹیکسوں نے عوام کی کمر توڑ دی تھی، بہت سے کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ دی تھی، ان ٹیکسوں سے بچنے اور اس حکومت کی فوجی خدمت کرنے سے نجات حاصل کرنے کے لئے جس سے ان کو دلی لگاؤ نہ تھا، انھوں نے عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں پناہ لی تھی، نہ ان کو اس مقصد سے کچھ دلچسپی تھی جس کے لئے بار بار جنگیں کی جاتی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بیکاری اور جرائم کی گرم بازاری ہوئی اور ناجائز طریقوں سے روپیہ پیدا کرنے کا مرض عام ہو گیا۔ ایران بعہد ساسانیان کا مصنف ایران کے کاشتکار طبقہ کے متعلق جو ملک کی خوراک اور آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا لکھتا ہے:-

”کسانوں کی حالت بہت بدتر تھی، وہ اپنی زمین کے ساتھ بندھے رہتے تھے، اور ان سے ہر طرح کی بیگاری اور خدمت لی جاتی تھی، ٹوئینخ اتریان مارسلینوس لکھتا ہے کہ ان پر اے کسانوں کے بڑے بڑے گروہ فوج کے پیچھے پیادہ کوچ کرتے تھے، گو یا کہ ابدی غلامی ان کی تقدیر میں لکھی ہے اور کسی قسم کی تنخواہ یا اجرت سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی..... کسانوں کا تعلق زمینداروں کے ساتھ تقریباً دیا ہی تھا، جیسا کہ غلاموں کا تعلق اُفا کے ساتھ“

۱۔ ایران بعہد ساسانیان ص ۲۲۷ ۲۔ ایضاً

حکام کا رویہ

حکومت کے اہل کار و عہدہ دار عام رعایا اور ملک کے باشندوں کے ساتھ ایسی سخت گیری اور بیدردی کا برتاؤ کرتے کہ اہل ملک ان سے عاجز تھے، ان محکام اور عہدہ داروں کو نہ عوام کی جان و مال کی پرواہ تھی، نہ ان کی عزت و آبرو کا پاس، لوگ شکایتیں کرتے، لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی ان کے کانوں پر جوں نہ رنگ تھی، یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ اندھیز نگری ان کے لئے مقدمہ ہو چکی ہے، اور اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں، بعض اوقات وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے۔

مصنوعی معاشرت اور پُر عشرت زندگی

روم و ایران دونوں جگہ عام طور سے لوگوں پر عیش پرستی کا بھوت سوار تھا، مصنوعی تہذیب اور ایک پُر فریب زندگی کا سیلاب اُمنڈ آیا تھا جس میں وہ سر سے پاؤں تک غرق تھے، سلاطین روم اور شاہان ایران اور ان کے امراء و رؤساء خواب غفلت میں پڑے تھے، لذت اندوزی کے سوا انھیں کسی بات کی فکر نہ تھی، عیاشی کی وہ انتہا تھی کہ قیاس کا انہیں کوئی اندازہ نہ تھا، عیاشی اور سامان آرائش کی وہ ہمتاں تھی، اور اس میں ان باریکیوں اور نکتہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، پاریسی مؤرخ شاہین مکاریوس کے بیان کے مطابق ”کسریٰ پر ویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں، پچاس ہزار اسیل گھوڑے، اسقدر سامان تعیش، محلات نقد و جواہرات تھے، کہ ان کا اندازہ مشکل ہے، اس کا محل اپنی شان و شکوہ لئے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایران بعدد سامانیان کا باب نہم“ آخری شاندار عہد۔

اور عظمت میں جواب نہیں رکھتا تھا، مکاریوس لکھتا ہے کہ تاریخ میں شال نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے ان شاہانِ ایران کی طرح داویش دی ہو جن کے پاس تحائف اور خراج کی قمیص ان تمام شہروں سے آتی تھیں جو شرقِ اوسط اور شرقِ اقصیٰ کے درمیان واقع تھے، اسلامی فتوحات کے بعد جب ایرانی عراق سے بے دخل ہوئے تو انھوں نے وہ اندوختہ چھوڑا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ان چھوٹے ہوئے سامانوں میں بیش قیمت جوڑے طلائی ظروف، سنگار کا سامان عطریات وغیرہ تھے، طبری کی روایت ہے کہ عربوں کو مدائن کی فتح میں ترکی خیمے لے جو سر بہرہ لوگوں سے بھرے ہوئے تھے، عرب کہتے ہیں کہ ہم سمجھے کہ اس میں کچھ کھانے کا سامان ہوگا کھولنے سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے برتن ہیں، مورخین نے فرش بہار کی (جس پر بیٹھ کر امراء ایران موسمِ خزاں میں شراب پیتے تھے) تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

”یہ سانچہ گز مرچ تھا، تقریباً ایک ایکوڑ زمین کو گھیر لیتا، اس کی زمین سونے کی تھی جس میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گلکاری تھی، چمن تھے جن میں پھولدار اور پھل دار درخت قائم تھے، درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے حریر کے، کلیاں سونے چاندی کی، اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے، اگر دہیرے کی جدول تھی، دریا میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں، اور یہ سب جواہرات کی تھیں، موسمِ خزاں میں تاجدارانِ آلِ ساسان اس گلشنِ بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کز شتر نظر آتا جو زمانے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا۔“

رومی حکومت کے عہد میں شام اور اس کے مرکزی شہروں کا بھی یہی حال تھا، دنوں

لے تاریخِ ایران (شاہین مکاریوس) طبع مصر ۱۸۹۷ء ص ۹۰ ۹۱ ایضاً ص ۳۱۱ ۳۱۲ تاریخِ طبری

۱۸۹۷ء تاریخِ اسلام از مولوی عبدالحکیم شرر۔ ج ۱ ص ۲۵۴، ماخوذ از تاریخِ طبری وغیرہ۔

حکومتیں عیش پسندی اور تمدن کی باریکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھیں، شہنشاہانِ روم ان کے شامی روضاء و حکام نے کھل کر داد عیش دی، ان کے عالی شان محل اور دیوان خانے اور ناؤ نوش کی مجلسیں عیش کے ساز و سامان اور دولت و فراغت کے اسبابِ لبریز تھیں، تاریخ و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عیش پسندی اور فحاشی میں بہت آگے نکل چکے تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے (جنھوں نے اسلام سے پہلے غسانی امراء شام کی مجلسوں میں شرکت کی تھی) جبکہ بن الایہم غسانی کی مجلس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:-

”میں نے دس بانڈیاں دیکھیں جن میں پانچ روم کی تھیں جو رباط پر گاہی تھیں، اور پانچ وہ تھیں جو اہل حیرہ کے دھن میں گاہی تھیں، جنھیں عرب سردار یا س بن قبیصہ نے تحفہ بھیجا تھا، اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گویوں کی ٹولیاں جاتی تھیں، جبکہ شراب نوشی کے لئے بیٹھا تو اس کے نیچے فرش پر قمقم کے پھول چیلی، جوہی وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک و عطر لگائے جاتے، چاندی کی طشتروں میں مشک خالص لایا جاتا اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود جلایا جاتا اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے اور اس کے ہم نشینوں کے لئے گرمیوں کا لباس آتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتا، جاڑوں میں سمور قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کئے جاتے“

وایانِ ریاست، شاہزائے امراء، اونچے گھرانوں کے افراد نیز متوسط طبقہ کے لوگ بادشاہوں کے نقش قدم پر چلنے اور کھانے پینے، پوشاک اور طرزِ رہائش میلان کی نفیس کرنے کی کوشش کرتے اور ان کی عادات و اطوار اختیار کرتے، معیار زندگی بہت ہی زیادہ

بلند ہو گیا تھا اور معاشرت بہت زیادہ پیچیدہ بن گئی تھی، ایک ایک شخص اپنی ذات پر اور اپنے لباس کے کسی ایک حصہ پر اس قدر خرچ کرتا تھا جس سے پوری ایک بستی کی پرورش ہو سکے یا جو پورے ایک گاؤں یا آبادی کی پوشاک اور ستر پوشی کے مصارف کے لئے کافی ہو، ایسا کرنا ہر ایک ممتاز اور شریف آدمی کے لئے ناگزیر تھا کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سوسائٹی میں انگشت نمائی ہوتی، اور وہ اپنے ہم نشینوں میں ذیل ہوتا یہاں تک کہ یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت اور سوسائٹی کا ایک قانون بن گیا جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی، شہسی کہتے ہیں کہ اہل ایران اپنے سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے، وہ ان کی اس حیثیت کے مطابق ہوتی تھی جو انھیں اپنے قبیلہ میں حاصل تھی، چنانچہ جو اپنے قبیلہ میں شرافت و عزت کے لحاظ سے معیاری ہوتا تھا، اس کی کلاہ ایک لاکھ کی قیمت کی ہوتی تھی ہرگز کا شمار انھیں افراد میں تھا جن کی سیادت تسلیم نہ تھی لہذا اس کی کلاہ ایک لاکھ کی تھی جس میں جو اہرات جڑے ہوئے تھے، شرافت و وجاہت کا معیار یہ تھا کہ وہ ایران کے سٹا اوچے گھرانوں میں سے کسی ایک خاندان کا فرد ہو، ازادیہ (زادویہ) شہر جیسو کا کسری کے عہد میں حاکم تھا وہ سیادت میں دوسرے نمبر کا سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کی ٹوپی کی قیمت پچاس ہزار تھی، رستم کی کلاہ ستر ہزار میں فروخت ہوئی اور اس کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

لوگ اس انتہا پسندانہ معاشرت اور اس کے تباہ کن لوازم و ضروریات کے اس طرح عادی ہو گئے تھے، اور یہ تمدن ان کے رگ و پیہ میں طرح سرایت کر گیا تھا کہ یہ تکلفات ان کی طبیعت بن گئے تھے، اور ان سے علیحدہ ہونا ان کے لئے ناممکن سا ہو گیا تھا، نازک سے نازک وقت میں اور مجبوری کی حالت میں بھی سادہ زندگی اور سچی سطح پر اتر آنا ان کے لئے دشوار تھا۔

برائن کی فتح کے وقت شہنشاہ ایران یزدگر جس بے سرو سامانی اور پریشانی میں

لے تاریخ طبری۔ ج ۴ ص ۷۷ لے ایضاً ص ۷۸ لے ایضاً ص ۷۹

دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، مگر اس عجلت و پریشانی میں بھی وہ اپنے ساتھ جو سامان لے گیا ہے، اس سے اس ذہنیت اور میاں تمدن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
 ”ایران بے ہمد ساسانیان“ کا مصنف لکھتا ہے :-

”میزگرد اپنے ہمراہ ایک ہزار بادورچی، ایک ہزار گوتے، ایک ہزار چیمٹیوں کے محافظ، ایک ہزار بارندار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا، اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم تھی۔“

ہرمزان شکست کھانے کے بعد جب پہلی بار مدینہ آیا اور حضرت عمرؓ کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس نے پانی مانگا، پانی ایک موٹے سے پیالہ میں لایا گیا، اس نے کہا کہ چاہے میں پیسا سا مرجاؤں مگر اس بھدے پیالہ میں پانی پینا میرے لئے ممکن نہیں، چنانچہ اس کے لئے تلاش کر کے دوسرے برتن میں پانی لایا گیا جس کو وہ پی سکا۔

ان دو واقعات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایرانیوں کی عادات میں کس قدر بڑی گتھیں اور وہ مصنوعی زندگی اور تکلفات کے کس قدر مادی اور مادہ افراطی زندگی سے کس درجہ دور ہو چکے تھے۔

حکومت کی دولت ستانی

اس عیش پسند اور مسرفانہ زندگی کا لازمی نتیجہ تھا کہ ٹیکسوں پر اس قدر اضافہ ہو جائے جو رعایا کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوں، نئے نئے قوانین بنائے جائیں جن کی رو سے کسانوں، تاجروں، کاریگروں اور اہل حرفہ سے زیادہ سے زیادہ مال گھسیٹا جاسکے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ آٹے دن کے ان اضافوں اور بھاری بھاری ٹیکسوں نے رعایا کی کمر توڑ دی اور حکومت کے

لے ایران بے ہمد ساسانیان“ ص ۶۸ ۷۵ تاریخ طبری جلد ۴ ص ۱۶۱

مطالبات سے ان کی پیٹھ بوجھل ہو گئی، "ایران بےحد ساسان کا مؤلف لکھتا ہے:-

"باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی دستور تھا جس کو آئین کہتے تھے، اسی آئین کے مطابق عید نوروز اور ہر گان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کئے جاتے تھے، خزانہ شاہی کے ذرائع آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم ذریعہ جاگیر یا مے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے، جو بادشاہ کے لئے حقوق خسروی کے طور پر مخصوص تھے مثلاً فاریکیوں (علاقہ آرمینیا) کی سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی تھی؛

مؤرخ شام رومی حکومت کے طرز عمل اور اس کی مدوں اور آمدنیوں کے متعلق لکھتا ہے:-

"شامی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور اس المال کا ٹیکس داخل کرے، فی کس ایک تم مقرر تھی جس کا ادا کرنا لازمی تھا اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے اہم ذرائع آمدنی تھے، مثلاً جنگی کانیں، محاصل اس کے علاوہ جو قطعاً گندم کی کاشت کے قابل ہوتے اور چراگاہیں ٹھیکہ پر اٹھادی جاتیں ان ٹھیکداروں کو عشارین کہتے تھے، یہ لوگ حکومت سے تحصیل وصول کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرنے، ہر صوبہ میں ان ٹھیکداروں کی متعدد کمپنیاں قائم تھیں، ہر کمپنی کے پاس کچھ منشی اور محصل لازم تھے، جو اپنے کو انٹرن اور مالکوں کے انداز میں پیش کرتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے، وہ لوگوں کو فراغت و راحت کے وسائل سے محروم کرتے اور اکثر ان کو

۱۶۱ لے ایران بےحد ساسانیاں ص ۱۶۱

غلاموں کی طرح فروخت بھی کر دیتے تھے۔
 روسیوں کے سیاسی طرز کا اور ان کی پالیسی کا کسی نے خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ:-
 ۱۰۔ اچھا گھر بان وہ ہے، جو اپنی بھیڑوں کا اُون کاٹ لیتے ہے نوچتا نہیں؟ واقعہ
 یہ ہے کہ دس صدیاں گزر گئیں اور ہنشاہانِ روم اپنی ملکیت کا نشان اُون کاٹتے
 رہے (نوچنے کی کوشش نہیں کی) وہ ان سے بہت بڑی دولت وصول کرتے رہے،
 لیکن اس کے ساتھ ساتھ بیرونِ دشمن سے ان کی حفاظت کرتے رہے یہ:

عوام کی خستہ حالی

روم و ایران دونوں ملکوں میں اہل ملک و علیحدہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ان دونوں
 طبقوں کے درمیان واضح اور بڑی فرق تھا، ایک طبقہ بادشاہوں، شاہزادوں، اہل دربار، ان کے
 خاندانوں، عزیزوں اور ان کے متعلقین و بستگان اور جاگیرداروں اور دولت مندوں کا تھا
 یہ لوگ سدا بہار بھوپلوں کی سیج پر زندگی گزارتے، ان کے گھر کے لوگ اور بچے سونے چاندی
 سے کھیلے اور دودھ اور گلاب میں نہاتے، یہ اپنے گھوڑوں کی نعلیں بھی جواہرات سے بڑھتے
 اور درو دیوار کو بھی ریشم و کھواب سے جلاتے تھے۔

دوسرا طبقہ کاشتکاروں، کاریگروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا جن کی
 زندگی سراپا کلفت و مصیبت تھی یہ زندگی کے بوجھ پر یکسوں اور زندانوں کے بارے سے کچلے جا رہے
 تھے ان کا جوڑ جوڑ اور بند بند مطالبات کے اندر جکڑا ہوا تھا، وہ اس جال کو توڑنے کی
 جس قدر کوشش کرتے اور جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے وہ جال اور کس جاتا اس کٹھن اور

لے خطہ اشام (محمد علی) ج ۵ ص ۴۷۷

پر مصیبت زندگی پر دوسری مصیبت یہ تھی کہ وہ اونچے طبقہ کی بہت سی باتوں میں نقل آمانے کی کوشش بھی کرنے جس سے اور زیادہ پریشان ہوتے، ضرورتاً زندگی کی فراہمی میں ان کو وہ دقت اور پریشانی لاحق نہ ہوتی جو اس نقالی اور اونچے طبقہ کی ریس کرنے میں ان کو پیش آتی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی زندگی تلخ اور سراپا کوفت تھی، ان کا دماغ ہر دقت پریشان و پرانگندہ رہتا اور ان کو حقیقی سکون اور اطمینانِ قلب بھی میسر نہ آتا۔

سرکش دولتمند اور خود فراموش مفلس

سرایہ داری کی سرکشی و خدا فراموشی اور افلاس کی بے بسی اور خود فراموشی کے دو انتہائی سرور کے درمیان انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تعلیم کمپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی، اخلاقِ عالیہ اور زندگی کے بلند اصول پوری تمدن دنیا میں متروک ناقابلِ عمل سمجھ لئے گئے تھے، دولتمندوں کو اپنے تفریحی مشاغل اور تعیشت سے اس کی فرصت نہ تھی کہ وہ دین یا آخرت کے بارے میں کچھ سوچیں، کاشتکاروں اور محنت کش طبقہ کو اس کے افکار و آلام اور زندگی کے بڑھے ہوئے مطالبات اس کی مہلت نہیں دیتے تھے کہ وہ روز کی خوراک اور ضروریات کے علاوہ کسی اور طرف توجہ کرے، غرض یہ کہ زندگی اور زندگی کے مطالبات نے امیر و غریب سب کو اُلجھا رکھا تھا، اور اسی میں ہر ایک سرگرداں تھا، زندگی کی چکی اپنی پوری قوت کے ساتھ گردش کر رہی تھی جس کی وجہ سے انھیں مطلق مہلت نہ تھی کہ وہ دین کی طرف توجہ کریں اور روح و قلب کے بارے میں اور انسانیت کی بلند قدروں کے متعلق غور کر سکیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) نے اپنی جلیل القدر تصنیف ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ماقبل اسلام کی اس صورتِ حال کی پوری تصویر کھینچی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو کیسے بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان میں بڑی موثر گمانی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں کے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے، جو اس سامان آرائش و راسخا میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش و تراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا، اور اس میں برابر اضافے اور تدریس ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا چٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت میسب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، نوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور، خوش روجوئے اور غلام نہ ہونے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجلل نہ ہونا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو اس سے قیاس کر سکتے ہو یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہو گیا تھا، جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب سب کوئی محفوظ نہیں رہا تھا

لے شاہانِ دہلی اور محلِ بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

ہر شہری پر یہ پُر تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و انکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔ بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش تر ارمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ ارمیں اور بے پایاں دولت کا شکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محمول اور یکس بڑھانے اور ان پر تنگی کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزا دی جاتی، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور سیلوں کی طرح بنا لیتے جن سے آبپاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جاتا اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے اور محنت و مشقت ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پر مشقت اور جوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سزا ملنے اور سعادت افزائی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور جہالت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی ہے۔

عالمگیر تاریکی

خلاصہ یہ کہ اس ساتویں صدی مسیحی میں روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جاسکے، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو، اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو، اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا،

لے حجة الله بالانہ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم

جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو، اس گنہگار ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں لگ کر کبھی کبھی روشنی نظر آجاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکنا ہے صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا، اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال پائے جاتے تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبیعت نوجوان سلمان فارسی کو جو اپنے قومی و نسلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و بالوس ہو چکا تھا، اور حق و صداقت کا جو یا تھا، ایران سے لے کر شام کے آخری حدود تک اپنے طول و طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن سے اس کی روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوا اور جو پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستہ پر قائم تھے۔

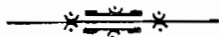
اس عالمگیر تاریکی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے جس طرح کھینچا ہے اس بہتر ممکن نہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ
خوابی پھیل گئی ہے خشکی اور تری میں لوگوں

أَيَّدَى النَّاسِ لِيُدْبِقَهُمْ بَعْضُ
کے اعمال کے نتیجے میں تاکہ انہیں تھلے ان کے

الَّذِي عَمِلُوا الْعَمَلَهُمْ بِرَجْعِهِمْ
بعض اعمال کا مزہ چکھا دے اور وہ

(الروم - ۴۱) باز آجائیں۔



اے حضرت سلمان فارسی کی سرگزشت (جو اپنی مسلسل سزا و رادیوں کی ثقاہت و عدالت کی وجہ سے ایک مستند و بڑی قیمت تاریخی و سادری کی حیثیت رکھتی ہے) سند امام احمد اور مستدرک حاکم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

باب دوم

بعثتِ محمدیؐ کے بعد

بعثتِ محمدیؐ

ایسے وقت میں کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ ہلاکت کے ٹھیب و عمیق غار میں گرنے والی تھی عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تارکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں :-

الْقَدْ كَتَبْنَا آيَاتِنَا لِلْمُتَّحِينَ
مِنَ الظَّالِمِينَ إِلَى التَّوْبَةِ بِأَذْنِ رَبِّهِمْ
إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ
(ابراہیم - ۱)

آلہ: یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر آماری
ہے تاکہ تم تمام لوگوں کو ان کے پروردگار
کے حکم سے تارکیوں سے روشنی کی طرف
لاؤ اس خدا کے راستہ کی طرف جو غالب

اور ستودہ صفات ہے۔

آپ نے انسانیت کو صرف ایک بندگی کی دعوت دی اور دنیا کی ساری بندگیوں و غلامیوں سے نجات دی، زندگی کی حقیقی نعمتیں (جن سے انسانوں نے اپنے کو محروم کر دیا تھا) دوبارہ ان کو عطا کیں اور وہ طوق و سلاسل اُن سے جدا کئے جو انھوں نے بلا ضرورت اپنے اوپر ڈال لئے تھے۔

يَا مَعْزُومُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَهْتَمُّ عَنِ الْمُنْكَرِ
 مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ كُنْهَ كَيْ
 دُمُحِلٌ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُعْزَمُ عَلَيْهِمُ
 حَكَمٌ دِينَ مِثْلُ بَرَاءَتِي سَ وَكُنْتُمْ هِيَ بِسُنْدِيهِ
 الْمُحْبَبَاتِ وَيُحْبَذُ عَنْهُمْ إِصْرُهُمْ
 حَيْزِي حَلَالٌ كَتَمِي كُنْدِي حَيْزِي حَرَامٌ
 وَالْأَعْلَى الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
 تَهْمَتِي مِثْلُ اس بُوْجْهِ سَ نَجَاتٍ دَلَّتْ هِيَ
 جَس كَتَمِي وَه دَلِي هُوَ تَهْمَتِي ان پھنڈس
 (الاعراف - ۱۵۷)
 نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔

آپ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان، نیا یقین، نئی نسل، نیا تمدن، نیا معاشرہ عطا کیا، آپ کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ اور انسانیت کے کام کی عمر شروع ہوتی ہے کہ خود فراموشی و خود کشی میں جو زمانہ گزر رہا، وہ اعتبار کے قابل نہیں، اور مینا و نابینا اور زندہ و مردہ ایک پلے میں رکھے نہیں جاسکتے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ وَلَا
 الظُّلُمَةُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظُّلُّ وَلَا
 الْحَرُّ وَلَا مَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ
 انڈھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور
 تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ
 اور زندہ آدمی اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔
 (الفاظ ۱۶۱۹)

جاہلیت و اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا اس سے بڑا کوئی فاصلہ نہیں لیکن یہ فاصلہ جس سرعت کے ساتھ طے ہوا دنیا میں اس کی بھی نظیر نہیں، دنیا نے آپ کی رہنمائی میں یہ طویل سفر کس طرح طے کیا؟ اور جاہلیت سے اسلام کی طرف کس طرح پہنچی؟ آئندہ صفحات اسی سوال کے جواب اور اسی اجمال کی تفصیل کے لئے ہیں۔

جاہلیت پر ایک اجمالی نگاہ

گزشتہ صفحات سے اندازہ ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

دنیا کی کیفیت بعینہ ایک ایسے مکان کی سی تھی جس کی بنیادیں ایک سخت زلزلے نے ہلا دی تھیں اس کی ہر چیز بے محل اور بے قرینہ تھی، اس عمارت کا ساز و سامان زیر و زبر ہو گیا تھا جو ٹوٹنے پھوٹنے سے بچ رہا تھا، اس کی شکل بگڑ گئی تھی، کہیں کی چیز کہیں پڑی تھی، کہیں سامان کا انبار لگ گیا تھا، اور کہیں بالکل جھاڑو پھگڑ گئی تھی، دیکھنے والے کو وہاں ایسا انسان نظر آتا تھا، جس کی نظر میں اپنی ہستی خود حقیر تھی، وہ درخت، پتھر اور پانی کی پریش کرنے لگا تھا بلکہ وہ ہر ایسے چیز کو معبود بنا چکا تھا، وہ اتنا سخ ہو چکا تھا کہ روزمرہ کی کھلی ہوئی حقیقتوں کے ادراک سے بھی قاصر تھا، اس کا فکری نظام مغل ہو چکا تھا، اس کے احساس غلط کام کر رہے تھے، اس کے لئے علم نظری بدیہی اور بدیہی نظری بن گیا تھا، یقینی اوقطی چیزوں میں اس کو شک ہونے لگا تھا، اور شکوک و شبہ چیزیں قطعیات یقینیات بن گئی تھیں، اس کا ذوق فاسد ہو گیا تھا، بذائقہ چیزیں اس کو خوش ذائقہ اور خوش ذائقہ بد ذائقہ معلوم ہونے لگیں تھیں، اس کا احساس باطل ہو چکا تھا، دوست اور خیر خواہ کے ساتھ اس کی دشمنی اور دشمن اور بد خواہ کے ساتھ اس کی دوستی تھی۔ معاشرے پر نظر ڈالئے تو دنیا ہی کا مرقع نظر آتا ہے، ہر چیز غلط شکل یا غلط جگہ نظر آئے گی، اس معاشرے میں بھیڑیے کو گلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فصل خصوصیات کا کام سپرد کر دیا گیا تھا، اس سوسائٹی میں مجرم خوش قسمت اور آسودہ نھے، اور نیک سیرت زحمت و کلفت میں مبتلا تھے، اس معاشرے میں اخلاق کی پاکیزگی اور نیک چلنی سے بڑھ کر کوئی مجرم اور حاقات اور بد اخلاقی اور بد اطواری سے بڑھ کر کوئی ہنسراور قابلیت کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔

اس معاشرے کے عادات اور اطوار ہلاکت آفرین تھے، جو دنیا کو ہلاکت کے غاریں ڈھکیل رہے تھے، شراب نوشی، بدستی، بد اخلاقی، جنون، سود خواری، لوٹ کھسوٹ، اور مال کی محبت بواہر ہوئی اور جوع البقر تک پہنچ گئی تھی، سنگدلی اور بے رحمی اس حد تک پہنچ چکی تھی

کر لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں اور لڑکے بچپن ہی قتل کر دیے جاتے تھے، بادشاہ اللہ کے مال کو ہاتھ کا میل وراثت کے بندوں کو خانہ زاد سمجھتے تھے، عالم و درویش خدا بن بیٹھے تھے، لوگوں کا مال کھاتے اڑاتے اور خدا کے راستے سے خدا کے بندوں کو روکنے کے سوا ان کا کچھ مشغلہ نہ تھا۔

جو قالمیتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئی تھیں وہ بڑی بیدردی سے ضائع کی جا رہی تھیں، یا بے محل خرچ ہو رہی تھیں، نہ ان سے فائدہ اٹھایا گیا تھا، اور نہ ان کو صحیح رخ پر لگایا گیا تھا، شجاعت اور بہادری نے ظلم و زبردستی، فیاضی و دریا دلی نے اسراف و فضول خرچی، خود داری اور غیرت نے جاہلی حیت، ذہانت و دکانے دھوکہ بازی اور حیلہ سازی کی شکل اختیار کر لی تھی، عقل کا کام صرف اتنا رہ گیا تھا کہ جرائم کے نئے نئے طریقے ایجاد کرے اور خواہشات کی تسکین کے لئے نئے نئے راستے پیدا کرے۔

افراد اوقیتی انسانی ذخیرے مدت سے ضائع ہو رہے تھے، وہ ایک ایسا خام مال تھا جس کو کوئی تجربہ کار کاریگر نصیب نہیں ہوا تھا، جو اس سے تمدن کا صحیح ڈھانچہ تیار کرتا، یہ لکڑی کے تختے تھے، جو پڑے پڑے گل رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جو ان کو جوڑ کر زندگی کا جہاز تیار کر لیتا۔ منظم قوموں کی جگہ بھیرٹوں کے چند گلے نظر آتے تھے جن کا کوئی چرواہا نہ تھا، سیاست شتر بے ہمار تھی، اور قوت ایک تلوار جو ایک بدست کے ہاتھ پر لگی تھی، جس سے وہ خود اپنے کو اور دوسروں کو زخمی کر رہا تھا۔

جُزئی اصلاح کی ناکامی

اس خراب اور ابتر زندگی کا ہر شعبہ مُصلح کی پوری زندگی کا طالب تھا، فساد کا ہر گوشہ اس کا تخت تھا کہ وہ اس کی ساری توجہات کامرکن بن جائے اور اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی فرصت

نہ دے اگر کوئی عام انسان ہوتا جو وحی و نبوت کی ہدایت کے بجائے اپنی عقل یا خواہشات کے کام کرتا تو اس زندگی کے ایک ہی حصہ پر اپنی ساری کوششیں لگادیتا، اور پوری عمر کو سوسائٹی کے صرف ایک مرض کے ازالہ پر قربان کردیتا لیکن اس سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لئے کہ انسان کی نفسیات کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے اس میں بہت سے چور دروازے ہیں اور عجیب عجیب روزن ہیں اس کی اصلی کمزوری اور مرکزی سرے کو پکڑ لینا آسان نہیں جب انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے یا اس میں کجی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے صرف ایک عیب کو دور کرنا اور ایک ہی کمزوری کے پیچھے پڑ جانا کارآمد نہیں اور نہ کسی ایک ہی عیب کو سنوارنا سودمند ہے جب تک اس کا منہ شر سے پھیر کر خیر کی سمت اور خرابی سے ہٹا کر درستی کی جانب نہ کر دیا جائے اور زندگی میں بگاڑ کی جو جھاڑی اُگ گئی ہے اُس کو نہ اکھاڑ بھینکا جائے اور اس کی زمین کو گھاس اور خود رو پودوں سے صاف نہ کر دیا جائے تاکہ نیکی اور خیر کی محبت اور اللہ عز و جل کے خوف کا پودا اس میں بٹھایا جاسکے۔

انسانی معاشرے کی ہر کمزوری اور ہر عیب پوری پوری زندگی کا مطالعہ کرتا ہے بعض وقتاً پوری پوری جماعت کی زندگیاں اس کے مقابل میں مصروف کار ہو جاتی ہیں اور اصلاح نہیں ہوتی اگر کسی ملک میں شراب کی لت پڑ گئی ہے اور زندگی کا فلسفہ ہی اس نے ناؤ نش سمجھ لیا ہے تو اسے منہ لگی شراب چھڑانی آسان نہیں ہے، بے نوشی کس بات کا نتیجہ ہے؟ ایک ایسی ذہنیت اور مزاج کا جو مزہ کا عاشق ہے چاہے وہ لذت زہری ہوئی ہو، بے خودی اور خود فراموشی کا طالب ہے چاہے ہزار گناہ سے خریدی جاسکتی ہو، اس افتاد طبعیت اور اس ذہن کو تقریر و تحریر، شراب کے طبی نقصانات کی تفصیل اور سخت سے سخت قوانین اور جرم انوں سے روکا نہیں جاسکتا، اس کو صرف عمیق نفسیاتی تبدیلی سے روکا جاسکتا ہے اس کے سوا اگر کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا تو

جرائم دوسرے رنگ میں ظاہر ہوں گے، اور اپنے لئے دوسرے راستے پیدا کر لیں گے۔

پیغمبر اور سیاسی قائد کا فرق

عرب کے ملک میں کام کا بہت وسیع میدان تھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی قومی رہنمایا متحد وطن قائد ہوتے اور آپ کا طریقہ سیاسی اور ملکی رہنماؤں جیسا ہوتا تو آپ کے سامنے بہتر صورت یہ تھی کہ آپ عرب کو ایک وطن قرار دے کر عربی قبائل کا ایک اتحاد قائم کرتے اور عرب کی مضبوط طاقتوں سے ایک پختہ اور جنگجو ملک بنا لیتے اور ایک عربی ریاست یا جمہوریہ کی بنیاد رکھتے جس کے آپ نہایت آسانی کے ساتھ صدر ہو سکتے تھے ایسی صورت میلان ہو جس عتبہ وغیرہ آپ کے ساتھ پورا اشتراک عمل کرتے اور آپ کو عرب کی قیادت سونپ دیتے کیونکہ ان آپ کی صداقت، امانت کا شاہدہ تھا، انھوں نے آپ کو مکہ کے سب سے بڑے اختلافی مسئلے میں حکم بنایا تھا، عتبہ نے قریش کا نمائندہ بن کر آپ کے سامنے عرب کی سزاوی کی پیش کش کی تھی اور کہا تھا کہ اگر آپ قیادت چاہتے ہیں تو ہم کو ذرا اختلاف نہیں آپ زندگی بھر ہمارے قائد رہیں گے پھر اگر آپ کو یہ سیاسی مفہام حاصل ہو جاتا تو آپ کے لئے ایرانی یا رومی سلطنت پر فوج کشی آسان تھی، آپ عرب کے شہسواروں کے ذریعہ ایران و روم کی سلطنت پر حملہ کر سکتے تھے اور عیسویوں کو منسوب کے روم و فارس پر عرب کی فتح کا پھر ریاڑا کر سکتے تھے یہ کتنا دلکش خواب تھا، اور عربی جذبہ فحوت کی اس میں کیسی تسکین تھی اور اگر آپ ان دونوں شہنشاہوں کے ایک وقت پر سر بیکار رہنا سیاسی دانش کے منافی سمجھتے تو یمن و حبشہ پر حملہ کر کے ان کو اپنی نوزائیدہ حکومت میں ملحق کر لینا کچھ مشکل نہ تھا۔

خود عرب میں اتنے اجتماعی، معاشی مسائل موجود تھے جو اعلیٰ سیاسی بصیرت، قومی تنظیم، انتظامی قابلیت، اعلیٰ عزیمت کے برسوں سے منتظر تھے، ایک بلند پایہ قوی الارادہ رہنما کی

مقامی اصلاح و تنظیم کر کے اس کو دنیا کی بہت بڑی طاقت اور ایک با عظمت ملک بنا سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے کہ ایک بگاڑ کو تبدیل کر کے دوسرا بگاڑ اس کی جگہ پر لائیں اور ایک نا انصافی کو ہٹا کر دوسری نا انصافی پیدا کریں، ایک چیز کو ایک جگہ ناجائز قرار دیں اور دوسری جگہ اس کو جائز قرار دیں، ایک قوم کی خود غرضی کی مخالفت کریں اور دوسری قوم کی خود غرضی کی ہمت افزائی کریں، آپ ایک وطن پرست لیڈر اور ایک سیاسی قائد بن کر نہیں آئے تھے کہ ایک قوم کو اجاڑ کر دوسری قوم آباد کرتے، دوسری قوم کے زرو جو اہر سے اپنی قوم کا دامن بھرتے اور لوگوں کو روم و فارس کی غلامی سے نکال کر آل عدنان اور اولاد قحطان کی غلامی میں داخل کرتے۔

آپ کا مقصد بہشت دنیا کو جنت کی بشارت اور عذابِ آخرت کی وعید پہنچانا تھا، آپ داعی الی اللہ اور سرِ اسراجِ مُبین بن کر آئے تھے کہ ساری دنیا کو روشن کریں، آپ مبعوث فرمائے گئے تھے کہ دنیا کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کی بندگی میں داخل کریں، تمام لوگوں کو مادی زندگی کی کال کو ٹھہری سے نکال کر دنیا و آخرت کی دستوں میں پہنچا دیں، مذاہبِ ادیان کی نا انصافیوں اور زیادتیوں سے نجات دے کر اسلام کے انصاف سے متمتع ہونے کا موقع دیں، آپ کا کام نیکی کی ترغیب دینا، بدی سے منع کرنا، انصاف پاک چیزوں کو حلال، گندی و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دینا اور ان بندشوں اور پٹیوں کو توڑنا تھا، جو انسانوں نے اپنی نادانی سے یا مذاہب اور حکومتوں نے اپنی زبردستی سے لوگوں کے پاؤں میں ڈال رکھی تھیں۔

اسی لئے آپ کے مخاطب صرف ایک قوم یا ایک ملک کے باشندے نہ تھے، آپ کا خطاب تمام انسانوں اور پورے انسانی ضمیر سے تھا، عرب قوم اپنی حد سے بڑھی ہوئی پسماندگی اور اخلاقی پستی کی وجہ سے ضرور اس کی سختی تھی کہ آپ کی ہُثم وہیں سے شروع ہوا اور کائنات کا

افتتاح بھی اسی قوم میں ہوا اُمّ القریٰ (مکہ، عالم، مکہ) اور جزیرہ نمائے عرب اپنے جغرافیائی جائے وقوع، سیاسی آزادی کی وجہ سے آپ کی جدوجہد کے لئے بہتر مرکز تھے، اور عربی قوم اپنی نفسیاتی خصوصیت اور اخلاقی امتیازات کی وجہ سے آپ کے پیغام کی بہترین سفیر اور آپ کی دعوت کی موزوں ترین قاصد بن سکتی تھی۔

آپ ان مصلحین میں نہ تھے، جو اپنی قوم یا اپنے زمانے کی چند اجتماعی کمزوریوں یا اخلاقی خرابیوں کے مٹانے کے درپے ہوتے ہیں، اور وقتی طور پر ان عیوب کے ازالے میں کامیاب ہوتے ہیں یا اس دنیا سے ناکام سدھار جاتے ہیں۔

انسانیت کی صحیح گرہ کشائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دعوت و اصلاح کا کام اس کے

لے گا نہ ہی جی نے اپنی سیاسی اور روحانی زندگی کی ابتداء سے دوزبردست اصولوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور ان دنوں پر اپنی وہ تمام طاقتیں، ہنسی و علمی صلاحیتیں، درود تمام وسائل خرچ کر دیئے جو اس زمانے میں کم لوگوں کو حاصل ہوں گے، پہلا اصول عدم تشدد تھا جس کی طرف انھوں نے ایک مستقل مذہب و فلسفہ کی حیثیت سے دعوت دی اور اس کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، مگر چونکہ یہ طریقہ نفسیاتی تبدیلی اور دین کی بنیادی دعوت کے طریقہ سے جدا تھا اس لئے ان کی دعوت وہ گہری تبدیلی اور تاثر پیدا نہیں کیا جو انبیاء اپنی قوموں میں پیدا کر جاتے ہیں، انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے ہندوستان کا وہ ہونناں فقر و دارانہ فساد دیکھا جس پر ان کے اصول عدم تشدد کو بڑی طرح پامال کیا گیا اور بربریت و تشدد کا بدترین مظاہر ہوا یہ واقعہ کا مذہبی جی کے لئے سخت لاشکون اور بے بااخوان کو خود تشدد کا شکار ہونا پڑا جس کے خلاف ساری عمر انھوں نے ملحقین کی تھی، دوسرا اصول چھوٹا بڑا ترک تھا، اس میں بھی کوئی خاص کامیابی نہ ہو سکی، یحیٰی ان اس باکی روشن دلیل میں کہ انبیاء کرام کا طریقہ ہی صحیح اور نتیجہ خیز طریقہ ہے اور دوسری کامیابی کا راستہ ہے۔

صحیح راستہ سے شروع کیا، آپ نے طبیعتِ انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی، یہ وہ قفل تھا جس کے کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے، آپ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودانِ باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاعت (خدا کے سوا ہرستی جس کی عبادت و اطاعت مُطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی، لوگوں میں کھڑے ہو کر آپ نے با آواز بلند فرمایا یا ایہا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا^۱ لوگو کہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں کامیاب ہوگے۔

جاہلیتِ اسلام کے مقابلہ پر

جاہلی معاشرے نے اس دعوت اور اس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور اس ہیل اس کو کچھ سچیدگی محسوس نہیں ہوئی جیسے ہی آپ کی آواز سے سننے والوں کے کان آشنا ہوئے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیرہ ہے جو جاہلیت کے نشانہ پر بیٹھ جائے گا اور جگر کے پار ہو جائے گا خطرہ کے اس احساس سے جاہلیت کے کڑھاؤ میں بال پیدا ہوا جاہلیت کے سوراخ جاہلیت کے آخری موڑ کے لئے میدان میں کیل کانٹے سے لیس کر اتر آئے۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ اَنْ امْشَوْا اور ان کے ذمہ دار لوگ نکل پڑے کہ چلو

وَاَصْبِرُوا عَلٰی الْاِيْتِكُرْ اَنْ هٰذَا اور اپنے معبودوں پر جے رہو یہ تو یقیناً

نشی بڑا دہ (ص - ۶) کوئی سوچی سمجھی چیز معلوم ہوتی ہے۔

اس زندگی کے ہر رکن نے صاف محسوس کیا کہ جاہلی تہذیب کی عمارت متزلزل ہے اور

پورا نظامِ زندگی خطرے میں ہے اس موقع پر سختی دباؤ ظلم و زیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات پیش آئے جو تاریخِ اسلام میں محفوظ ہیں یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جاہلیت پر زد گانے کے لئے بالکل صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور آپ کا تیر نشانہ پر صحیح بیٹھا آپ نے جاہلیت کی شہرہ رگ پروا کیا جس سے جاہلیت تلملا اٹھی اور سارا عرب جو جاہلیت کا شاید سب سے بڑا قلعہ تھا، اڑنے کے لئے اُگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت پر پہاڑ کی طرح جھرپے، مخالفت کے طوفان اٹھے، فتنہ کی آندھیاں اُٹیں اور نکل گئیں، مگر آپ نے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی، آپ نے اپنے چچا سے صاف کہہ دیا: میرے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں سو سونے اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو بھی میں اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ یا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے یا میں کام آجاؤں!

آپ مکہ میں تیرہ سال تک مقیم رہے، مسلسل توحید رسالت، آخرت پر یقین کی دعوت پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے، آپ نے اس کے لئے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا، نہ مخالفوں کی ادنیٰ رعایت کی، نہ وقت کی مصلحت کے لئے اپنی دعوت میں لوچ اور ہچک گوارا کی، اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا، اور ہر بند فضل کی کنجی سمجھا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو اس کے بارہ میں ادنیٰ تذبذب بھی نہیں ہوا۔

اولین مسلمان

قریش نے اس دعوت کے مقابلہ میں گھٹنے ٹیک دیئے اور جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے آپ کے مقابلہ پر آگئے اور انھوں نے تمام ملک میں آپ کے خلاف آگ لگا دی اور اسلام کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، اب آپ پر ایمان لانا اسی شیر دل مرد کا کام تھا جو موت سے نہ ڈرتا ہو، جو اپنے عقیدہ اور یقین کے لئے آگ میں کودنے اور انگاروں پر لوٹنے کے لئے تیار ہو۔

لے البایۃ والنہایت۔ ج ۳ ص ۴۳

جو دنیا کی تمام تر رغبات سے منہ موڑ چکا ہو اور ساری دنیا سے رشتہ توڑ چکا ہو، قریش کے چند جوان مرد آگے بڑھے، یہ عجلت کا فیصلہ اور نوجوانی کا اقدام نہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور زندگی کے دروازے اپنے لئے بند کر رہے ہیں، کوئی دنیاوی ترغیب یا لالچ اس کی محرک نہ تھی کہ اس فیصلہ سے صرف خطرات کا دروازہ کھلتا تھا، اور ہر طرح کے دنیاوی فوائد اور راحت کے دروازے بند ہوتے تھے، یہاں صرف یقین کی ایک طاقت تھی اور آخرت کی لالچ تھی، انھوں نے ایمان کی طرف بلانے والوں کو پکارتے سن پایا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ، یہ پکار سننے ہی زمین ان پر تنگ ہو گئی، طبیعتیں بھینچنے لگیں، راتوں کی نیند اڑ گئی، نرم بستر کانٹوں کی طرح چھینے لگے، انھوں نے دیکھا اللہ و رسول پر ایمان لانا اور اپنے یقین کا ساتھ دینا ان کے لئے ضروری ہو گیا ہے، وہ دل و دماغ کے فیصلہ اور اپنے یقین کی مخالفت کر کے خوش نہیں رہ سکتے تھے، حقیقت ان پر ظاہر ہو چکی تھی، وہ اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتے تھے، جوانی زندگی سے ان کا دل اُچاٹ ہو گیا تھا، وہ اس کو اس میں دوبارہ پھنسا نہیں سکتے تھے، ایک کانٹا تھا جو ان کے دل میں چبھ رہا تھا، وہ اس کانٹے کو پال نہیں سکتے تھے آخر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر کے محلہ میں تھے چند گز کا فاصلہ! مگر قریش نے آپ کو اتنا دور کر دیا تھا، اور راستہ اتنا پر خطر بنا دیا تھا کہ آپ تک پہنچنا ایک ڈور درازا اور نہایت خطرناک سفر تھا، شام وین کو تجارتی قافلہ لے جانا اور عرب کے رہزنوں سے بچ کر نکل جانا اتنا مشکل نہ تھا، جتنا کہ کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا اور آپ سے مناسبت تھا لیکن وہ آپ تک پہنچے، آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اپنی زندگی آپ کے حوالے کر دی ان کو زندگی کا

خطرہ تھا، اور آزمائشوں و مشکلات کا یقین تھا اگر انھوں نے قرآن کی یہ آیت سنی تھی :-

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا
إِٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۚ وَلَقَدْ فَتَنَّا
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَافِرِينَ
(العنکبوت - ۲ و ۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ کر
چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی
آزمائش نہ ہوگی ہم نے تو ان سے پہلے
لوگوں کو خوب آزمایا ہے اللہ تعالیٰ ان
لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور
وہ جھوٹوں کو ضرور معلوم کرے گا۔

اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سنا تھا کہ :-

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ
وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ مَسْتَهْزِئِينَ ۚ وَالضَّرَآءُ
وَزُلْزُلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ
إِلَّا أَنْ نَصْرَ اللَّهُ قَرِيبٌ ۚ
(البقرہ - ۲۱۴)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں
داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات
نہیں گزریں گے جو پہلے گزر چکے ان کو
مصیبت اور نقصانات کا سبق پڑا اور
وہ ہلا کر رکھ دیئے گئے حتیٰ کہ رسول اور
ان کے ساتھ کے ایمان لانے والے کہنے لگے
کہ مدد آئے گی معلوم ہو کہ مدد بس قریب ہے۔

آخر وہی پیش آیا جس کی قریش سے توقع تھی، قریش نے اپنا ترکش ان بے بسوں پر
خالی کر دیا اور سب تیر آزمائے مگر ان کی پختگی اور یقین بڑھتا ہی گیا؛ اور کہنے لگے اسی کا تو
ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا
اور اس نے ان کے ایمان اور شہر دگی میں اضافہ ہی کیا "ان آزمائشوں اور ابتلاؤں سے ان کے

عقیدہ میں مزین پختگی، ان کے یقین میں استحکام، ان کے دینی احساس میں ترقی اور ان کے ایمان میں لذت و ملاوت پیدا ہوئی، ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا اور وہ اس بھی سے کھرا سوا بن کر نکلتے

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن کی روحانی غذا پہنچا رہے تھے اور ایمان کے ذریعہ ان کی تربیت فرما رہے تھے، اور آپ ان کو بھارتِ بدنی و خشوع قلبی، خضوعِ جسمانی اور حاضر دماغی کے ساتھ دن میں پانچ بار رُتّبِ عالمین کے حضور میں جھکتے ان میں روز بروز روحانیت کی بلندی، قلب کی صفائی، اخلاقی شہر اپنا دہی گرفت سے آزاد ہونا اور خواہشات کی اتباع سے بچھٹکارا حاصل ہو رہا تھا اور مالکِ ارض و سما کا عشق اور شوق بڑھ رہا تھا، آپ ان کو کلیف میں صبر اور درگزر اور ضبط نفس کی تلقین فرماتے تھے، لڑائی ان کے خمیر میں داخل تھی، تلوار سے ان کا زلی رفتہ تھا، وہ لوگ اس قوم سے تھے جس کی تاریخِ نبوتس و داحس و غیرہ کی خونیں داستانوں سے پڑھے، یومِ العجاء کو ابھی زیادہ دن نہیں گزے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جنگی سرشت انسانوں کو تنہا ہوئے تھے اور ان کی عربی نخوت کو ایمان کی طاقت سے دبائے ہوئے تھے، آپ ان سے کہتے (اپنے ہاتھوں کو روکے رو اور نماز قائم کرو) وہ آپ کے حکم سے موم ہو گئے تھے، بغیر ادنیٰ بڑی کے انھوں نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا وہ سب برداشت کر رہے تھے، جو دنیا کی کسی قوم نے برداشت نہیں کیا، تاریخ نے ایک اقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں کسی مسلمان نے اپنے نفس کی طرف سے برافت کی ہو اور جوابی یا انتقامی کارروائی کی ہو، ضبط و تحمل کی یہ انتہائی مثال ہے جو ہمیں کسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

مدینۃ الرسول میں

قریش جب حد سے بڑھ گئے اور پانی سر سے اونچا ہو گیا، تو اللہ نے اپنے رسول کو اور آپ کے اصحاب کو ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، یہ لوگ یثرب کو ہجرت کر گئے، اسلام سے نبی پہلے یثرب پہنچ چکا تھا۔

نبی مکرم یثرب والوں سے خوب گھل مل گئے، حالانکہ ان کے درمیان کی کڑی صرف یہ نیا مذہب تھا، تاریخ نے دین کی طاقت و اثر کا یہ الوکھا منظر پیش کیا، اوس و خزرج نے جنگ بعثت سے ابھی دامن بھی نہ جھاڑا تھا، اور ان کی خون آشام تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا تھا۔ ایسے حالات میں اسلام نے دلوں میں الفت و محبت پیدا کی، اس مصاحبت کے لئے اگر کوئی شخص پوری دنیا کا خزانہ خرچ کر دیتا تو بھی اس کی طاقت سے باہر تھی، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا، ایسا بھائی چارہ جس کے سامنے سگے بھائیوں کی محبت گرد اور دنیا کی ساری دوستیاں بے حقیقت تھیں، تاریخ میں ایسی محبت و خلوص کی مثال نہیں ملتی۔

یہ نوزائیدہ جماعت جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل تھی، ایک عظیم الشان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سرمایہ تھی، اس جماعت کا ظہور ایسی کٹھن گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت و زندگی کی کش مکش میں مبتلا تھی، اس جماعت نے اگر اس کی زندگی کا پلہ اچھکا دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور پھر اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لئے ضروری تھا، اسی لئے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا: (اگر ایسا نہ کر دے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا۔)

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمان تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشاتِ نفس پر قابو، رضائے الہی کی سچی طلب و اس کی راہ میں اپنے کو ملانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتسابِ نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ جیستی و سستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے یہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معیت میں دس سال کے اندر تائیس بار چہاد کے لئے نکلے اور آپ کے حکم سے شو مرتبہ سے زائد کربتہ ہو کر میدانِ جنگ کی طرف گئے، ان کے لئے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل و عیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان کے لئے پہلے سے مانوس نہ تھے، نفس و مال، اولاد و خاندان کے بائے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل کچھ ہنسی کھیل نہ تھی، لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی، شرک و کفر کی گتھی جب بٹک گئی تو ساری گتھیاں ہانٹھ لگاتے ہی بٹک گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان کے ایمان کے لئے کوشش فرمائی، پھر ہر امر و نہی اور ہر نئے حکم کے لئے مستقل کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہ رہی، اسلام و جاہلیت کے پہلے موکر میل اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کر لی، پھر تو ہر موقع کے لئے ہر مرتبہ نئے موکر کی ضرورت باقی نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے مع اپنے ہاتھ پٹاؤں کے مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آ گئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپ کے فیصلے پر ان کو کبھی دہنسی

یا قلبی کش مکش پیش نہ آتی جس بات کا آپ فیصلہ فرماتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رو برو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جرموں کو حدود اور سزاؤں کے لئے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھر پکے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں تنگ ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیئے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے دھل گئے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جہان کے نفوس کے اثرات ان کے نفوس سے زائل ہو گئے، انسانیّت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ لوگ اپنے نفوس سے ویسا ہی بتاؤ کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسرے سے کرتے تھے، دنیا میں رہتے ہوئے مردانِ آخرت اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے نہ کسی نعمت پر اترتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکرانے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑا اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لئے وہ میزانِ عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا، اور دنیا کو ان کے لئے مسخر کر دیا، وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان کے رفیقِ اعلیٰ کی طرف مقرر ہو گئے۔

تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اور اس کے اسباب

مسلمانوں کی طبیعتوں کا یہ زبردست انقلاب جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دست مبارک پر انجام پایا اور مسلمانوں کے ذریعہ سے انسانی معاشرہ میں پیش آیا، انسانی تاریخ کا ایک نوکھاد واقعہ تھا، اس انقلاب کی ہر چیز زلالی اور انوکھی تھی، اس کی سرعت، اس کا عمق، اس کی وسعت وہمہ گیری، اس کی وضاحت اور فہم انسانی سے قریب، یہ سب اس بحر المعجزہ واقعہ کے زلے پہلو تھے، یہ انقلاب دوسرے خارق عادات واقعات کی طرح کوئی پیچیدہ مسئلہ یا ناقابل فہم ممتنع نہ تھا، علمی طریقے سے اس انقلاب کی تحقیقات کیجئے، تاریخ انسانی اور معاشرہ انسانی میں اس کے اثرات کا مطالعہ کیجئے۔

ایمان اور اس کے اثرات

تمام لوگ خواہ عرب ہوں یا عجمی نہایت مسخ شدہ زندگی گزار رہے تھے، ہر وہ ہستی جو ان کے لئے وجود میں لائی گئی تھی، اور جو ان کے تصرفات کے تابع تھی، امر و نہی، سزا و جزا کی طاقت سے محروم تھی، اس کی وہ پریش کرنے لگے تھے، وہ بالکل ایک سطحی اور اٹھلی مذہبیت رکھتے تھے، جس کا زندگی میں کوئی اثر اور ان کے طبائع اور ارواح اور قلوب پر کوئی اقتدار نہ تھا۔ اخلاق و معاشرت اس مذہبیت سے ذرا متاثر نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی ہستی ان کی نگاہوں میں ایسی تھی جیسا کہ ایک کاریگر اپنا کام پورا کر کے کنارہ کش اور گوشہ نشین ہو گیا ہو، ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مملکت ان لوگوں کے حوالے کر دی تھی جن کو اس نے خلعت ربوبیت سے سرفراز کیا تھا، اب وہ حکومت پر قابض اور سیاہ و سفید کے مالک تھے،

غذا کی تقسیم، ملک کا نظم و نسق اُن لے اختیار میں تھا، غرض ایک منظم حکومت کے جتنے شعبے اور محکمے ہوتے ہیں وہ سب ان کے انتظام میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر اُن کا ایمان ایک تاریخی واقعیت سے زیادہ نہ تھا، اللہ کو پروردگار سمجھنا اس کو زمین و آسمان کا خالق ماننا ایسا ہی تھا جیسے تاریخ کے کسی طالب علم سے پوچھا جائے کہ یہ قدیم عمارت کس کی تعمیر ہے؟ وہ جواب دے کہ فلاں بادشاہ کی! اس بادشاہ کے نام سے اس کے قلب پر خوف و ہراس کی کوئی لہر نہ دوڑے نہ اس کے دماغ پر کوئی اثر پڑے، ان لوگوں کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور تعزیر و دعا سے خالی تھا، اللہ کی صفات سے وہ بالکل بے خبر تھے، اس لئے ان کے دل میں اس کی محبت کا کوئی جذبہ اور اس کی عظمت و کبریائی کا کوئی نقش نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کو بہت مبہم محفل اور عامیانہ سا علم تھا، جس میں کوئی گہرائی اور قوت نہ تھی۔

یونانی فلسفہ نے خدائے تعالیٰ کی ذات کے تعارف کے سلسلہ میں زیادہ تر نفی سے کام لیا، اس نے صفات کی نفی کی اور نفی کا ایک طویل سلسلہ قائم کیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثبت تعریف اور کوئی ایجابی صفت نہیں ہے، نہ اس کی قدرت کا ذکر آتا ہے نہ اس کا ربوبیت، اس کی بے پایاں بخشش، اس کی محبت و رحمت کا تذکرہ ہے، اس فلسفہ نے خلقِ اول کو تو ثابت کیا تھا لیکن علم و اختیار و ارادہ اور صفات کی نفی کی اور اپنی طرف سے ایسے کلیات و اصول وضع کئے جو اس ذاتِ عالی کی تنقیص اور مخلوقات پر قیاس تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر سیکڑوں نفی ہو جائیں تو ایک ایجاب کا بھی فائدہ نہیں دے سکتے۔

ہمارے علم میں آج تک ایسا کوئی نظام، ایسا کوئی تمدن اور ایسی کوئی سوسائٹی وجود میں نہیں آئی جو محض نفی پر قائم ہو، یونانی فلسفہ کے حلقہ اثر میں دین و مذہب خشوع و تقصیر،

حوادث میں رب العالمین کی طرف توجہ قلبی، محبت و الفت کی روح سے کیسے خالی تھا، اسی طرح اس دور کی مذہبیت روح کھوٹھی اور صرف چند بے روح رسمیں اور ایمان کی بے جان نقلیں دنیا میں رہ گئیں۔

مسلمان امت اور عرب قوم اس بیادِ غیر واضح اور بے جان معرفت سے نکل کر ایک ایسے واضح اور عین عقیدہ تک پہنچ گئی جو قلب و نفس پر قیام و یافہ تھا، معاشرت کو متاثر کرنے والا زندگی اور تعلقات زندگی پر حاوی تھا، وہ لوگ اس خدائے قدوس پر ایمان لائے جس کے بہترین نام ہیں جس کی شان سب سے اونچی ہے، وہ لوگ ایسے رب العالمین پر ایمان لائے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، قیامت کے دن کا تنہا مالک و مختار، شہنشاہِ پاک ہے:-

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ

هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۚ هُوَ اللَّهُ

چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا

الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ

مہربان رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ

السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُتَعَزِّزُ

اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادشاہ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا

ہے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے،

يُشْرِكُونَ ۚ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ

نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے، خرابی کا

الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ

درست کر دینے والا ہے، بڑی عظمت والا

الْحَاشِي ۚ يَتِمُّ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

ہے اشر تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے

وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ

وہ معبود ہے پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک

(احشر - ۲۲ تا ۲۸)

ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے

اس کے اچھے اچھے نام ہیں سب چیزیں
اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں
اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست
حکمت والا ہے۔

جو اس کا رخانہ عالم کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور چلانے والا بھی جس کے قبضہ قدرت
میں تمام عالم کی باگ ڈور ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا
جنت اس کا انعام ہے اور دوزخ اس کی سزا جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں کشائش کرتا ہے
اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ اشیاء سے واقف ہے
آنکھوں کی چوریوں اور دلوں کے اسرار خوب جانتا ہے جو سراپا حمال، سراپا جلال ہر ایک کمال
اور محبت و رحمت ہے۔

اس گہرے وسیع اور واضح ایمان سے ان لوگوں کی نفسیات عجیب طرح تبدیل
ہو گئیں، جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیتا
اس کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب رونما ہوتا، ایمان اس میں پیوست ہو جاتا یقین
رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا اور اس کے جسم میں خون و روح کی طرح دوڑ جاتا، جاہلیت
کے جراثیم کو ختم کر دیتا اور اس کی جڑوں کو اکھاڑ کے پھینک دیتا، دل و دماغ اس کے
فیضان سے معمور ہو جاتے اور وہ شخص پہلا آدمی باقی نہ رہتا، اس شخص سے صبر و شجاعت
ایمان و یقین کے ایسے حیرت انگیز واقعات رونما ہوتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے او
فلسفہ و تاریخ اخلاق انگشت بندہاں ہیں قوت ایمان کے سوا کسی اور چیز سے اس کی
توجیہ نہیں ہو سکتی۔

احتسابِ نفس اور ملامتِ ضمیر

یہ ایمان ایک کامیاب اخلاقی مدرسہ اور نفسیاتی تربیت تھی جو طالب علم کو اعلیٰ درجہ کی قوتِ ارادی محاسبہٴ نفس اور خود اپنے ساتھ انصاف کی قوت عطا کرتی، تالیخ میں کسی دوسری طاقت کا سرِ غ نہیں ملتا جو نفس کے ترغیبات اور اخلاقی لغزشوں پر اس کامیابی کے ساتھ فتح حاصل کر لیتی۔

اگر کسی وقت صفتِ بہیمی زور کرتی اور انسان سے غلطی سرزد ہو جاتی، اور یہ ایسا موقع ہوتا جب کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور وہ شخص قانون کی دسترس سے باہر ہوتا تو یہی ایمان نفس کو امرد بن جاتا، دل کی پھانس چلین نہ لینے دیتی پریشان کن خیالات کا سیلاب اُمنڈنے لگتا، اس گناہ کی یادیں چلین حرام ہو جاتا، حتیٰ کہ وہ شخص خود قانون کے سامنے اقرارِ جرم کرتا اور سخت سے سخت سز کے لئے اپنے کو پیش کر دیتا اور پھر اس سزا کو برضا و رغبت جھیلتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ سکے اور آخرت کی جگہ دنیا کی سزا لے۔

ہمارے سامنے معتبر و غرضین نے اس سلسلہ میں اسلامی تاریخ کے ایسے عجیب و غریب واقعات پیش کئے ہیں جن کی نظیر اسلام کی دینی تاریخ کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتی، ان ہی واقعات میں سے ماعز بن مالک اسلمی کا واقعہ بھی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی جامع صحیح میں نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! مجھ سے خطا ہوئی ہے، میں زنا کا مرتکب ہو گیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو پاک کر وادیں آپ نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! میں زنا کا مجرم ہوں آپ نے دوبارہ پھر واپس کر دیا، اور ان کے گھرانے سے دریافت کر لیا کہ ان کی کچھ عیسیٰ کی

کوئی خرابی تو نہیں یا کوئی عادت کے خلاف بات تو نہیں پائی جاتی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ سمجھ دار اور اچھے خاصے آدمی ہیں پھر تیسری بار ماعز بن مالک آئے، آپ نے دوبارہ دریافت کرایا جواب کیسا ملا، چونکہ بارجب وہ آئے تو آپ نے نصف دفن کروا کر سنگسار کر دینے کا حکم دیا۔

اس کے بعد غامدیہ آئیں کہنے لگیں یا رسول اللہ! شرمجھ سے زنا کی غلطی سرزد ہو گئی ہے، طاہر کو وادھیجے، آپ نے ان کو واپس کروادیا، دوسرے روز پھر آئیں اور کہنے لگیں آپ ہمیں کیوں واپس کرتے ہیں شاید اسی طرح جس طرح کہ ماعز کو واپس کرتے تھے ہاں میں حاملہ بھی ہوں آپ نے فرمایا تو پھر جاؤ جب ولادت ہو جائے تو آنا، ولادت سے جب فانیغ ہوئیں تو پھر آئیں لڑکا کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا، کہنے لگیں یہ میرا بچہ ہے آپ نے فرمایا جاؤ دودھ پلاؤ جب کچھ کھانے لگے تو لانا جب دودھ چھڑایا تو پھر آئیں، لڑکے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، کہنے لگیں اے اللہ کے نبی لیجئے میں دودھ پلانے سے بھی فانیغ ہو گئی اور یہ کھانا بھی کھانے لگا، آپ نے لڑکا ایک مسلمان کے سپرد کیا، حد قائم کرنے کا حکم فرمایا، ان کے سینہ تک گرٹھا کھودا گیا اور آپ نے حکم فرمایا، لوگوں نے سنگسار کر دیا، خالد بن ولیدؓ نے ایک پتھر مارا تو خون کی چھینٹیں ان پر آکے پڑیں تو انھوں نے مذمت کے لفظ کہے آپ نے یہ الفاظ سن لئے اور فرمایا "ہائیں خالد! اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایسی توبہ جنگی والا کرتا تو بخش دیا جاتا" پھر آپ نے حکم دیا نماز پڑھی گئی اور ان کو دفن کر دیا گیا۔

امانت و دیانت

یہ ایمان انسان کی امانت اس کی پاکیزگی اور شرافت کا محافظ تھا، خلوت و جلوت میں

لے صحیح مسلم، کتاب الحدود۔

جہاں کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور ایسی جگہ جہاں آدمی کا پورا اقتدار اور اختیار ہوتا اور کسی سے خوف کھانے کی ضرورت نہ تھی یہ ایمان نفس کی ترغیبات اور خواہشات پر پورا قابو رکھنا اسلامی فتوحات کی تاریخ میں دیانت و امانت و اخلاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتیں، یہ صرف ایمان راسخ اور اللہ کے دھیان اور ہر موقع و محل پر اس کے علم کے استحضار کے نتائج تھے۔

تاریخ طبری کی روایت ہے کہ مسلمان جب مدائن پہنچے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے تو ایک شخص اپنے حصہ کا مال غنیمت لایا اور خازن کے سپرد کر دیا، لوگوں نے کہا ایسا قیمتی سامان تو دیکھنے میں نہیں آیا ہمارے پاس جو مال ہے اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں ان لوگوں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے اس سے کچھ لیا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر اللہ کا معاملہ نہ ہوتا تو تم کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی ان لوگوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ عیسیٰ شخص نہیں، انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں یہ نہیں بتا سکتا اس لئے کہ تم تعریف کرو گے، سب تعریف اللہ کی ہے اسی کے ثواب پر میں راضی ہوں، جب وہ واپس ہوا تو لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر دیا کہ معلوم کرو کون ہے معلوم ہوا کہ عامران کا نام ہے اور عربی قبیلہ سے ان کا تعلق ہے۔

مخلوقات اور مظاہر سے بے رغبتی

توحید کے عقیدہ نے ان کا سراونچا اور گردن فراز کر دی تھی، کیا مجال تھی کہ غیر اللہ کے سامنے یا جابر بادشاہ کے آگے یا کسی عالم و درویش یا دینی یا دنیوی سردار کے سامنے ان کی گردن خم ہو اس ایمان نے ان کے دل و نظر کو خدائے تعالیٰ کی عظمت سے معمور کر دیا تھا، مخلوقات کا

لے تاریخ طبری - ج ۴ ص ۱۶

حسن و جمال دنیا کی دل فرمیاں، شان و شوکت کے مظاہرے ان کی نظر میں ہیچ تھے، وہ جب ملوک و سلاطین اور ان کے جاہ و شہم، کٹر و فر اور ان کے درباروں کی سجاوٹ اور زیب و زینت پر نظر ڈالتے اور یہ دیکھتے کہ یہ سلاطین اسی میں خوش ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا کہ چند بے جان محسّے یا مٹی کی موڑیں ہیں جن کو انسانی لباس سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔

ابوموسیٰ کہتے ہیں جب ہم نجاشی کے پاس پہنچے تو اس کا دربار لگا تھا، دائیں جانب عمرو بن العاص، بائیں جانب عمار تھے، اندھیری پیشوا دور و یہ ٹٹھے تھے، عمرو اور عمار نے بادشاہ سے کہا کہ یہ لوگ سجدہ نہیں کرتے، پادریوں نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کرو، حضرت جعفر نے جرتہ جواب دیا کہ ہم صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔

حضرت سعد نے رستم کے پاس جو کہ ایرانی افواج کا سپہ سالار تھا، ارمی بن عامر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، ارمی بن عامر پہنچے تو دربار فرس فروش سے آراستہ تھا، رستم با قوت اور بیش بہا موتی زیب بدن کئے، لباس بیش قیمت پہنے، تاج سر پر رکھ سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، ارمی بن عامر پچھے پرانے لباس میں پہنچے، مختصر سی ڈھال اچھوٹا سا گھوڑا یہ ان کی حیثیت تھی، وہ گھوڑے پر سوار فرس کو روندنے ہوئے بڑھتے چلے گئے اور پھر گڑے سے اترے، قہمی کاؤ نکیہ سے گھوڑا باندھ دیا، اور خود رستم کے پاس جانے لگے، آلات حرب ساتھ، سر پر خود، جسم پر زرہ بھی موجود تھی، لوگ بولے جنگی لباس تو اتار دو، کہنے لگے میں خود سے نہیں آیا، مجھے بلایا گیا ہے اگر تم کو منظور نہیں تو ابھی اپس جانا ہوں، رستم نے کہا آنے دو، وہ اسی فرس پر نیزے سے سہا لالیتے ہوئے بڑھے نیزے کی لوک نے فرس کو جا بجا سے کاٹ دیا، لوگ بولے تمہارا کیسے آنا ہوا، بولے ہم کو اللہ نے اسی لئے بھیجا ہے کہ جس کے بائے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں

لے لے البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ج ۳

داخل کر دیں اور دنیا کی نیکیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں اور مذہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔

بے نظیر شجاعت اور زندگی کی حقارت

آخرت کے عقیدے نے مسلمانوں کے قلوب پر ایسی دلیری بھر دی تھی جو بالکل خارقِ عادت تھی ان میں جنت کا عجیب و غریب شوق اور زندگی کی تحفہ سیرا کی دی تھی جنت کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے اس طرح کھینچ جاتا تھا جیسے وہ آنکھوں کے دیکھ رہے ہوں وہ اس طرح جنت کی جانب لپکتے تھے جیسے نامہ رکبوز اپنی اڑان میں کسی چیز کی پراہ نہیں کرتا اور اپنی منزل پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔
مکہ اُحد میں جب کہ بہت سے مسلمان میدان چھوڑ چکے تھے حضرت انس بن بھڑ بڑھے انھوں نے سعد بن معاذ کو سامنے دیکھا تو کہنے لگے اے سعد بن معاذ خدا کی قسم جنت کی خوشبو اُحد پہاڑ کے اسی طرف سے آرہی ہے انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم نے انہی سے زیادہ زخمِ ان کے جسم پر پائے کچھ تلوار کے تھے کچھ نیزے کے اور کچھ تیروں کے زخم تھے ہم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ مشرکین نے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کی وجہ سے سوائے ان کی بہن کے جنھوں نے ان کو انگلی کے پورے شناخت کیا اور کوئی نہ پہچان سکا۔

بر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا بڑھو اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین و آسمان ہے تو عمیر بن حمام انصاری نے کہا یا رسول اللہ اس کی وسعت زمین و آسمان ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں کیا تم کو شک ہے کہنے لگے نہیں یا رسول اللہ میری یہ تمنا تھی کہ میں اس کو پالیتا، آپ نے فرمایا ہاں ہاں پالو گے وہ چند دانے کھجور نکال کر کھانے لگے پھر بولے اگر ان

لے البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) علیہ بخاری وسلم

کھجوروں کے کھالینے کا انتظار کروں گا تو بہت سا وقت لگے گا پھر تمام کھجور الگ پھینکے اور میدان میں کود پڑے اور شہادت پائی۔

ابو بکر بن ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ میرے والد دشمن کے مقابل تھے اور فرمایا ہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں میں نے ایک شخص اٹھا اس کا لباس نہایت بوسیدہ تھا اس نے کہا ابوموسیٰ تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراتے سنا ہے انھوں نے جواب دیا ہاں وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور اس نے کہا میرا اسلام قبول ہوا اور تلوار کا پرتا توڑ کر ڈال دیا اور تلوار لے کر دشمن کے مقابل میں آگیا اور شہادت پائی۔

عمر بن جموح کے چار بیٹے تھے اور ان کے خود کمر میں لنگ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں تشریف لے جاتے تو وہ بیٹے آپ کے ہمراہ جاتے جب آپ غزوہ احد کے لئے تشریف لے جانے لگے تو عمر بھی ساتھ ہونے لگے ان کے بیٹوں نے سمجھا یا کہ آپ کو خدا نے تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے اگر آپ تشریف نہ لے جائیں تو زیادہ اچھا ہے اور ہم تو آپ کی طرف سے کافی ہیں ہی اللہ نے جہاد آپ پر سے ساقط کر دیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے یا رسول اللہ میرے بیٹے مجھ کو آپ کے ہمراہ نکلنے سے روکتے ہیں اور بخدا میری یتیمنا ہے کہ میں اپنے اسی معذور پاؤں سے جنت میں چلوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو جہاد سے معاف فرما دیا ہے دوسری طرف ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ جانے کیوں نہیں دیتے شاید شہادت اللہ تعالیٰ نصیب فرماے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے اور شہادت پائی۔

۳۵ زاد المعاد ج ۳ ص ۱۳۵

۳۵ ایضاً

شداد بن ہاد کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ایمان لایا اور آپ کے ساتھ ہو گیا اور کہا میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا، آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کا خیال رکھنا، خیر کا معرکہ پیش آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ال غنیمت یم فرمایا، اس میں اعرابی کا بھی حصہ لگا کر صحابہ کے شہرہ فرمایا، یہ اعرابی سب کے جانور چرایا کرتا تھا جب شام کو لوٹ کر آیا تو لوگوں نے اس کا حصہ اس کے حوالہ کر دیا اس نے کہا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا حصہ لگایا تھا، اس نے بے ریا اور بے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہا یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارا حصہ ہے، وہ بولا میں اس لئے آپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا، میں نے تو اس لئے رفاقت اختیار کی تھی کہ اس جگہ تیرے گئے اور اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تاکہ میں جنت جا سکوں آپ نے فرمایا اگر خدا سے تیرا معاملہ سچا ہے تو خدا بھی تیری یہ آزد و پوری کر دے گا، جب جنگ ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کے پاس گزریں تو آپ نے اس کو شہید پایا، آپ نے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ سچا تھا، اللہ نے بھی اس کو سچا کر دیا۔

مکمل سپردگی

یہ تمام اس ایمان سے پہلے ایک پراگندہ و غیر منظم زندگی گزار رہے تھے، نہ کسی قوت کے سامنے تسلیم خیم کرتے، نہ کسی ضابطہ حیات کے پابند تھے، نہ کسی نظام زندگی سے منسلک تھے، وہ خواہشات کے تابع تھے، بغیر سمجھ بوجھ عمل کرنے مگر اہیوں میں بھٹکتے پھرتے، اب وہ ایمان اور بندگی کے دائرہ میں اس طرح داخل ہو گئے تھے کہ ان کے لئے اس سے باہر آنا

لہ زاد المعاد - ج ۲ ص ۱۹

مشکل ہو گیا تھا انھوں نے الشریک شہنشاہیت اور اس کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا، اور اپنے کو رعایا، بندہ اور مطیع مطلق مان لیا تھا، مکمل طور پر اس کو اپنی قیادت حوالہ کر دی تھی، قانونِ الہی کو بے چوں و چرا تسلیم کر چکے تھے اور خواہشات و خود سری سے مکمل طور پر دستبردار ہو گئے تھے، وہ ایسے غلام بن گئے تھے، جو نہ اپنے مال کا مالک ہے، نہ اپنی جان کا، جو مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف بھی نہیں کر سکتا ہے، ان لوگوں کی صلح و جنگ، دشمنی و دوستی، خوشی و ناراضگی، عطا و محرومی اور لاہر و جی قطع رحمی سب الشریک کے حکم کے تابع بن چکی تھی، جو کچھ بھی کرتے، اس کے حکم کے موافق کرتے، وہ لوگ جاہلیت سے خوب واقف تھے، اس میں پلے بڑھے تھے، اس وجہ سے اسلام کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کو خوب معلوم تھا کہ اسلام نام ہے ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف منتقل ہونے کا، ایک طرف بندوں کا راج یا صرت نراج ہے، دوسری طرف خدا کی حکومت ہے، کل تک خدا سے جنگ تھی اور اس کے قانون سے کش مکش اب مکمل اطاعت و شہر دگی اور دائمی صلح و آشتی ہے، کل تک صرف خودی تھی اب صرف خدا کی بندگی، جب اسلام کو اختیار کر لیا تو اب خود رائی اور خود سری کا کوئی کام نہیں اب حکم خداوندی سے سترابی اور قانونِ الہی سے بغاوت کی کوئی گنجائش نہیں، خدا کے حکم کے بعد اختیار باقی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت اور اس سے تجت و بحث کا کوئی موقع نہیں، نہ غیر الشریک کے سامنے مقدمہ جاسکتا ہے اور نہ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ ہو سکتا ہے، نہ دین کے مقابلہ میں رسم و رواج کی پابندی ہو سکتی ہے، نہ نفس پرستی باقی رہ سکتی ہے، جب وہ اسلام لائے تو انھوں نے جاہلی زندگی کو اس کی تمام خصوصیات، عادات اور رسوم کے ساتھ ترک کر دیا اور اسلام کو پوری خصوصیات، متعلقات اور لوازم کے ساتھ اختیار کیا اس سے ان کی زندگی میں بلاتماخیر مکمل انقلاب رونما ہو گیا۔

فضالہ بن عمر بن لحوح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، جب فضالہ آپ کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون؟ فضالہ۔ انھوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا کہ تم کیا سوچ کر آئے تھے؟ کہنے لگے نہیں کچھ نہیں! اللہ کو یاد کر رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے پھر فرمایا اللہ سے توبہ کرو پھر اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھا اور ان کا قلب پُر سکون ہو گیا، فضالہ کہا کرتے تھے آپ کا ہاتھ جیسے ہی سینے سے اٹھا آپ مجھ کو ایسے محبوب لگنے لگے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ کوئی محبوب چیز پیدا ہی نہیں کی، فضالہ کہتے ہیں میں گھر لوٹا تو راستہ میں وہ عورت ملی جس سے دل لگی کیا کرتا تھا اس نے کہا آؤ باتیں کریں! میں نے کہا اللہ کی اطاعت اور اسلام کے بعد اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

صحیح معرفت

انبیاء علیہم السلام نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کا صحیح اور یقینی علم عطا کیا تھا اس عالم کی ابتداء و انتہا اور مروجے بعد انسان کا جس سے سابقہ پڑنے والا ہے اس سب کا علم انبیاء کے ذریعہ انسانوں تک بے منت و منت منت پہنچا تھا، انبیاء علیہم السلام نے ایسے علوم میلان کی رہنمائی کی جن کے اصول و مبادی بھی ان کو حاصل نہ تھے جن پر یہ انسان اپنی تحقیق کی عمارت قائم کر سکتا، انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کے وقت اور قوت کو یکپارہ اور با بعد الطبیعیات و مسائل الہیات کی اس لاجل تلاش و تحقیق سے فرصت دی جس میں نہ ان کے حواس کا لے لے سکتے تھے نہ نظر رستہ پاسکتی تھی نہ ان کے پاس اس کے بنیادی معلومات ہی موجود تھے۔

لیکن لوگوں نے اس نعمت کا شکرا ادا نہ کیا ایک بے ضرورت ہم اپنے سرلی، ان حقائق کو جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ان کو بے محنت حاصل ہو گئے تھے از سر نو تحقیق شروع کی اور ان نامعلوم خطوں میں سفر کی ابتداء کی جہاں ان کے ساتھ نہ کوئی رہبر تھا اور نہ کوئی ان کی راہوں سے باخبر وہ اس معاملہ میں اس سیاح سے بھی زیادہ قیمتی اور فضول پسند ثابت ہوئے جو ان معلومات و تحقیقات پر قانع نہیں جو جغرافیہ اور نقشہ جات کی شکل میں سلول و صدیوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ پہاڑوں کی بلندی اور سمندروں کی گہرائی کی از سر نو پیمائش کرے صحراؤں فاصلوں اور حدود کو اپنی اس مختصر عمر اور محدود وسائل کے ساتھ دوبارہ مضبوط کرے اس آدمی کی محنت کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ٹھک کر رہ جائے اس کا عزم جواب دے جائے اور وہ شخص صرف چند یادداشتوں اور ناتمام اشاروں کا سرمایہ جمع کر سکے اس سے بڑھ کر جن لوگوں نے الہیات کے میدان میں بصیرت اور روشنی کے بغیر قدم رکھا ان کو اس علم میں سوائے متضاد آراء ادھوئے معلومات اتفاقی خیالات اور عجبت کے نظریات کے کچھ ہاتھ نہ لگا، خود راہ کھو بیٹھے اور دوسروں کی بھی منزل کھوٹی کی۔

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دین کے بائے میں بڑے خوش قسمت اور صاحب توفیق تھے کہ دین کے بائے میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و اطلاع پر پورا اعتماد کیا اور ذات و صفات کے بارہ میں ”کوہ کندن و کاہ بر آوردن“ کی سعی حاصل سے محفوظ رہے انھوں نے اپنی زکات و وطاقت کو محفوظ رکھا اور اپنی جد و جہد اور کوشش اور اپنے اوقات کو پوری احتیاط کے ساتھ دین و دنیا کے مفید میدانوں میں صرف کیا، وہ دین کے مضبوط حلقہ کو تھامے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر دوسروں کے پاس دین کے متعلقات و تفصیلات تھے تو ان کے پاس دین کا مغز اور اس کا ثبوت باب تھا۔

انسانی گلدستہ

اَللّٰہُ رسولؐ اور یومِ آخرت پر ایمان اور کامل سُپردگی نے زندگی سے پیچ و خم کو دور کر دیا اور انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعثِ زینت تھی۔

نوعِ انسانی کے افراد ایک خاندان میں تبدیل ہو گئے، وہ سب ایک باپ (آدمؑ) کی اولاد تھے اور آدمؑ کی اصل مٹی سے ہے نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت تھی اور نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر فوقیت تھی، ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت تھی تو محض تقویٰ کی بناء پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! بیشک اللہ نے تم سے جاہلیت کے عیب کو دور فرما دیا اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کی رسم ختم کر دی انسانوں کی دو قسمیں ہیں نیک اور خدائے دینے والے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں شریف دوسرے بدعمل بد بخت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلیل؛

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: دیکھو تم کسی سے نہ بہتر ہو اور نہ بڑے، ہاں اگر تقویٰ میں بڑھ جاؤ (تو بیشک بڑے ہو)۔

آپ جب اپنے رب سے رات کے آخری حصہ میں مناجات کرتے تھے، تو فرماتے تھے: ”میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کا پورا پورا استیصال کر دیا تھا اور اس کے داخلہ کے تمام روزن بند کر دیئے تھے۔ فرمایا:۔

”جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر جنگ کرے وہ

لے ابن ابی حاتم لے الوداؤد

ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں۔
 جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے، ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کچھ
 کہہ دیا اور انصاری پکارا اٹھا "انصار یو!" اور مہاجر پکارا اٹھا "مہاجر یو!" تو نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا "چھوڑو اس جتنے بندی کے نعروں کو یہ نہیں سمجھتا۔"

آپ نے جاہلی حیت کو ناجائز قرار دیا اور مدد و تعاون کے اس جاہلی اصول کو
 بدل دیا جس پر ساری زندگی چل رہی تھی کہ اپنے بھائی کی مدد کو ظالم ہو یا مظلوم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اپنے لوگوں کی باطل پردہ کی تو وہ اس
 اونٹ کی مثال ہے جو کنوئیں میں گرنا چاہتا ہے اور لوگ اس کو دم سے پکڑ پکڑ کر روکتے ہوں۔"
 عربوں کی نفیات اور ذہنیت ایسی تبدیل ہو گئی کہ اب ان کا ذوق اس شہو ریش کو ہضم نہ کرتا
 تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ فرمایا "اپنے بھائی کی مدد کو، ظالم ہو یا مظلوم"
 تو صحابہ کرام خاموش نہ رہ سکے اور بے ساختہ بولے کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو بیشک کی جائے
 مگر ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپ نے فرمایا: "اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔"

اسلامی معاشرے میں مختلف طبقے شیعہ و شکر ہو گئے تھے، وہ ایک دوسرے کا سہارا بن گئے
 تھے، اب وہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار نہیں تھے، مرد عورتوں کے ذمہ دار و منتظم تھے،
 عورتیں نیک و فاضلہ اور امانت دار تھیں، ان کے حقوق مردوں پر تھے، اور مردوں کے
 حقوق ان پر تھے۔

ذمہ دار معاشرہ

پورے معاشرے میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گیا تھا، اب انسانی معاشرہ
 لے ابو داؤد۔ ۱۵ صحیح بخاری۔ ۳ تفسیر ابن کثیر۔ ۱۵ بخاری و مسلم۔

(سوسائٹی) ایک مجبور بے اختیار اور مفلوج و معطل جماعت نہ تھی جو نہ اپنے دماغ سے کام لے سکتی ہے نہ اپنے اختیار سے، اس کی عقل و بلوغ اور اس کا اختیار تسلیم کیا جا چکا تھا، اس کا ہر فرد ایک ذمہ دار بے اختیار شخص تھا، جو اپنے اپنے دائرہ میں صاحب اختیار و ذمہ دار تھا، آدمی اپنے گھر کا سرپرست اور ذمہ دار ہوتا تھا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی منتظم اور ماتحتوں کے متعلق جواب دہ تھی، ملازم اپنے مالک کے مال میں ذمہ دار اور اس ذمہ داری کا جواب دہ تھا، اس طرح اسلامی معاشرہ ایک ذمی ہوش اور صاحب اختیار معاشرہ تھا جو اپنے اعمال کا جواب دہ تھا۔

تمام مسلمان حق کے مددگار بن گئے تھے، ان کا کام مشورہ سے ہوتا، خلیفہ جب تک خدا کا مطیع رہتا وہ اس کے مطیع ہوتے اور اگر نافرمانی کرتا تو اطاعت باقی نہ رہتی حکومت کا شعار لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق، بن گیا تھا، یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں وہ مال اور خزانے جو سلاطین اور رئیسوں کا لقمہ تر اور اہل اوقاف کی ذاتی جائیداد سمجھے جاتے تھے اب اللہ کی امانت سمجھے جانے لگے تھے، اس کی رضائیں خرچ اور صحیح عمل پر صرف کئے جاتے، اور مسلمان اس دولت کے امین اور متولی تھے، خلیفہ کی مثال تیم کے سرپرست کی سی تھی، اگر صاحب استطاعت ہوتا تو احتیاط کرتا اور اگر حاجت مند ہوتا تو بقدر ضرورت لیتا، اللہ کی وہ زمین جس کو سلاطین و امرا نے اپنی جاگیر سمجھ لیا تھا، جس کے لئے چاہتے و مسرت دیتے تھے، اور جس پر چاہتے تنگ کر دیتے تھے، اور بعض اس میں کپڑے کی طرح کتر بیونت کرتے تھے اب اللہ کی زمین تھی، جس کے متعلق ایک ایک بالشت کا حساب دینا تھا۔

صاحب ضمیر معاشرہ

انسانی سوسائٹی مدت سے اپنا ارادہ و اختیار اور ذوق و نشاط کھو چکی تھی، وہ

ایک گھٹی گھٹی سی سوسائٹی بن کر رہ گئی تھی، وہ ایک مجبور و مقہور جماعت تھی جس کی نہ جنگ کے بارے میں رائے لی جاتی تھی نہ صلح کے موقع پر اس کی مرضی معلوم کی جاتی تھی، اس سوسائٹی کے افراد کو قربانی و ایثار اور تکالیف کو بھیلنے، مشقتوں سے مقابلہ کرنے پر مجبور کیا جاتا، حالانکہ اس کو نہ تو اس کی خواہش ہوتی اور نہ اس سے کچھ فائدہ، نہ وہ افسردہ کو پسند کرتے اور نہ افسران ان کو، وہ مجبور تھے کہ اس کی اطاعت کریں، جسے وہ ناپسند کرتے ہوتے اور اپنی جان و مال کو اس پر قربان کریں جس سے وہ نفرت کرتے ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلوں کی چٹکائی بجھ گئی، جذبات سرد پڑ گئے، اور لوگوں کا اٹھان، ریاء اور فریب پر ہوا، توہین و حقارت اور ذلت کے برداشت کی طبیعتیں عادی ہو گئیں۔

محبت کا صحیح مصرف

وہ فطری عنصر جن کے سرانسانیت کے اکثر عجوبہ روزگار اور حیرت انگیز کارناموں کا سہرا ہے جس کو لوگ "محبت" سے یاد کرتے ہیں، عرصہ سے حیر اور مردہ تھا، صدیوں سے کوئی اس کو کام میں لگانے والا اور اس سے حقیقی فائدہ اٹھانے والا پیدا نہیں ہوا تھا، بس وہ چمک دمک اور حُسن و جمال کے فانی مظاہر کی نذر ہو کر رہ گیا تھا، عرصہ سے دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں پیدا ہوا تھا، جو اپنے جمال و کمال اور اپنی اعلیٰ صفات سے ساری انسانیت کی محبت کا مستحق ہو اور اپنی طاقت و دل آویز شخصیت سے اس محبت سے کام لے سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں انسانیت کو وہ گم شدہ دولت مل گئی، آپ وہ انسان تھے جن کو اللہ نے مجموعہ خوبی بنایا تھا، دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آپ کو جو اچانک دیکھتا مرعوب ہو جاتا، اور جو آپ سے ملتا جلتا وہ فریفتہ ہو جاتا،

آپ کا تعریف کرنے والا کہتا، آپ جیسا نہ آپ سے قبل دیکھنے میں آیا اور نہ آپ کے بعد آپ کے آنے کے بعد سچی اور پاک محبت کا بند چشمہ اُبل پڑا، نفوس و قلوب اس طرح کھینچے جس طرح لوہا منقناطیس کی طرف کھینچتا ہے، گویا کہ طبعیتیں اور دل پہلے سے آپ کے منظر اور آپ کے لئے بیتاب تھے، آپ کی امت کے افراد نے آپ سے ایسی محبت اور ایسی اطاعت کی ہے جس کی مثال عشاءِ اُور اہل محبت کی تائیں میں سننے میں نہیں آئی، آپ کی اطاعت و تابعداری میں اپنے آپ کو بالکل مٹا دینے اور گھر بار مال و دولت لٹا دینے کے ایسے واقعات پیش آئے جو نہ آپ سے قبل پیش آئے تھے اور نہ آئندہ ان کی امید ہے۔

محبت و جاں نثاری

حضرت ابو بکرؓ کے اسلام لانے کے بعد اُن پر کمے میں ایک روز دشمنوں نے حملہ کر دیا، غنیمہ بن ربیعہ نے اس قدر مارا کہ آپ کا چہرہ سو جگہ تک شاخت تک مشکل ہو گئی تھی، بنو تمیم حضرت ابو بکر کو کپڑے میں لپیٹ کر ان کے گھر اٹھالے گئے، ان کو آپ کی موت میں ذرا شک نہ تھا، آپ کو دن چھپتے ہوئے ہوش آیا تو سب سے پہلے بولے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟“ گوگوں کو اس پر بڑا غصہ آیا کہ اس حالت میں بھی آپ انھیں کو یاد کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ حال ہوا، وہ آپ کو بڑا بھلا کہنے لگے، انھوں نے اُن کی ماں ام ابیجر سے کہا کہ دیکھو ان کو کچھ کھلا پلا دو، انھوں نے کچھ کھانے کے لئے اصرار کیا، آپ براہِ رکبتہ رہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا ”بخدا مجھے تمہارے ساتھی کا کچھ علم نہیں“ انھوں نے کہا تو ”خطاب کی مٹی ام جمیل کے پاس جاؤ اور آپ کی خیریت دریافت کر کے مجھے بتاؤ“ وہ ام جمیل کے پاس آئیں اور کہا کہ ”ابو بکر محمد بن عبد اللہ کے متعلق پوچھتے ہیں“

انھوں نے کہا کہ میں نہ ابو بکر کو پہچانتی ہوں اور نہ محمد بن عبد اللہ کو، اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلوں تو ہو سکتا ہے، انھوں نے کہا، ہاں چلو۔ وہ اُن کے ہمراہ گئیں اور ابو بکر کو پڑا ہوا پایا، ام حبیل ان کے قریب پہنچیں تو ان کا حال دیکھ کر کہا، "واللہ جس قوم نے تمہارے ساتھ یہ بڑا دکھ کیا ہے وہ فاسق و کفار ہیں، اور مجھے امید ہے کہ اللہ ان سے تمہارا انتقام لے گا" انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ بولیں کہ تمہاری ماں سنتی ہیں، انھوں نے کہا ان سے کچھ پردہ نہیں، انھوں نے جواب دیا بخیر و عافیت ہیں، آپ نے فرمایا کہاں ہیں؟ وہ بولیں، دار بن ارقم میں، آپ نے فرمایا تو بخدا میں کھاپی نہیں سکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ جاؤں، وہ دونوں ذرا کسیں، جب رات ہوئی اور آمد و رفت موقوف ہوئی تو وہ ان کو لے کر نکلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا، آپ نے جب حضور کو دیکھ لیا تو جان میں جان آئی اور کھایا پیلا۔

ایک نصاریٰ عورت جس کا باپ بھائی اور شوہر اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اور شہید ہو گئے تھے، قیام گاہ سے نکلی اور پوچھنے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: بحمد اللہ عافیت سے ہیں جیسا تم چاہتی ہو، اس نے کہا مجھے دکھاؤ، میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں، اس نے جب آپ کو دیکھ لیا تو بولی، اگر آپ سلامت ہیں تو ہر نصیب پہنچ رہے ہیں۔

حضرت خبیثہؓ کو پھانسی کے تختہ پر چڑھایا گیا اسب کہنے لگے کہ وہ پسند ہے کہ محمدؐ تمہاری جگہ ہوں؟ انھوں نے کہا خدائے تعالیٰ کی قسم میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آپ کے

لے البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۷ لے ابن اسحاق و بیہقی۔

پیر میں کانٹا چبھے اور میں چھوڑ دیا جاؤں، وہ سب ہنس دیئے۔

زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ اُحد کے روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے سعد بن ربیع کی تلاش میں بھیجا اور مجھ سے فرمایا، ان کو اگر دیکھو تو میرا سلام کہو اور کہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ اپنے کو کیسا پاتے ہو، کہتے ہیں کہ میں قتولین میں چکر لگانے لگا، پھر ان کے پاس پہنچا، ان کا آخری وقت تھا، اور ان کے جسم پر تیر و تلوار و نیزے کے ستر زخم تھے، میں نے ان کا کہا اے سعد! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو سلام کہتے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کہو اور آپ سے کہہ دو یا رسول اللہ! جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہہ دو کہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ ہو گیا اس حال میں کہ تم میں ایک آنکھ بھی حرکت کر سکتی ہو تو اللہ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں اور اسی وقت روح پرواز کر گئی۔

اُحد کے روز ابو جحانہ نے اپنی بیٹی کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ڈھال بنادیا تھا تیر اس پر لگتے تھے، اور وہ حرکت نہ کرتے، مالک بن خذری نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دم چوموس کر صاف کر دیا تھا، ان سے آپ نے فرمایا تھو کہ دو انھوں نے کہا: بخدا! میں کبھی بھی نہ تھو کوں گا۔

ابوسفیان جب مدینہ آئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس پہنچے اور جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے اس کو پیٹ دیا، انھوں نے کہا اے بیٹی! مجھے خبر نہیں کہ تم نے بستر میرے لائق نہ سمجھا، یا مجھ کو اس کے لائق نہ سمجھا، انھوں نے کہا نہیں! بلکہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بستر ہے، اور تم مشرک نجس ہو!

عروہ بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد اپنے ساتھیوں کو کہا اے لوگو! بخدا

لے البدایہ النہایہ ج ۴ ص ۱۵۷ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۳۴ ایضاً ص ۱۳۵ ایضاً ص ۱۳۶

شہیرۃ ابن ہشام

میں سلاطین کے یہاں گیا، کسریٰ قیصر اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے، خدا کی قسم میں ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی مجھ کے ساتھی مجھ کی خدا کی قسم جب بھی وہ تھوکتے ہیں ان میں سے کسی شخص کے ہاتھ پر گزرتا ہے وہ اپنے پہرے اور ہم پر مل لیتا ہے اور جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں تو وہ سب ان کے حکم پر لپکتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اس کے پانی پر رڑتے رڑتے رہ جاتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور وہ لوگ فرط ادب سے آپ پر گہری نظر نہیں ڈال سکتے۔

اطاعت و تابعداری

اطاعت و تابعداری محبت کا لازمی نتیجہ ہے، جب صحابہ کرامؓ محبت کی دولت سے مالا مال ہوئے تو انھوں نے اپنی ساری طاقت آپؐ کی اطاعت میں صرف کر دی اس کی بہترین مثال سعد بن معاذ کا وہ قول ہے جو انھوں نے اپنی اور جماعت انصار کی جانب سے بدر سے قبل کہا تھا:-

”میں انصار کی طرف سے شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں اور ان کی جانب سے جواب بھی دیتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں مقیم ہوں جس کا تعلق چاہیں قائم کھیل دو جس کا چاہیں توڑ دیں اور ہمارے مال و دولت سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں دے دیں جو کچھ کہ آپ ہم سے لے لیں گے وہ اس سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ چھوڑ دیں گے اور جس بائے میں جو کچھ حکم فرمائیں گے ہم اس کے تابع ہوں گے بخدا اگر آپ برک غدران تک چلے جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑیں گے اور خدا کی قسم اگر آپ سمندر میں گھوڑا ڈال دیں گے تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے“

لے زاد المعاد ج ۲ ص ۱۲۵ لے ایضاً ص ۱۳۵

ان کی اطاعت کی ایک مثال یہی ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان میں شخصوں سے گفتگو ممنوع قرار دی تھی جو غزوہ تبوک نہ جاسکے تھے تو لوگوں نے آپ کی بات مانی اور مدینہ ان میںوں کے لئے شہر خمشا بن گیا جہاں کوئی بات کرنے والا اور بات کا جواب دینے والا نہ تھا، کعب کہتے ہیں:-

”رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم میںوں سے گفتگو منع فرمادی تھی لوگ ہم سے کترانے لگے اور ان کی نگاہیں بدل گئیں حتیٰ کہ مجھے زمین تنگ محسوس ہونے لگی گویا وہ زمین ہی نہ تھی جس کو میں جانتا تھا، یہاں تک کہ جب لوگوں کی میرے ساتھ بے رخی بہت بڑھ گئی میں چلا اور بوقتادہ کی دیوار پھاند کر ان کے باغ میں گھس گیا، یہ بوقتادہ وہ ہیں جو میرے محبوب چچا زاد بھائی تھے اور میرے سب سے زائد چہیتے تھے، میں نے ان کو سلام کیا بخدا انھوں نے مجھے جواب بھی نہ دیا تو میں نے ان سے کہا اے بوقتادہ! میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہوں وہ خاموش رہے، میں نے پھر دہرایا، ان کو واسطہ دیا اور وہ خاموش رہے، میں نے مکر کر کہا اور ان کو واسطہ دیا تو وہ بولے کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، میری آنکھیں بھڑکیں اور میں پلٹ پلٹا اور دیوار پھاند کر باہر نکل آیا۔“

ان کی اطاعت کا ایک واقعہ یہی ہے کہ وہ ناراضگی و بے رخی کے ہدف تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاصد آتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہنا، وہ بولے ”طلاق دیدوں یا کیا کروں؟“ وہ بولا ”نہیں، بلکہ الگ رہو ان کے قریب مت جاؤ“ تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، ان ہی کے لئے بخاری و مسلم

پاس رہو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کچھ فیصلہ کر دے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی محبت و تعلق کا یہ حال تھا کہ ہر ایک پر آپ کو ترجیح دیتے تھے، عین اس مقاطعہ کے زمانہ میں عثمان کا بادشاہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے دوبار کی پیش کش کرتا ہے، اس بے رخی اور عتاب کے زمانے میں حقیقتاً سخت آزمائش تھی، لیکن وہ رد کرتے ہیں، کہتے ہیں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ ان شامی بیٹیوں میں سجود مدینہ میں غلہ فروخت کرنے آتے تھے، ایک نبلی کہتا ہے کعب بن مالک کو کوئی بتا دے میں کو لگ سیری جانب اشارے کرنے لگے، اس نے میرے پاس پہنچ کر شاہ عثمان کا ایک خط حوالے کیا، میں پڑھا لکھا تھا، میں نے اس کو پڑھا، اس میں تحریر تھا کہ:-

”ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم سے بے رخی اختیار کر لی ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو دلت کے لئے نہیں رکھا اور وہ تم کو ضائع کرنا نہیں چاہتا ہے، بس تم ہم سے مل جاؤ ہم تمہارا بہت خیال کریں گے۔“

میں نے جب پڑھا تو کہا کہ یہی ایک آزمائش ہے اور میں نے جا کر اُسے تنور کی نذر کر دیا۔ اطاعت اور فوری تعمیل حکم کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو شراب کی حرمت کے حکم کے وقت پیش آیا، حضرت ابو بردہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:-

”ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے کہیں اٹھا تا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضری دوں اور سلام کروں، ادھر شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی؟“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ
لِأَيِّهَا الْإِذَا لَمْ يَجِئْ
وَالْمَيْمُونَةُ وَالْأَنْصَابُ
مِنَ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا
لَعَلَّكُمْ تَكُونُونَ
اَعْلَمُونَ

لہ بخاری و سلم لہ ایضاً

تُفْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ
يُوَفِّقَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ
فِي الْغَنِيِّ وَالْمَيْسِرِ وَيُضِدَّكُمْ عَنْ
ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ
مُنْقَرُونَ ۝ (الباء - ۹۰-۹۱)

الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو شیطان تو
یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ
سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع
کریں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز
سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ گے۔

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت ”هَلْ أَنْتُمْ مُنْقَرُونَ“ (کیا تم لوگ
جاؤ گے) تم پر پڑھ کر سنا دی کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھیں ساغر تھا کچھ پیاتھا اور کچھ
ساغر میں پک رہا تھا جو شراب بنوٹوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی گئی!

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت اور اپنے نفس پر گھروالوں اور خاندان والوں
پر آپ کو ترجیح دینے کی عجیب غریب مثال یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ کو رسول اللہ (صلی اللہ
علیہ وسلم) نے بلایا اور فرمایا ”دیکھتے ہو تمہارے والد کیا کہتے ہیں؟“ وہ بولے یا رسول اللہ میرے ابا باپ
آپ پر قربان وہ کیا کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہتے ہیں کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا
وہ بولے خدا کی قسم یا رسول اللہ! انھوں نے سچ کہا، بعد آپ معزز بنیں اور وہ ذلیل بنیں یا رسول اللہ آپ مدینہ
تشریف لائے اور اہل شہر کو علم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں اگر اللہ
و رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر لے آؤں تو میں حاضر ہوں رسول اللہ نے فرمایا ”نہیں!“
جب لوگ مدینہ پہنچے تو عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی مدینہ کے دروازے پر تلوار لے کر اپنے باپ
کے انتظار میں کھڑے ہو گئے جب ان کے والد آئے تو بولے۔

”تم ہی کہتے تھے اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا؟ تم کو ابھی مسلم

لے تفسیر ابن جریر ج ۷

ہو جائے گا کہ معزز کون ہے؟ خدا کی قسم! تم مدینہ میں لٹرا اور اس کے رسولؐ کی اجازت کے بغیر
نہیں رہ سکتے!"

اس نے کہا:-

"اے خزیج کے لوگو! دیکھ میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے، اے خزیج کے لوگو!
میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے!"

وہ بولے:-

"خدا کی قسم! یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا؛
لوگ اکٹھا ہو گئے اور ان کو سمجھایا، انھوں نے کہا:-

"یہ لٹرا اور اس کے رسولؐ کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا؛

لوگ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے آپ کو خبر دی، آپؐ نے فرمایا:-
"جاؤ اور عبداللہ سے کہہ دو کہ آنے دو"

لوگ واپس آئے، انھوں نے کہا:-

"ہاں! اب جب کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت آگئی ہے، وہ مدینہ
میں داخل ہو سکتا ہے!"

نئے افراد اور نئی امت

اس وسیع و عمیق ایمان اس محکم معییرہ تعلیم، اس دقیق و حکیمانہ تربیت، اپنی عجیب و غریب
طاقت و شخصیت اور اس مجید العقول آسانی کتاب کے ساتھ کہ جس کے عجائب و غرائب ختم ہونے کو

لے تفسیر طبری ج ۲۸

انہیں آتے اور جس کی تازگی میں کبھی فرق نہیں پیدا ہوتا، رسول اللہؐ نے جہاں بلب انسانیت میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی انسانیت کے وہ ذخائر جو خام اشیاء کی شکل میں پڑے پڑے ضائع ہو رہے تھے جن کی افادیت اور مصرف کی کسی کو خبر نہ تھی اور جن کو جہالت، کفر اور کم ہمتی نے برباد کر رکھا تھا، آپؐ نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا، اس میں خدا کی مدد سے ایمان و عقیدہ پیدا فرما دیا، زندگی کی نئی روح پھونک دی، دلی ہوئی صلاحیتیں ابھار دیں اور اندرونی استعدادیں اُجاگر کر دیں پھر ہر ایک کو اس کی صحیح جگہ عطا فرمائی گویا کہ اسی کے لئے اس کا وجود تھا اور گویا کہ جگہ خالی تھی اور اس کی منتظر تھی، وہ بے جان تھے تھا اب وہ ایک جیتا جاگتا انسان بن گیا، وہ بے حس و حرکت مردہ تھا اب وہ زندہ ہو کر دنیا پر حکومت کرنے لگا، پہلے نامینا تھا جس کو خود رستہ کا پتہ نہ تھا اب ساری دنیا کا رہبر و رہنما بن گیا۔

اَوَمَنْ كَانَ مِثْلًا فَاَخْبَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ
نُورًا اَيْمَنْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ
فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا
بھلا وہ جو مردہ ہو ہم نے اس کو زندہ کیا اور
اس کو ایک نور عنایت کیا جس کے ذریعہ وہ
لوگوں میں چلتا ہو اس جیسے ہے جو اندھیروں
میں گم ہو، نکل نہ سکتا ہو۔ (الانعام - ۱۲۳)

آپؐ کی توجہ و تعلیم سے عرب کی برباد شدہ قوم میں ایسا انقلاب ہوا کہ دنیا نے تھوڑے ہی عرصہ میں ان میں وہ عظیم الشان شخصیتیں دیکھیں جو جو بزرگوار اور دنیا کی تاریخ میں یادگار ہیں وہ عمر جو اپنے باپ خطاب کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے باپ ان کو چھڑکا کرتے تھے اور جو کہ قوت و عزم میں قریش کے متوسط لوگوں میں تھے جن کو کوئی غیر معمولی امتیاز حاصل نہ تھا، ان کے معاصران کو غیر معمولی اہمیت نہیں دیتے تھے، وہی عمرؓ تھے کہ کیا رنگی تمام عالم کو اپنی عظمت و عظمت سے متحیر بنا دیتے ہیں اور قیصر و کسریٰ کو تخت و تاج سے محروم کر دیتے ہیں اور ایسی اسلامی سلطنت کی

بنا ڈالتے ہیں جو بیک وقت ان دونوں حکومتوں پر حاوی ہے اور تدبیرِ حسنِ انتظام میں اس وقت رکھتی ہے، ورنہ تقویٰ اور عدل کو چھوڑ دیکھے کہ ان میں تو وہ ضربِ باطل ہیں۔

یہ ولید کے فرزند خالد ہیں قریش کے نوجوان جو صلہِ منڈوں میں سے ایک شخص تھے، مفاہِ جنگوں میں انھوں نے نام پیدا کیا تھا، قریش کے سردار قبائلی جنگوں میں ان سے مدد لیتے تھے، انھوں نے جریرۃ العرب کے علاقوں میں کوئی بڑی شہرت بھی حاصل نہیں کی تھی، اچانک وہ آسمانی تلوار (سيف من سیوف اللہ) بن کر چمکتے ہیں جو چیز سامنے آتی ہے کٹ جاتی ہے، یہ خدائی تلوار رم پر چلبلی بن کر گرتی ہے اور نایخ کے طول و عرض میں اپنے تذکرے چھوڑ جاتی ہے۔

یہ ابو عبیدہ ہیں جن کی امانت اور نرمی کی تعریف کی جاتی تھی وہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کی قیادت کر لیا کرتے تھے، ان کو دیکھئے کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی قیادت کا بوجھ سنبھال لیتے ہیں، اور ہر قتل و شام کے ہرے بھرے ملک سے ہمیشہ کے لئے کمال دیتے ہیں، غریب اس پر وداعی نظر ڈالتا ہے اور کہتا ہے، اے ملک شام مجھ کو خستہ سلام، ایسا سلام جس کے بعد بھی ملاقات نہیں ہوگی۔

یہ عمرو بن العاص ہیں جن کا شمار قریش کے مجھدار لوگوں میں تھا، قریش ان کو حبشہ کا سفیر بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ مسلمان مہاجرین کو واپس لے آئیں مگر ناکام واپس ہوتے ہیں، ان کو دیکھئے، مصرفِ فتح کرتے ہیں اور زبردست اقتدار کے مالک بن جاتے ہیں۔

اور یہ سعد بن ابی وقاص ہیں، اسلام سے قبل ان کے متعلق نہ کسی بڑی فوجی قیادت کا پتہ چلتا ہے، اور نہ کسی ماہرِ جنگ کی حیثیت سے ان کی شہرت ہے، ان کو دیکھئے، مدائن کی گنجیاں سنبھالتے ہیں، اور عراق و ایران کو اسلامی سلطنت میں شامل کر کے ہمیشہ کے لئے فاتحِ عجم کہلاتے ہیں۔ یہ سلمان فارسی ہیں، ایک مذہبی عہدِ دار کے بیٹے تھے، فارس کا ایک گاؤں وطن تھا، ایک غلام سی

دوسری غلامی اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت دیکھتے ہوئے مدینہ پہنچتے ہیں اور اسلام قبول کرتے ہیں ان کو دیکھیے؟ اپنی ہی قوم کے عظیم الشان دارالسلطنت (مدائن) کے حاکم بن کر پہنچتے ہیں کل جہاں کی رعیت کے ایک فرد تھے آج اس ملک کے حکمران ہیں اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس سے ان کے زہد سادگی میں فرق نہیں پڑتا لوگ ان کو اس حال میں دیکھتے ہیں کہ ایک جھونپڑی میں قیام ہے، سر پر بوجھ ڈھوتے ہیں۔

یہ بلال حبشی ہیں فضیلت و عزت میں اس درجہ کو پہنچتے ہیں کہ امیر المومنین ان کو اپنا سرور کہتے ہیں۔ یہ ابو خلیفہ کے آزاد کردہ غلام ہیں جن میں حضرت عمرؓ کو خلافت کی صلاحیت نظر آتی ہے فرماتے ہیں: اگر حیات ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا؟

یہ زید بن حارثہ ہیں، جنگ موتہ کے لئے مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کرتے ہیں اور اسی لشکر میں جعفر بن ابی طالب، خالد بن ولید جیسے متاز لوگ بھی موجود ہیں اور ان کے بیٹے اُسامہ اس لشکر کی قیادت کرتے ہیں جس میں ابو بکرؓ، عمرؓ جیسے افراد موجود تھے۔

یہ ابو ذرؓ، مقدادؓ، ابوالدرداءؓ، عمار بن یاسرؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ ہیں اسلام کی باد بہاری کا ایک جھونکا چل جاتا ہے اور وہ دنیا کے نامور زاہدوں اور حلیل القدر عالموں میں دیکھتے دیکھتے شمار ہونے لگتے ہیں۔

یہ علی بن ابی طالبؓ اور عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گود میں پل کر دنیا کے عظیم ترین عالموں میں شمار ہونے لگے جن سے علم کی نہریں بہتی ہیں اور حکمت اُن کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے، تلب کے سچے علم کے گہرے اور تکلف سے دور بات کرتے ہیں تو زبان نہ ہمت نہ گوش ہو کر سننے لگتا ہے، خطاب کرتے ہیں تو دنیا کے ٹوٹخ کا قلم لکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے کہ کوئی لفظ ضائع نہ ہو۔

متوازن انسانی مجموعہ

پھر تھوڑا عرصہ بھی نہیں گذرتا کہ تمدن دنیا دیکھتی ہے کہ وہ خام اشیاء جو بکھری پڑی تھیں جن کی معاصر قوموں نے بھی ذرا قدر نہ کی تھی اور پڑوسی ملکوں نے جن کا مذاق اڑایا تھا، اس سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ نے اس سے زیادہ متوازن و مکمل مجموعہ نکالا نہیں دیکھا، جیسے ایک ڈھلا کرہ، یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ اس کا سرکہ ہر ہے یا باران رحمت کی طرح کہ اس کا پتہ نہ چل سکے کہ اس کا پہلا چھینٹا مبارک ہے یا آخری، ایسا مجموعہ جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی صلاحیت رکھتا ہے، دین و دنیا کی ہر ضرورت کے لئے اس کے پاس سامان موجود ہے اس لئے اس کو کسی سے مدد کی ضرورت نہیں لیکن دنیا اس کی مدد کی محتاج ہے۔

اس نوزائیدہ جماعت نے اپنی تہذیب کی خود بنیاد ڈالی، نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی، حالانکہ اس کو اس سے پہلے اس کا کوئی تجربہ نہ تھا، اس کے باوجود اس کو ذرا ضرورت نہ پڑی کہ کسی دوسری قوم سے کوئی آدمی متعارفے یا کسی انتظام میں کسی حکومت کے مدد چاہے، ایسی حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا سکہ دو بڑے براعظموں کے وسیع رقبہ میں چلتا تھا، اس کے ہر شعبہ اور ہر ضرورت کے لئے متعدد آدمی ایسے تھے جو اپنی لیاقت، کارکردگی، امانت و دیانت، قوت اور احساس فرائض میں بے نظیر تھے، یہ عالمگیر سلطنت قائم ہوئی تو اس نوزائیدہ قوم نے جس پر تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا اس کو پورے آدمی فراہم کئے جن میں کوئی عادل حاکم تھا، کوئی امانت دار خازن کوئی منصف قاضی تھا اور کوئی عبادت گزار قائد کوئی پرہیزگار اور تقویٰ فوجی تھا، اس ذہنی تربیت کی برکت سے جس کا کام مسلسل جاری تھا، اور اس اسلامی دعوت کی مدد سے جو مستقل چل رہی تھی، اس اسلامی حکومت کو اہل ترین خداترس، فرض شناس و متعدد کارکن ملتے رہے، حکومت کی ذمہ داری

ان ہی اشخاص کے سپرد ہوتی جو ہدایت کو تحصیل و وصول کے جذبہ پر ترجیح دیتے، جو اپنے کو بڑے تحصیلدار کے مبلغ و ہادی سمجھتے جن کی شخصیت میں صلاحیت و صلاح اور دین و دنیا کا صحیح امتزاج ہوتا ان کے اثر سے اسلامی تہذیب اپنی پوری خصوصیتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی، اور دین کے برکات اس طرح وجود میں آئے کہ پھر کسی دور میں دیکھنے میں نہیں آئے۔

حقیقت میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کی کنجی انسانی فطرت کے قفل پر رکھ دی تھی بس وہ کھل گیا اور اس کے تمام خزانے عجائبات، طاقتیں اور کمالات دنیا کے سامنے آ گئے، آپ نے جاہلیت کی شہرہ رگ کاٹ دی اور اس کے طلسم کو پاش پاش کر دیا، آپ نے سرکش اور ضدی دنیا کو خدا کی طاقت سے مجبور کر دیا کہ زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر گامزن ہوا اور تاریخ میں انسانیت کے ایک بالکل نئے دور کا آغاز کرے یہ وہ اسلامی دور ہے جو تاریخ کی پیشانی پر ہمیشہ دکھائی دے گا۔

بنی صلیب

باب سوم

مسلمانوں کا دورِ قیادت

مسلمانوں کی قائدانہ خصوصیات

مسلمان میدان میں آئے دنیا کی رہنمائی کی باگ انھوں نے اپنے ہاتھ میں لی اور ان بیمار قوموں کو رہنمائی کے اس منصب سے معزول کیا جس پر وہ قابض ہو گئی تھیں اور جس کو انھوں نے کبھی صحیح طور پر استعمال نہیں کیا، مسلمانوں نے دنیا کے انسانوں کو اپنے ساتھ لے کر متوازن اور صحیح رفتار کے ساتھ صحیح منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا، ان میں وہ تمام صفات جمع تھیں جو ان کو قوموں کی رہنمائی کے منصب جلیل کا اہل ثابت کرتی تھیں اور ان کی نگرانی اور قیادت میں قوموں کی فلاح و سعادت کی ضمانت کرتی تھیں، یہ امتیازی صفات حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ان کے پاس آسمانی کتاب اور الہی شریعت تھی، اس لئے ان کو قیاس اور اپنی طرف سے قانون سازی کی ضرورت نہیں تھی، اور اس طرح وہ جہالت و ناواقفیت اور روز کے کے قانونی رد و بدل اور ترمیم ہونے کا غلطیوں اور مظالم سے محفوظ تھے، وہ اپنے سیاست و معاملات میں اتحاد و ہمدردی اور اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور نہ تھے، ان کے پاس وحی اور شریعت الہی کی روشنی تھی جس کے سہارے وہ چلتے تھے، اور جس سے زندگی کی تمام راہیں اور اس کے موڑ ان کے لئے روشن تھے، ان کا ہر قدم روشنی میں پڑتا تھا اور منزل مقصود ان کو صاف نظر آتی تھی:-

اَوْ مَن كَانَ مِيَنًا فَخَصِيْنُهُ وَجَعَلْنَا
لَهُ نُوْرًا يَمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ مَكَنْ
عَمَلُهُ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخٰرِجٍ
مِّنْهَا۔

کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس میں
جان ڈالی اور اس کو ایک روشنی عطا فرمائی
جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا
وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ

(سورۃ الانعام - ۱۲۳) اندھیروں میں گھراڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا۔

ان کے پاس الہی قانون تھا جس کے مطابق وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے،
وہ حق و انصاف کے علم بردار بنائے گئے تھے اور ان کو سخت سے سخت اشتعال و برہمی اور
عداوت و بیزاری کا عالم میں بھی انصاف اور صداقت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے اور نفس کا
انتقام لینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
بِاللهِ شُهَدَآءُ بِالْقِسْطِ وَاِلٰجِرِ مِّثْلُكُمْ
مِّنْ اَنْ تَقُوْمَ عَلٰى اَنْ لَا تَعْدِلُوْا
اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى
وَاتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ - ۸)

مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ
گو! یہی دینے کو! آمادہ رہو اور کسی قوم کی دشمنی
کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو!
عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے
تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے! اللہ
تعملوں ۵

۲۔ وہ حکومت اور قیادت کے منصب پر مستحکم اخلاقی تربیت اور مکمل تہذیب نفس کے بعد
فائز ہوئے تھے، انھوں نے دنیا کی عام حکمران قوموں اور اہل حکومت کی طرح اپنے تمام اخلاقی عیوب
و نقائص کے ساتھ پستی سے بلندی کی طرف جست نہیں لگائی تھی، بلکہ ایک طویل عرصہ تک وحی الہی
ان کی اصلاح اور تربیت کرتی رہی تھی اور سالہا سال وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

کامل نگرانی اور تعلیم میں رہے تھے آپ ان کا تزکیہ فرماتے رہے، ان کی مکمل تربیت فرمائی، زہد و ورع کی زندگی کا عادی بنایا، عفت و امانت، ایثار و قربانی، خوف خدا کا اُن کو جو کر کیا حکومت و مناصب کی حرص و طمع ان کے دل سے بالکل نکال دی، آپ کا ارشاد تھا کہ ”بخدا ہم کوئی عہد کسی ایسے شخص کے سپرد نہیں کریں گے جس نے اس کی فرمائش کی یا جس کو اس کی خواہش ہے،“ ترغیب ذاتی سر بلندی اور اعزاز کا شوق، اور فتنہ و فساد کی خواہش سے ان کے دل بالکل صاف ہو گئے تھے، اُن کے کانوں میں رات دن قرآن مجید کے یہ الفاظ پڑتے رہتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰخَرْتُمْ اَلْاٰخِرَةَ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ لَا يُمْنُوْنَ عَلٰۤى اَلْاَرْضِ وَلَا

فَسَادًا وَّالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝
جو دنیا میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور
فساد کے خواہاں نہیں اور انجام بخیر

(النقص - ۸۳) پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اس لئے وہ حکومت کے عہدوں اور منصبوں پر پروانہ دار نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اس قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، اور اُن کی ذمہ داریوں سے لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے، اُن میں سے ہر ایک سچھے بھٹتا تھا، اور اپنے کو اس بار کا سزاوار نہیں سمجھتا تھا چہ جائے کہ وہ اپنا نام حکومت کے لئے پیش کریں، اپنے منہ سے تعریف کریں اور اپنی ذات کے لئے پروگنڈا کریں، پھر جب وہ کسی ذمہ داری کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو اُس کو مال غنیمت یا نعمۃ ترنہ سمجھتے بلکہ اس کو اپنے ذمہ ایک امانت اور اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھتے اور یقین رکھتے کہ اللہ کے سامنے ان کو حاضر ہونا ہے، اور ہر چھوٹی بڑی چیز کا جواب دینا ہے، وہ یہ آیت ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔

لے روایت بخاری و سلم۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا
الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا خَلَقْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ
مسلماؤ! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت
والوں کی امانتیں ان کو پہنچا دو اور
جب فیصلہ کرنے لگو تو لوگوں میں تو فیصلہ
کرو انصاف سے۔ (النساء - ۵۸)

نیز یہ ارشاد:-

وَهُوَ الَّذِي بَعَثَكُمْ خُلَفَاءَ
الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ
رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ
لَخَفِيفٌ رَّحِيمٌ (الانعام - ۱۶۶)
اور اسی نے تم کو زمین میں نائب کیا ہے اور
تم میں ایک کے ایک پر درجے بلند کئے تاکہ جو
نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش
کے لئے جیک تمہارا پروردگار جلد سزا دینے والا
اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

۳۔ وہ کسی قوم کے خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کے نمائندے نہ تھے جن کے پیش نظر محض اس کی
خوشحالی اور ترقی ہو اور جو اس کی برتری اور تمام اقوام و اوطان پر اس کی سیادت کے قائل ہوں اور
یقیناً رکھتے ہوں کہ ان کی قوم تنہا حکومت کرنے کے لئے اور باقی تمام قومیں اس کی محکوم بننے کے لئے
پیدا کی گئی ہیں وہ عرب سے اس لئے نہیں نکلے تھے کہ دنیا میں عربی شہنشاہی کی بنیاد ڈالیں اور
اس کے زیر سایہ راحت و عشرت کی زندگی گزاریں اور اس کے زیر حمایت دوسروں پر فخر و تکبر کریں
نہ اس لئے کہ لوگوں کو رومیوں اور ایرانیوں کی غلامی سے نکال کر عربوں کی اور اپنی غلامی میں داخل
کر لیں وہ صرف اس لئے نکلے تھے کہ وہ بندگان خدا کو اپنے جیسے تمام بندوں کی بندگی سے نکال کر حق
اللہ وحدہ لا شریک لہ کی بندگی میں داخل کریں مسلمانوں کے سفیر ربیع بن عامر نے یزدگرد شاہ ایران کے
بھرے دربار میں ہی حقیقت کا اعلان کیا، انھوں نے کہا اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو

بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک لشر کی بندگی کی طرف دنیا کی تنگی سے رہائی دے کر اس کی وسعت کی طرف اور خدا ہی کے ظلم و ستم سے نجات دے کر اسلام کے عدل و انصاف میں لائیں، پس دنیا کی تمام قومیں اور تمام انسان اُن کی نگاہ میں ایک حیثیت رکھتے تھے اگر فرق تھا تو محض دین کا، رسول اللہ کے اس ارشاد پر اُن کا پورا عمل تھا۔

الناس كلهم من آدم و آدم من
نواب لا فضل لعربی علی حبشی
ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ
انسانوں کی ابتدا آدم سے ہے اور آدم کی
خلقت مٹی سے نہ کسی عرب کو کسی غیر عرب پر
فضیلت ہے نہ کسی غیر عرب کو عرب پر
سوائے تقویٰ کے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
أَتْقَىٰكُمْ
اے آدمیو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک
عورت سے بنایا اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے
رکھے تاکہ آپس کی پہچان ہو اللہ کے یہاں
اسی کی عزت زیادہ ہے جو خدا ترسی اور

(الحجرات - ۱۳) تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے۔

حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے نے ایک مصری کو ایک موقع پر کوڑا مارا اور اپنے باپ دادا پر فخر کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصری کو ان سے بدل لینے کا حکم دیا اور عمرو بن العاص سے کہا ”تم نے کسے لوگوں کو غلام بنایا، حالانکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں“ ان فاتحین اور حکمرانوں نے دین و علم و تہذیب کی بخشش میں کبھی بخل و تنگ دستی سے کام نہیں لیا اور حکومت و اعزاز کے بارے میں کبھی وطنیت اور رنگ و نسب کا لحاظ نہیں کیا، لہذا البزازیؒ نے ابن کثیرؒ سے خطبہ حجۃ الوداع میں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائی عربین ان خطاب ابن جریڑؒ

وہ ایک ابرکرم تھے جو تمام عالم پر محیط تھا اور اس کا فیض سب کے لئے عام تھا، جو سارے عالم کو سیراب کرتا گیا، اور زمین کے ہر حصہ نے اس کو دعائیں دیں اور مخلوقات نے اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق اس سے نفع اٹھایا۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خدا کی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

ان لوگوں کے زیر سایہ اور زیر حکومت دنیا کی تمام قوموں کو بلا اختلاف رنگ و وطن دین علم و تہذیب اور حکومت میں اپنا پورا پورا حصہ لینے اور عربوں کے ساتھ دنیا کی تعمیر نو میں شریک ہونے کا پورا موقع ملا، بلکہ ان کے بہت سے افراد بہت سی فضیلتوں میں عربوں سے سبقت لے گئے، اور ان میں ایسے ائمہ فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے جو خود عربوں کے سرکاماج اور علمانوں کا سرمایہ فخر ہیں ابن خلدون کے الفاظ ہیں یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ ملت اسلامیہ کے حاملین علم میں باستثناء چند اکثر غیر عرب ہیں، کیا علوم شرعیہ میں اور کیا علوم عقلیہ میں اور اگر ان میں سے کوئی عربی النسب ہے تو وہ اپنی زبان تربیت اور اساتذہ کے اعتبار سے بھی ہے، یا وجود اس کے کہ

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت و علم کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی زمین پر ایک بڑی بارش ہوئی، اس کا ایک ٹکڑا نرم اور صاف تھا اس نے پانی کو قبول کر لیا اور بڑا سبزہ اور ہری گھاس پیدا ہوئی کچھ حصے سنگلاخ اور بخر تھے، انھوں نے پانی کو روک لیا اور لوگوں نے اس سے نفع اٹھایا، پیا اور پلایا، اور ایک ٹکڑا ایسا تھا کہ بالکل چٹیل میدان نہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ اس میں سبزہ اگ سکتا ہے، یہ مثال ان کی ہے جنھوں نے دین کی سمجھ حاصل کی اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس سے ان کو نفع پہنچا، انھوں نے سیکھا اور سکھایا، اور آخری مثال اس کی ہے جس نے سر بھی اٹھا کر نہ دیکھا کہ میں کیا لایا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو مجھے دے کر اس نے بھیجا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

دین عربی ہے اور اس کی شریعت کے کرچہ پیڑ آئے وہ بھی عرب ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد کی صدیوں میں بھی ان غیر عرب مسلمانوں میں ایسے قائد حکمران وزراء، فضلا، علماء اور شاخ پیدا ہوئے جو زمین کی زینت اور انسانیت کا گل سرسبز اور اپنی فضیلت، شرافت، نفس، جوہر و قابلیت اور دینداری اور علم میں نوادر و زکات تھے اور ان کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ خدا کے سوا ان کا کوئی صحیح شمار نہیں کر سکتا۔

۴۔ انسان مجموعہ ہے جسم و روح، قلب و عقل و جوارح کا، انسان حقیقی سعادت اور فلاح اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا اور انسانیت کو متوازن ترقی نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان کی یہ تمام قوتیں متناسب طور پر اس کے مرتبہ کے نمایان شان نشو و نما اور پرورش نہ پائیں، دنیا میں صالح تمدن کا اس وقت تک وجود نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ایسا دینی، اخلاقی، عقلی، مادی ماحول نہ قائم ہو جائے جس میں انسان کے لئے بہولت تمام اپنے کمال انسانی کو پہنچنا ممکن ہو اور تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ زندگی کی رہنمائی اور تمدن کی جہاز رانی ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو روحانیت و مادیت دونوں کے قائل دینی و اخلاقی زندگی کا نمونہ، کامل عقل سلیم اور علم صحیح سے متصف ہوں، اگر ان کے عقیدہ یا تربیت میں ذرا سا بھی رخسہ یا دھبہ ہوگا تو وہ ان کے قائم کردہ تمدن میں بہت پھیل جائے گا، اور مختلف مظاہر اور صورتوں میں ظاہر ہوگا اگر کوئی ایسی جماعت غالب آگئی جو صرف مادیت کی پرستار مادی لذتوں اور محسوس منفعتوں کی قائل اور معتقد ہے وہ اس زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی پر اعتقاد نہیں رکھتی اور جو اس کے ماوراء کسی اور حقیقت پر اس کا یقین نہیں تو اس کے مزاج اس کے اصول اور میلانات کا اثر تمدن کی شکل و ساخت پر پڑنا ناگزیر ہے وہ تمدن اُس کے مخصوص سانچے میں ڈھل کر رہے گا اور اس پر اس کی چھاپ ہمیشہ باقی رہے گی، اس کا نتیجہ ہوگا کہ انسانیت کے

لے مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر ۱۹۹۹ء

بہت خانے بھر جائیں گے اور بہت سے خانے خالی رہ جائیں گے، اس تمدن کی نمود صرف اینٹا پتھروں کا غذا کپڑے اور لوہے اور سیسے میں ہوگی، جنگ کے میدان، عدالتیں، اہو و لک کے مرکز اور عیش و عشرت کے حلقے اس کے مرکز ہوں گے اور وہاں وہ اپنی پوری بہار اور شباب پر ہوگا، باقی دل اور روح، لوگوں کے اخلاق، خانگی زندگی اور معاشرت تعلقات باہمی اور معاملات اس کے حلقہ اثر سے خارج ہوں گے اور وہاں انسان حیوانات سے ممتاز نہ ہوگا، تمدن کی کیفیت اس حجم کی سی ہوگی جس میں غیر طبعی فزہری طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ظاہری نگاہ میں بڑا شاندار اور پُر شکوہ معلوم ہوتا ہے لیکن اندرونی طور پر وہ بیسوں امراض اور تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے اس کا قلب ضعیف اور ماؤف ہوتا ہے اور اس کی صحت نقطہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر اسی جماعت غالب آجائے جو سرے سے مادیت کی انکریا اس کی طرف سے بے پرواہ اور صرف روحانیت اور مابعد الطبیعیات حقائق کی قائل ہو اور اس کا رویہ زندگی کے بارے میں خیال فائدہ اور معاندانہ ہو تو تمدن کا شاداب پھول کھلا جائے گا، انسانی قوتیں اور فطری صلاحیتیں ٹھٹھ جائیں گی، اس قیادت کے اثر سے لوگ صحراؤں اور غاروں کی زندگی کو شہری زندگی اور تہذیب کو اندوہی زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں، خود آزادی اور جسمانی تخریب محسوس ہوجاتی ہے تاکہ حجم کا تسلط کمزور پڑ جائے اور روح پاک بے آمیز ہو جائے لوگ موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں تاکہ مادیت کے پُر شور اور پُر تلاطم اقلیم سے نکل کر روحانیت کی پرسکون اور پُر امن اقلیم میں پہنچ جائیں اور وہاں اپنی تکمیل کے مدارج حاصل کریں اس لئے کہ ان کے عقیدہ میں اس عالم ادوی میں انسان کی تکمیل ممکن نہیں اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمدن پر عالم نزع طاری ہو جاتا ہے شہر ویرانے بننے لگتے ہیں اور زندگی کا شیرازہ کبھرنے لگتا ہے، چونکہ یہ اصول و عقائد فطرت انسانی سے برسرِ جنگ ہیں اس لئے فطرت ان کے خلاف رہ رہ کر بغاوت کرتی ہے اور اس کا انتقام

ایسی حیوانی مادیت سے ملتی ہے جس میں روحانیت و اخلاق کے ساتھ کوئی رواداری نہیں برتی جاتی، اس انقلاب میں انسانیت کی جگہ ایک چوپایانہ زندگی یا درندگی یا مسخ شدہ انسانیت برسرِ ظہور ہو جاتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس رہبانی جماعت پر کوئی طاقت و رادائی جماعت حملہ آور ہوتی ہے، اور پہلی جماعت اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو کر حملہ آور جماعت کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے، یا رہبانی جماعت خود امور دنیاوی کے انصراف میں مشکلات محسوس کر کے اذیت اور اہل مادیت کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتی ہے، اور تمام سیاسی امور ان کو سپرد کر کے خود عبادات اور مذہبی رسوم پر قانع ہو جاتی ہے اور دین و سیاست کی تفریق وجود میں آتی ہے، روحانیت و اخلاق روز بروز بے اثر اور عملی زندگی سے بے دخل ہوتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ انسانی سوسائٹی ان کی گرفت سے بالکل آزاد ہو جاتی ہے، زندگی خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ جاتی ہے، اور دین و اخلاق صرف ایک سایہ ہی سایہ بن کر یا ایک علمی نظریہ کے طور پر باقی وہ جاتے ہیں، دنیا کی کثیر جماعتیں (جنہوں نے بنی نوع انسان کی قیادت و رہنمائی کی ہے) اس عیسے خالی تھیں یا مادہ پرست تھیں یا رہبانی اس لئے انسانی تمدن اپنے اکثر عہد میں حیوانی مادیت اور رہبانی روحانیت کے درمیان جھولا جھوٹا رہا، اور انسانوں کی کشتی حیات ڈواں تہائی سروا کے درمیان ہچکولے کھاتی رہی، کبھی مادیت کا غلبہ ہو گیا اور کبھی روحانیت کا اعتدال و جامعیت بہت کم اس کو نصیب ہوئی۔

صحابہ کرامؓ کا امتیاز

صحابہ کرامؓ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ دین و اخلاق اور قوت و سیاست کے مکمل بیکر تھے، اور ان کی منتشر صفات ان میں بیکے قوت جمع تھیں، ان میں انسانیت کی اپنے تمام گوشوں بشمول

اور محاسن کے ساتھ نمود بھی اس اخلاقی اور اعلیٰ روحانی تربیت اس عجیب و غریب اعتدال (جو انسانوں میں کسزدیکھنے میں آتا ہے) اس غیر معمولی جامعیت جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، اور پھر مکمل مادی تیاری اور وسیع عقل کی بنا پر ان کے لئے ممکن تھا کہ وہ انسانی گروہوں کو ان کے اعلیٰ روحانی و اخلاقی و مادی مقصد و کمال تک پہنچا سکیں، چنانچہ ہم کو تاریخ میں خلافت راشدہ کے دور سے زیادہ ان تمام حیثیتوں سے مکمل اور کامیاب دور کا علم نہیں، اس دور میں روحانی و اخلاقی، دینی و علمی و روحانی وسائل و سامان انسانِ کامل اور صالح تمدن کے وجود میں لانے میں ایک دوسرے کے مددگار تھے اس حکومت میں جس کا شمار دنیا کی عظیم ترین حکومتوں میں تھا، اور ایسی سیاسی و مادی قوت کے ساتھ جو تمام معاصر قوتوں سے فائق و برتر تھی، اعلیٰ اخلاقی نمونے میاں کا کام دیتے تھے، اور اخلاقی تعلیمات زندگی اور نظام حکومت کے لئے میزان کا درجہ رکھتی تھیں تجارت و صنعت کے ساتھ اخلاق و فضیلت بھی اپنے پورے عروج پر تھی فتوحات کی وسعت اور تمدن کی ترقی کے ساتھ اخلاق و روحانیت کی ترقی بھی جاری تھی، چنانچہ اسلامی حکومت کی غیر معمولی وسعت آبادی کی انتہائی افز و فیض و عشرت کے وسائل، اسباب اور ضروریات کے باوجود جرائم و بد اخلاقیوں کے واقعات بہت کم پیش آتے تھے، فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ اور فرد و جماعت کا باہمی تعلق حیرت انگیز طریقہ پر بہتر تھا، یہ ایک معیاری دور تھا جس سے زیادہ ترقی یافتہ دور کا انسان خواب نہیں دیکھ سکا اور اس سے زیادہ مبارک و پُر بہار زمانہ فرض نہیں کیا جاسکا۔

یہی تھا محض ان لوگوں کی سیرت کا جو حکومت کا کاروبار چلا رہے تھے، اور تمدن کے گرائنگ تھے، اور ان کے عقیدہ، تربیت، طرز حکومت، اور اصول سیاست کا، اس لئے کہ وہ جہاں اور جس حال میں ہوتے، دینِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے، وہ حکام کی حیثیت میں ہوتے یا معمولی کارکنوں کی، پولیس کی حیثیت میں ہوتے یا فوج کی، ہمیشہ محتاط و پاک دامن، دیانت دار، امانت شعار، خدا ترس اور کس مرزا پر پائے جاتے۔

ایک رومی سردار مسلمان فوجوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے "رات کو تم ان کو عبادت گزار پاؤ گے اور دن کو روزہ دار، عہد وفا کرتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، بُرائی سے روکتے ہیں اور آپس میں پورا انصاف اور مسافرت برتتے ہیں"۔

دوسرے کے الفاظ ہیں "وہ دن کو شہسوار ہوتے ہیں اور رات کو عبادت گزار اپنے مفتوحہ علاقہ میں بھی وہ قیمت دے کر کھاتے ہیں، سلام کر کے داخل ہوتے ہیں اور ایسا حکم کر دیتے ہیں کہ دشمن کا خاتمہ ہی کر دیتے ہیں"۔

ایک تیسرے شخص نے ان الفاظ میں تعریف کی "رات کو دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ ان کو دنیا سے کچھ تعلق نہیں اور عبادت کے سوا کوئی کام نہیں، اور دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اس طرح نظر آئیں گے کہ گویا یہی کام ہے، بڑے تیر انداز اور بڑے نیزہ باز خدا کی یاد میں اس طرح مشغول و ترزاں کہ ان کی مجلس میں کسی بات کا سننا مشکل ہوتا ہے"۔

اسی اخلاقی تربیت کا نتیجہ تھا کہ ملائین کی فتح میں کسریٰ کا مرتع تلج اور اس کا فرش بہار جولا کھول، شرفیوں کی مالیت کا تھا، فوج کے ہاتھ لگتا ہے لیکن کیا مجال کہ اس میں ذرا بھی تصرف کیا جاتا وہ قائد کے حوالہ کر دیتے ہیں اور قائد حضرت عمرؓ کو بھیج دیتے ہیں، وہ تعجب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو حوالہ کر دیا اور حفاظت کے ساتھ پہنچایا ان کی امانت اقصیٰ قابلِ تعریف ہے۔

دنیا اور دنیا کی زندگی کے بارے میں سلامی نقطہ نظر و طرز عمل

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروں کی یہ پہلی جماعت ایسی ہی تھی کہ اس کے سارے

۱۔ روایت احمد بن مردان مالکی کتاب المجالس۔ ۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) جلد ۷ ص ۳۵

۳۔ ایضاً ص ۱۱۰ ۴۔ سیرۃ عمر بن الخطاب ابن جوزی۔

اس کی حکومت میں نوع انسانی کو پوری کامیابی و سعادت حاصل ہوا اور اس کی قیادت میں اس کا جو قدم پڑے وہ صحیح پڑے اور صحیح منزل کی طرف اٹھے، دنیا کو ہر قسم کا اطمینان اور فانی البانی ہر طرح کی سرسبزی و شادابی اور خیر و برکت حاصل ہوا انسانوں کی مصلحتوں کا ان سے زیادہ جاننے والا اور ان سے زیادہ ان کا خیال رکھنے والا، دنیا کے لئے ان سے بہتر نگراں و محافظ اور انسانوں کا ان سے بڑھ کر خیر خواہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا، وہ بعض اہل مذاہب کی طرح دنیا کی زندگی کو لعنت کا طوق نہیں سمجھتے تھے، اسی کے ساتھ وہ اس کو عیش و عشرت کی آخری فرصت و مہلت بھی نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا ایک ایک منٹ قیمتی سمجھتے اور اس کے لذا مزاؤں کو کسی دوسرے دن کے لئے نہ اٹھا رکھتے، اسی طرح سے وہ اس زندگی کو کسی سابق قدیم گناہ کی سزا بھی نہیں سمجھتے تھے، جو ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے، نیز مادہ پرست اقوام کی طرح وہ دنیا کو خوانِ لینا بھی نہیں سمجھتے تھے، جس پر وہ بھوکوں کی طرح گریں اور زمین کی دولتوں اور خزانوں کو چڑا ہوا لادائی مال نہیں سمجھتے تھے، جس کے لوٹنے کے لئے وہ ٹوٹ پڑیں، وہ مرکز و قوموں کو شکار نہیں سمجھتے تھے جس کے شکار کرنے کے لئے وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کریں ان کا اعتقاد تھا کہ یہ زندگی اللہ کی ایک نعمت ہے جس میں اللہ سے قرب حاصل کرنے اور اپنے کمال انسانی تک پہنچنے کا ان کو موقع دیا گیا ہے اور عمل اور جدوجہد کی ایک مہلت ہے جس کے بعد اس کے لئے کوئی مہلت نہیں۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ
جس نے مرنا اور جینا بنایا تاکہ تم کو جانچے

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک - ۲)
کون تم میں عمل میں بہتر ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً
ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی زینت

لَهَا لِيَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا
بنایا ہے تاکہ لوگوں کو جانچیں کہ کون ان میں

(الکہف - ۷) زیادہ اچھا کام کرتا ہے۔

وہ اس عالم کو اللہ کی مملکت سمجھتے تھے جس میں اللہ نے ان کو اول بحیثیت انسان کے اور پھر بحیثیت مسلمان کے اپنا نائب اور اہل زمین کا نگراں بنایا۔

إِلَىٰ جَاعِلٍ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً
میں زمین میں ایک نائب بنانے والا
(البقرہ - ۲۰) اوں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا (البقرہ - ۲۹)
وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے
سب تمہارے واسطے پیدا کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَخَلَقْنَاهُمْ
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ
السَّيِّئَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ
خَلَقْنَا تَفْضِيلًا

اُن میں سے اکثر پر اُسے پوری پوری برتری
دے دی۔

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفْنَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ
أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ
بِي شَيْئًا (النور - ۵۵)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں
ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت
مقرر و عطا کرے گا جیسے ان لوگوں کو عنایت
کی تھی جو ان سے پہلے تھے اور جو دین کو ان کے
لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے جا کر پسند کا اور
خون جو ان کو لاحق ہے اس کے بدلہ میں
دے گا میری بندگی کریں گے میرا کسی کو شریک
نہ کریں گے۔

اُن کو اللہ نے زمین کی دولتوں سے بغیر اسراف و فضول خرچی کے فائدہ اٹھانے کا حق بخشا۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِينَ ۵ (اعراف-۳۱)

کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گز جاؤ خدا انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گز جانے والے ہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي
آخَرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو خدا کی زینتیں جو اُس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لئے

الزَّيْنِ ۶ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمَ

پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کرنے حرام کی ہیں؟ تم کہہ دیتے ہو تو اس لئے ہیں کہ

الْيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔

ایمان والوں کے کام آئیں دنیا کی زندگی

میں قیامت میں خالص ہو کر۔

(اعراف-۳۲)

ان کو دنیا کی قوموں اور انسانی گروہوں پر نگراں اور تالیق مقرر کیا ہے اور وہ ان پر مامور ہیں کہ وہ اُن کی رفتار سیرت و اخلاق اور حجانات کا جائزہ لیتے رہیں جو راہِ راست سے منحرف ہو جائے اُس کو صراطِ مستقیم پر لائیں جو اعتدال سے بڑھ جائے اس میں اعتدال پیدا کریں کجی کو دور کرتے رہیں رخنوں کو بھرتے رہیں کمزور کو طاقتور سے اس کا حق دلائیں مظلوم کا ظالم سے انصاف کرائیں اور خدا کی زمین میں انصاف و امن قائم رکھیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ

تم سب امتوں سے بہتر ہو جو بھی گئی عالم میں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے

عَنِ الْمُنكَرِ وَأَنتُمْ بِلِلَّهِ ۶

کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

(آل عمران-۱۱۰)

ایمان والو! انصاف پر قائم رہو،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَقْوَامًا

ایمان والو! انصاف پر قائم رہو،

بِالْقِسْطِ شَهِدَ آءِ قَوْلِهِ (النساء: ۱۳۵) الشّر کی طرف سے گواہ بنو۔

ایک یورپین نو مسلم عالم نے مسلمانوں کے اس اقیما ز کو اور دنیا کی زندگی کے بارہ میں اس مختل نقطہ نظر اور طرز عمل کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے اس کا اقتباس نامناسب نہ ہوگا:

”اسلام عیسائیت کی طرح دنیا کے متعلق بُری رائے نہیں رکھتا، اس کی تعلیم ہے کہ ہم دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت میں موجودہ مغربی تہذیب کی طرح مبالغہ نہ کریں، عیسائیت دنیاوی زندگی کی ذمّت کرتی ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے، موجودہ یورپ روح عیسویت کے خلاف زندگی پر ایسا گڑا ہے جیسے بواہوس کھلنے پر زدہ اس کو نکلتا تو ہے لیکن اس کی عزت کرنا نہیں جانتا، اسلام ان دونوں کے برعکس زندگی کو سکون و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ زندگی کی پریشانی نہیں کرتا بلکہ ایک بلند تر زندگی کے سفر کی ایک ضروری منزل سمجھتا ہے جس سے گزر جانا ہے اس بنا پر انسان کو اس کی تحقیر اور اپنی اس دنیاوی زندگی کی بے وقعتی نہیں کرنی چاہئے، زندگی کے سفر میں ہمارا اس دنیا سے گزرنا ضروری اور الشّر کے یہاں مقدر ہو چکا ہے، پس انسان کی زندگی اپنی پوری قیمت رکھتی ہے لیکن ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ محض ایک واسطہ اور آ رہ ہے اور اس کی قیمت اس سے زائد نہیں جو واسطوں اور آلات کی ہوتی ہے اسلام اس مادہ پرستانہ نظریہ کا روادار نہیں جس کا قول ہے کہ میری سلطنت یہی دنیا ہے اور نہ وہ عیسائیت سے متفق ہے جو زندگی کی تحقیر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ دنیا میری سلطنت نہیں اسلام کی راہ ان دونوں کے درمیان ہے قرآن ہم کو اس جامع دعا کی تعلیم دیتا ہے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (اے الشّر ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی) اس دنیا اور اس کی چیزوں کی قدر شناسی ہماری روحانی جدوجہد کے راستہ میں ننگ گرانی ہے

مادی ترقی اور خوش حالی نہ مقصود بالذات ہے اور نہ ناپسندیدہ شئی، ہماری ساری
 کوششوں اور جدوجہد کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایسے انفرادی و اجتماعی حالات
 و اسباب پیدا ہو جائیں اور ایسا ماحول قائم ہو جائے اور اگر موجود ہے تو ہم اس کو
 باقی رکھیں جو انسان کی اخلاقی طاقت کی ترقی میں مددگار ہو، اس اصول کے مطابق
 اسلام مسلمان میں ہر چھوٹے بڑے کام کے موقع پر اخلاقی ذمہ داری کا احساس پیدا
 کرنا چاہتا ہے، اسلام کا مذہبی نظام انجیل کی اس تقسیم کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ قیصر
 کا حق قیصر کو دے دو اور اللہ کا حق اللہ کو دو، اس لئے کہ اسلام ہماری زندگی کی
 ضرورت یا کو اخلاقی اور عملی قسموں میں تقسیم کرنے کا روادار نہیں، اس کے نزدیک انتخاب کا
 ایک ہی حق ہے اور وہ یہ کہ انسان یا تو حق کو اختیار کر لے یا باطل کو، اس کے نزدیک
 کوئی درمیانی چیز نہیں، اس لئے وہ عمل پر زور دیتا ہے کہ وہ اخلاق کا ایک لازمی
 جزو ہے، اسلامی تعلیمات کی رو سے ہر فرد مسلم کو اپنے آپ کو ماحول اور اس کے گرد و پیش
 کے واقعات کا شخصی طور پر جواب دہ سمجھنا چاہئے، اور اپنے تئیں دینی جہد و جد کے لئے
 مامور اور ہر وقت اور ہر سمت میں حق کے قیام اور باطل کے زوال کا ذمہ دار تصور
 کرنا چاہئے، قرآن کریم ارشاد ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
 تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
 عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْتُونَ مَخْرَجًا
 تَمَّ بَهِتَرِ اَمْتِ هُوَ جَوَ لَو كُوں كَ لَئِى پَیْدا
 كِى گِئِى نِكِلِى كَا حَكَم دِئِى ہُو اور بَرائِى سَے
 رَو كَتِى ہُو اور اَللّٰہ پَر اِیْمَان
 لَاتِى ہُو۔ (آل عمران ۱۱۰)

یہی بات اسلام کی جارحانہ کارروائی، ابتدائی اسلامی فتوحات اور اسلامی لوگوں کی

اخلاقی طور پر حق بجانب ثابت کرتی ہے، پس اسلام استعماری (IMPERIALIST) ہے اگر یہ فہم انھیں الفاظ سے ادا ہو سکتا ہے لیکن استعمار IMPERIALISM کی اس قسم کی محرک حکومت اور غلبہ کی محبت بالکل نہیں اور نہ اقتصادی اور خود غرضی کو اس میں کچھ دخل ہے، مجاہدینِ اولین کو جو چیز میدانِ جنگ میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ لے جاتی تھی وہ دوسروں کی دولت و محنت کے ذریعہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی لالچ نہ تھی اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک ایسا دنیاوی ڈھانچہ بنا دیا جائے جس میں انسان کے لئے بہتر سے بہتر روحانی ترقی ممکن ہو، اسلامی تعلیمات کی رو سے اخلاق و فضیلت کا علم انسان سے اخلاقی ذمہ داری کا مطالبہ کرتا ہے، یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ انسان نظری طور پر حق و باطل میں امتیاز کرے، پھر حق کی ترقی اور باطل کے زوال کے لئے جدوجہد نہ کرے، اسلام کی رو سے اگر انسان حق اور نیکی کے غلبہ اور حکومت کے لئے سعی و جانفشانی کرتا ہے تو وہ زندہ رہتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے اور اگر اس کی مڑاؤ و تقویت میں دریغ کرتا ہے اور اس کی حمایت و نصرت سے دست کشی کرتا ہے تو اس کو زوال ہو جائے گا اور وہ بالکل مغلوب ہو جائے گی۔

اسلامی اقتدار اور اسلامی تمدن کے اثرات و نتائج

پہلی صدی ہجری میں اسلامی تمدن کا اپنی پوری روح اور مظاہر کے ساتھ ظہور اور اسلامی حکومت کا اپنی صحیح شکل و نظام کے ساتھ قیام مذاہبِ اخلاق کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز اور سیاست و اجتماع کی دنیا میں ایک بالکل نیا واقعہ تھا، اس انقلاب سے تمدن کے دھائے کا رخ

ISLAM AT THE CROSS ROADS BY MOHAMMAD ASAD FORMERLY
LEOPOLD WEISS PP. 26 - 29

اور دنیا کے سفر کی سمت بدل گئی، اسلام کی عظیم شان فتح جاہلیت کے لئے ایک ایسی آزمائش اور خطرہ تھا، جس سے اس کو اس سے پہلے کبھی سابقہ نہیں بڑا تھا، ابھی تک اس کے حریف (اسلام) کی حیثیت ایک دینی اور روحانی دعوت سے زیادہ نہ تھی، اب دفعۃً وہ سب کچھ ہو جاتا ہے، سعادت و نجات کا پورا نظام، روحانیت و مادیت کا مکمل مجموعہ، زندگی اور موت کا پورا منظر، ایک مکمل تمدن اور اجتماع، ایک طاقتور حکومت، ایک کامل نظام سیاسی۔

اب ایک طرف ایک ایسا معقول سہل الفہم اور ممکن العمل دین تھا، جو سراسر حکمت و معقولیت تھا، دوسری طرف محض اوہام و خرافات اور قصہ کہانیاں، ایک طرف الہی شریعت اور آسمانی وحی تھی اس کے مقابلہ میں محض قیاس اور انسانی تجربہ اور انسانوں کا بنایا ہوا قانون۔

ایک طرف ایسا بلند و بزر تمدن تھا، جس کی بنیاد غیر متزلزل اور جس کے اصول غیر متبدل خوف خدا احتیاط و امانت کی روح اس کے پورے نظام میں جاری و ساری تھی، اس کے حلقہ میں دولت و عزت کے مقابلہ میں اخلاق و پارسائی اور کھوکھلے مظاہر کے مقابلہ میں روح اور اصلیت کی عزت و قیمت زیادہ تھی، لوگوں میں مساوات تھی اور اگر کسی کو کسی پر ترجیح حاصل تھی تو محض تقویٰ کی بنا پر، لوگوں کی بڑی توجہ اور اصل کوشش اخوت کے لئے تھی، اس لئے طبیعتوں میں اطمینان اور دلوں میں قناعت تھی، زندگی کے سامان و اسباب میں کوئی حرص و مبالغت اور دنیا کی دولت پر پروانہ و وار و افنگی نہیں تھی، اس کے مقابلہ میں جاہلی تمدن تھا، پر شہوا و پر تلاطم، متزلزل اور مضطرب، بڑا چھوٹے مظالم کرتا تھا، اور طاقتور کمزور کو کھائے ڈالتا تھا، اہو و لعب اور براخلاقی میں مبالغت اور جہاد و دولت اور سامان عیش و راحت کے حصول میں سخت مقابلہ تھا، یہاں تک کہ دنیا ایک میدان جنگ اور زندگی عذاب جان بن کر رہ گئی تھی۔

ایک طرف عادل اسلامی حکومت تھی جو اپنی رعیت کو ایک نظر سے دیکھتی تھی کمزور کو طاقتور

اُس کا حق دلاتی تھی، لوگوں کے گھروں اور جان و مال کی طرح ان کے اخلاق کی نگرانی و نظارت بھی اپنا فرض سمجھتی تھی، ان میں سب سے بہتر ان کے حکام تھے اور سب سے زاہد ان زندگی ان لوگوں کی تھی جن کو سب سے زیادہ عیش و راحت کا سامان اور اس کے مواقع حاصل تھے اس کے مقابلہ میں جاہلی حکومتیں جہاں ظلم و ستم رانی کا بازار گرم تھا، جس کے کارکنان حکومت نے خیانت و ظلم پر گویا کمر باندھ رکھی تھی جس کے افراد لوگوں کا مال ناحق کھانے اور ان کی بے آبروئی و خوہنریزی میں لیک و سر سے بڑھ جانا چاہتے تھے اور اپنے عمل کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے اخلاق خراب کرتے تھے، ان میں سب سے بدتر حکام اور بادشاہ تھے، ان کی حکومت میں انسان بھوکوں مرتے اور ان کے جانور اور کتے شکم سیر ہوتے، ان کے محل زرنگار پردوں میں لباس ہوتے اور لوگوں کو تن ڈھکنے کے لئے کپڑا نصیب نہ ہوتا۔ اب لوگوں کو اسلام میں کوئی رکاوٹ اور اس کے قبول کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی اور جاہلیت میں کوئی وجہ ترجیح نظر نہیں آتی تھی آدمی کو اسلام قبول کرنے پر کچھ کھونا نہیں پڑتا تھا اور سب کچھ حاصل ہو جاتا تھا، اس کو یقین کی ٹھنڈک، ایمان کی شیرینی، اسلام کی قوت ایک طاقتور حکومت کی سرپرستی اور ایسے دوستوں اور مددگاروں کی حمایت حاصل ہو جاتی تھی، جو اس پر اپنی جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اطمینانِ قلب اور موت کے بعد کی زندگی کے بارہ میں اعتماد و سکون حاصل ہوتا تھا، لوگ آسانی کے ساتھ جاہلیت کے محاذ سے اسلام کے محاذ کی طرف منتقل ہونے لگے جاہلیت کے علاقہ میں اسلام پھیلنے لگا اور اسلام کو طاقت اور اقتدار حاصل ہوتا گیا، یہاں تک کہ کمزور طبیعتوں کے لئے بھی کفر و اسلام کے بارہ میں کوئی کشمکش باقی نہیں رہی اور خالص الشریعہ کی فرماں برداری آسان ہو گئی۔

اس انقلاب کا اثر بہت وسیع اور گہرا تھا، خدا پرستی کی راہ جاہلیت کی حکومت و اقتدار میں دشواری و خطرات سے بھری ہوئی تھی اب بہت سہل اور محفوظ ہو گئی، جاہلیت کے حلقہ اور

ماحول میں خدا کی اطاعت پیشکش تھی اب اسلامی ماحول میں خدا کی نافرمانی شکل ہو گئی، کل تک برسرِ بازار اور ڈکنے کی چوٹ پر فست و فخور اور جہنم کی طرف دعوت دی جاتی تھی، اب ایسا کرنا بہت مشکل تھا، کل تک خدا کی ناراضگی اور اس کی نافرمانی کے اسباب مواقع بکثرت اور بالا اعلان تھے، اب ان پر بڑی پابندیاں اور ان کے لئے بڑی رکاوٹیں تھیں، کل تک اللہ ہی کی زمین میں اللہ کی طرف دعوت دینا ایک جرم تھا، جس کے لئے بڑی احتیاط اور رازداری کی ضرورت تھی، اب وہ ایک ایسا کارِ خیر تھا جس کے لئے کسی رازداری اور پردہ کی ضرورت نہ تھی، نہ دعوت دینے والوں کو کوئی خطرہ تھا، اور نہ قبول کرنے والوں کو، قرآن مجید نے اس فرق کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے :-

وَإِذْ كُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثًا ۚ لَمَّا أَنْتُمْ قُلُوبٌ مُّتَضَعَةٌ
فِي الْأَرْضِ صَخَاوُونَ أَنْ يَنْخَطِقَكُمْ
النَّاسُ فَأَوْكُمْ وَأَيَّدَ لَكُمْ مَضْرُوبَ
دَعْوَتِكُمْ مِنَ الطَّبِيبَةِ لَمَّا كُنْتُمْ
تَشْكُرُونَ ۚ

(الانفال - ۲۶) اور اچھی چیز میں دے کر رزق کا سامان ہیا
کر دیا تاکہ تم شکر گراہو۔

اس اقتدار و طاقت کی وجہ سے سلمان نفظمی و لغوی حتیٰ میں مرابِ معروف و نہی عن المنکر کرنے لگے، اور حکم و ممانعت کی قوت ان کو حاصل ہو گئی۔

جس طرح موسم بہار میں نباتات اور انسانوں کے مزاج موسم سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح محسوس اور غیر محسوس طریقہ پر اسلامی اقتدار و تمدن کے زمانہ میں لوگوں کی طبیعتیں اور ذہنیتیں تغیر

اور اسلام سے متاثر ہونے لگیں، دلوں میں گداز و نرمی پیدا ہونے لگی اسلام کے اصول و خلائق
 دل و دماغ میں پیوست ہونے لگے، اشیاء کی قدر و قیمت کے بارے میں لوگوں کا نقطہ نظر بدلنے
 لگا، کل تک جن چیزوں اور جن صفات کی لوگوں کی نگاہ میں بڑی وقعت و اہمیت تھی اب وہ
 جاتی رہی اور جو چیزیں بے وقعت تھیں اب وہ وقیع بن گئیں پُرانے معیاروں کی جگہ نئے معیاروں
 نے لی، جاہلیت، رجت پسندی اور مجہود کی علامت بن گئی اور اس کے متبعین پر احساس کتری
 پیدا ہو گیا، اسلام کی طرف اتنا لباس کے شعائر اور خصوصیات کو اختیار کرنا ایک فخر اور تعریف
 کی چیز بن گئی دنیا اسلام سے آہستہ آہستہ قریب ہو رہی تھی جس طرح اس کرۂ ارضی کے رہنے
 والوں کو آفتاب کے گرد گردش کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح ان قوموں کو اور ان کے افراد کو
 اپنے اسلامی رجحانات اور اسلام کے اندرونی اثرات کا احساس نہیں ہوتا تھا، ان اثرات سے علم
 و فلسفہ خالی تھا، مذہب تمدن، لوگوں کے ضمیر اور ان کے باطن ان اثرات کی شہادت دیتے تھے،
 اور ان کے اصلاحی میلانات اس کی غمازی کرتے تھے، مسلمانوں کے تنزل کے بعد بھی جو اصلاحی
 تحریکات ان قوموں میں پیدا ہوئیں وہ اسلامی اثرات اور اسلامی خیالات کا نتیجہ ہیں۔
 اسلام نے توحید کی دعوت پیش کی اور بت پرستی اور شرک کی ایسی مذمت اور بھج کی کہ
 بت پرستی اور شرک ہمیشہ کے لئے بے وقعت اور ذلیل ہو گیا، لوگوں کو اس سے شرم آنے لگی، اور
 اس سے وہ اپنے کو بری ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے، یا تو وہ بڑی جرأت اور صفائی کے ساتھ
 اس کا اقرار کرتے تھے اور تعجب سے کہتے تھے:-

أَجْعَلُ الْأَلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ كَيْسَ مَجُودٍ كَو (بطرف کر کے) ایک ہی

هَذَا الشَّيْءُ مُحْتَابٌ (ص-۵) مجبور قرار دیا یہ تو بڑے اچھے کی بات ہے

یاب اپنے مذہب کے مشرکانہ اجزاء و اعمال کی تاویل و توجیہ اور اس کی تشریح کی ایسی کوشش کرنے لگے کہ

وہ توحید سے ملتی جلتی چیز نظر آئے، عیسائیوں میں ایسے گروہ پیدا ہوئے جو حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا انکار اور عقیدہ تثلیث کی توحیدناشریح کرتے تھے، ان میں ایسے مصلح بھی پیدا ہوئے جو عیسائیوں کے مذہبی گروہ اور اہل کلیسا کے شر اور بندہ کے درمیان وساطت کے منکر تھے، ان پر سخت تنقیدیں کرتے تھے اور ان کے مخصوص حقوق کو نہیں مانتے تھے، آٹھویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک ایسا گروہ ظاہر ہوا جو پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کے اقرار کرنے کی مخالفت کرتا تھا اور جس کی دعوت تھی کہ صرف اللہ کے سامنے دعا و استغفار اور اپنے سابقہ گناہوں کا اعتراف و اقرار کرنا چاہیے اور اس میں کسی انسانی وساطت کی ضرورت نہیں!

اسی طرح آٹھویں صدی عیسوی سے نویں صدی تک یورپ میں اس تحریک کا بڑا زور رہا ہے کہ نصاریٰ اور بُت ایک خلاف مذہب فعل ہے، اور ان میں کوئی تقدیس نہیں، اس تحریک نے اتنا زور پکڑا اور اتنا اثر و اقتدار حاصل کر لیا کہ یوسوم، قسطنطین پنجم اور یوہان چہارم جیسے عظیم الشان شاہانِ روم نے اس کی حمایت اور پشت پناہی کی، اول الذکر نے ۸۴۳ء میں ایک فرمان صادر کیا جس میں ہر کاوی طور پر تصویروں اور بُتوں کی تقدیس کی ممانعت کی گئی تھی، ۸۴۳ء میں دوسرے فرمان میں اس کو اس نے بُت پرستی قرار دیا تھا، مسیحی اور بُت پرست یورپ اور رومی یونانی تمدن (جس کی تصویر نوازی اور بُت تراشی شہرہ آفاق ہے) میں تصویروں اور بُتوں کے خلاف یہ انکار و جہاد یقیناً اسلام کی بُت شکنی اور اعلانِ توحید کی صدائے بازگشت تھی جو مغربِ اسلامی اندلس اور اسلامی تبلیغ و اثرات کے ماتحت پہنچی، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کلودیوس (CLAUDIUS) جو توہینِ کالاث پابدار اور اس تحریکِ دعوت کا بڑا پر جوش علم بردار تھا، یہاں تک کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں تصویروں اور صلیبوں کو جلادیا کرتا تھا، اس کے متعلق تاریخی طور پر معلوم ہے کہ اس کی ولادت اوژنو ونا اندلس میں

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مخفی الاسلام بحوالہ صلاح الدین خدا بخش۔

ہوئی ہے اور یہ دوسری صدی ہجری کا زمانہ ہے جب ہاں مسلمانوں کی حکومت اور مسلمانوں کا تمدن اپنے عروج پر تھا۔

یورپ کی مذہبی تاریخ اور سچی کلیسا کی سرگزشت کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اسلام کے ذہنی اثرات کے اور بہت سے نمونے اور نظیریں ملیں گی، خود کو تھوڑی مشہور اصلاحی تحریک اپنے نقائص کے باوجود اسلام سے متاثر تھی اور مورخین کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کے بانی پر اسلامی تعلیمات کے اثرات پڑے تھے اور صرف مذہب ہی نہیں بلکہ یورپ کی پوری زندگی اور اس کا تمدن اسلام سے متاثر ہوئے رابرٹ بری فالٹ ROBERT BRIFALTT اپنی کتاب - (THE MAKING OF HUMANITY) میں لکھتا ہے :-

”یورپ کی ترقی کا کوئی شبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔“
دوسری جگہ لکھتا ہے :-

”صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم اشراف اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتدا اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئی ہیں۔“

اسی طرح ہندوستان کی قوموں کے اخلاق و معاشرت اور قانون سازی میں اسلامی ذہنیت اور اسلامی شریعت کے اثرات نظر آئیں گے، عورت کا احترام اور اس کے حقوق کا اعتراف مختلف انسانی گروہوں کے درمیان مساوات کا اصول اسلامی فتوحات اور مسلمانوں کے اختلاط کے بعد

۱۹ تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ الاسلام ج ۱ ص ۱۶۴-۱۶۵ بحوالہ اصلاح الدین خدا بخش۔ ۱۹ ایضاً ص ۲۰
۲۰ ایضاً ص ۲۰

روز بروز زیادہ تسلیم کیا جانے لگا، غرض منہدم اور آباد دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی تمدن ابنت محمدی اور ظہور اسلام کے بعد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوا۔

اسلامی حکومت اور اسلامی تہذیب کے دورِ انحطاط میں بھی اسلام کی سابقہ دعوت اور قوت

کے آثار اور یادگاریں باقی تھیں، انھیں میں سے ایک خدا شناسی تھی جو پوری اسلامی دنیا میں عام تھی، خدا کا خیال مسلمان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اس طرح اُتار دیا گیا تھا کہ وہ بہتر

کے انقلابات و تغیرات اور دینی تنزیل میں بھی نہیں نکل سکا، مسلمان کے لئے فسق و فجور مکمل تھا (اور مسلمانوں کے دور تنزیل میں اس کا اچھی طرح ظہور ہوا) مگر خدا کا خیال دل و دماغ سے دور نہیں

ہو سکا، نفس تو اس کی ملامت صہبہ کی سرزنش، خدا کی موجودگی کا خیال اور آخرت کا ہشکا بدستی اور خود فراموشی کے عالم میں بھی دل میں چپکیا لیتا تھا، اور کبھی کبھی اپنا کام کر جاتا تھا، اسی کا نتیجہ

تھا کہ فساد و فحشاء بعض اوقات دفعۃً فسق و فجور سے توبہ کر کے صاحبین متقین کے گروہ میں شامل ہو جاتے، زندانِ خرابات ایک ٹھوکر سے ہوشیار ہو کر کعبہ کی راہ لیتے، بڑے بڑے شاہزادے اور ناپرواہے

امیر زائے ایک معمولی سی غیبی تنبیہ سے (جس سے ہزار درجہ زیادہ تنبیہیں مازیت و کفر کے دور میں بے اثر ثابت ہوتی ہیں) تحت و تاج چھوڑ کر فقر و درویشی اور صلاح و تقویٰ کی زندگی اختیار

کر لیتے تھے، بعض مرتبہ قاری نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی :-

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ

قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنْ

الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ اُذِنُوا

اَلْكُتُبَ مِنْ قَبْلِ فَطَال عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ

فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ فَاَكْثَرُوا مِنْهُمْ

کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت

نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے

اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے

جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں

جن کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر اسی حالت میں

فَسَقُوتَ ۵

ان پر ایسا زمانہ دراز گز گیا پھر ان کے دل

سخت ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ

بہت آدمی ان میں کے آج کافر ہیں۔

بعض لوگ ایسا معلوم ہوا کہ سونے سے چونک گئے اور ان کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے

انقلاب ہو گیا، تاریخ ان مثالوں سے لبریز ہے۔

بغداد کے انتہائی تعیش اور غفلت کے دور میں صاحبِ تاثیر واعظوں و متعادل

ناموں کی مجلس مشکل سے ایسے واقعات سے خالی ہوتی تھی۔

مشہور عرب سیاح ابن حبیر اندلسی (م ۶۱۴ھ) جس نے ۵۸۰ھ میں بغداد دیکھا

ہے شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلس وعظ کا حال بیان کرتا ہے کہ اثناء واعظوں انگلیوں

سے آنسوؤں کی جھڑیاں جاری تھیں، لوگ پروانوں اور متوالوں کی طرح توبہ کے لئے

ان کے ہاتھ پکڑ رہے تھے، اور اپنے بال کاٹ رہے تھے۔

حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ھ) کی مجلس وعظ میں تو یہ حال تھا کہ لوگ چیخ

مار مار کر روتے تھے، لوگوں پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بیہوش ہو ہو کر گرتے تھے اور لوگ ہاتھوں

میں اٹھا کر بجاتے تھے، اپنی پیشانی کے بال ان کے ہاتھ میں دیتے تھے اور وہ سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

حافظ ابن جوزی نے خود ایک موقع پر تخمینہ لکھا ہے کہ ایک لاکھ انسانوں نے ان کے ہاتھ

پر توبہ کی ہے، پانچویں صدی کے ایک محدث شیخ اسمعیل لاہوری کے متعلق مورخ کے الفاظ

ہیں ہزار ہا مردم در مجلس وعظ و شرف اسلام شدند، ابن بطوطہ نے متعدد ہندوستانی

واعظین کی تاثیر کے ایسے ہی واقعات لکھے ہیں۔

۱۔ حلا ابن حبیر رحمۃ اللہ علیہ صید الخاطر و لقتہ الکبد ۳۵ تذکرہ علماء

کفر اور بے دینی کے تسلط اور غلبہ کے زمانہ میں اثر پذیریری کی ایسی مثالیں غنقا ہوتی ہیں اس دور میں مؤثر سے مؤثر دینی خطابت اور اخلاقی نصائح بے اثر ہوتے ہیں۔

خدا کا خیال اس وقت کی زندگی میں داخل تھا جس سے کسی قوم یا مذہب یا فرقہ و خیال کا آدمی خالی نہ تھا، زبان و ادب میں خدا شناس طرز ادا، مذہبی تعبیرات اور وحی و رسالت کی زبان کے الفاظ و اصطلاحات روح و خون کی طرح جاری و ساری تھے کہ اس زبان و ادب کو اس سے مترا نہیں کیا جاسکتا تھا، اسلامی تعبیرات، دینی آداب اور حیلے غیر مسلموں کی زبان پر اس طرح جاری ہو گئے تھے، اور وہ ان کے اس درجہ تو گہو گئے تھے کہ دوسرے ہم معنی حیلوں سے ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی، غیر مسلم ادیب اور فاضل قرآن مجید حفظ کرتے تھے، مشہور غیر مسلم ادیب اور کاتب ابوالحسن صابی کے متعلق منقول ہے کہ وہ رمضان مبارک کے روزے بھی رکھتا تھا۔ خدا طلبی کا ذوق ساری اسلامی دنیا میں عام تھا، ہزاروں لاکھوں لاشخاص اسلامی ملکوں اور شہروں میں دین کی طلب اور مردان خدا کی تلاش میں صحراؤں پہاڑوں اور وادیوں کو عبور کر کے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہنچتے تھے، خدا کی طرف بلانے والوں کی ذات مرجع خلافت اور ان کے مقامات طالبین خدا کے ہجوم سے معمور رہتے تھے، اور ان کی آبادی اور رونق حکومت کے مرکزوں اور اہل حکومت کے دفاتر سے کہیں بڑھ کر تھی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس خلفاء عجائبہ کے دربار سے زیادہ پرمہیت اور بارونق تھی، امراء و اغنیاء بھی دین کے خیال اور خدا طلبی سے خالی نہ تھے، سوانح و تراجم کی کتابیں ایسی مثالوں سے پُر ہیں۔

باب چہارم

مسلمانوں کا تنزل

مسلمانوں کے تنزل کا آغاز اور اس کے اسباب

ایک ادیب نے خوب کہا ہے کہ انسانی زندگی میں دو ایسے واقعات ہیں جن کا بالکل ٹھیک وقت ہم نہیں بتا سکتے، ان میں سے ایک جس کا تعلق فرد کی زندگی سے ہے نیند آنے کا، کوئی شخص آج تک اس خاص لمحہ کا تعین نہیں کر سکا جب جاگنے والا سو جاتا ہے، دوسرا واقعہ جس کا تعلق قومی زندگی سے ہے تنزل یا زوال ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں قوم کا زوال کس تاریخ سے شروع ہوا، سب کو اس کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب وہ زور پکڑ جاتا ہے۔

یہ حقیقت اکثر قوموں کے بارہ میں منطبق ہے لیکن امت اسلامیہ کی زندگی میں زوال و تنزل کا آغاز دوسری قوموں کی زندگی کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور روشن ہے، اگر ہم کمال و زوال کے درمیان کی حد کو متعین کرنا چاہیں تو ہم اپنی انگلی اس تاریخی خط پر رکھ دیں گے جو خلافت راشدہ اور ملوکیت عرب یا مسلمانوں کی بادشاہی کے درمیان حیدرِ فاصل ہے۔

بات یہ تھی کہ براہ راست اسلامی قیادت اور بالواسطہ دنیا کی رہنمائی کی زمام ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جن کا ہر فرد اپنے ایمان و عقیدہ، اعمال و اخلاق، تربیت و تہذیب نفس کی آراستگی، سیرت کی بلندی اور کمال و اعتدال میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک مستقل معجزہ تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کے قلاب میں ایسا ڈھال دیا تھا کہ ان میں جسم کے علاوہ کسی چیز میں بھی اپنے ماضی سے مماثلت باقی نہیں تھی، نہ میلانات و رجحانات میں نہ ذہنیت و طرز فکر میں نہ خواہشات میں، یہ حضرات جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے، دین و دنیا کی جامعیت کا نمونہ، کامل تھے، وہ بیک وقت نمازوں کے امام، مسجدوں کے خطیب، قاضی، اوقاف و نصف بیت المال کے امین اور خازن اور لشکروں کے سپہ سالار تھے، اور ایک وقت میں امور جنگ کا انصرام ملکوں اور شہروں کا انتظام اور سلطنت کے مختلف صیغوں اور شعبوں کی نگرانی کرتے تھے، ان میں سے ایک ایک شخص ایک ہی وقت میں ترقی و زہد، پاسبان اور مجاہد، معاملہ فہم قاضی، مجتہد، فقیہ، صاحب تدبیر حاکم اور پختہ کار سیاسی تھا، اس لئے ایک ہی ذات میں (اور وہ خلیفہ و امیر المؤمنین کی ذات ہوتی تھی) دین و سیاست کا اجتماع تھا، اس کے گرد ان لوگوں کی جماعت تھی جو اسی مدرسہ نبوی یا مسجد نبوی کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے، ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے ایک ہی روح کے حامل اور ایک ہی سیرت سے متصف تھے، خلیفہ ان سے مشورہ لیتے اور کوئی اہم کام ان کے مشورہ اور مدد کے بغیر نہ کرتے، پس ان کی روح تمدن کے پورے ڈھانچہ حکومت کے پورے نظام اور لوگوں کی پوری زندگی و معاشرت و اخلاق میں جاری و ساری ہو گئی، ان کے میلانات اور خواہشات کا تمدن پر عکس اور ان کی خصوصیات کا پورا پورا نگہ، وہاں نہ روحانیت اور مادیت میں کوئی کش مکش تھی، نہ دین و سیاست میں کوئی تضاد، نہ دین و دنیا کی تفریق تھی، نہ مصلحت و اصول میں کوئی رتہ کشی، نہ اغراض و اخلاق کے درمیان کوئی مزاحمت تھی، نہ طبقات اور گروہوں کی باہمی جنگ، اور خواہشات نفسانی میں باہمی ساقبت و تقابل، عرض ان کا تمدن اور اسلامی سلطنت کی زندگی اس کے بانیوں کے اخلاق و خصوصیات اور اعتدال و معیشت کی پوری آئینہ دار تھی۔

جہاد اور اجتہاد کا فقدان

اصل یہ ہے کہ اسلام کی امامت بڑی نازک اور وسیع صفات کو چاہتی ہے جو فرد یا جماعت اس منصب پر فائز ہو اس کے لئے ذاتی صلاح و تقویٰ اور عدل کے علاوہ جہاد و اجتہاد کی قابلیت کی بھی ضرورت ہے، یہ دو لفظ بہت سادہ اور ہلکے ہیں لیکن معانی و مطالب سے لبریز جہاد سے مراد ہے عزیز ترین اور اہم ترین مطلوب کے حصول کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور وسائل صرف کر دینا، مسلمان کا سب سے بڑا مقصود اللہ کی فرماں برداری اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے سپردگی اور سرفکندگی ہے اس کے لئے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے ہر اس عقیدہ، تربیت، اخلاق، اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں اور ان تمام نفسی و اخلاقی (داخلی و خارجی) آلہہ و معبودان باطل کے خلاف جو اللہ کی فرماں برداری اور اخلاص میں حریف اور رقیب ہوں جب مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بادشاہی اور اس کے احکام کو اپنے گرد و پیش کی دنیا اور اپنے نبی و نفع پر پھیلانے کے لئے جد و جہد کرے یہ اُس کا دینی فریضہ ہے اور خلیق خدا پر شفقت اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا بھی یہ عین مفضلہ ہے اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات انفرادی احکام اور دین داری بھی ماحول کی سازگاری کے بغیر شکل ہو جاتی ہے اسی کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں "فتنہ" ہے، دنیا میں جتنے بھی جمادات نباتات و حیوانات اور انسان ہیں وہ اللہ کی مکتوبی مشیت و احکام اور اس کے طبعی قوانین کے سامنے سرفکندہ ہیں۔

لہٰذا یہاں اس سے مراد وہ امامت (امارت) نہیں ہے جس کی تعریف و شرائط کتب فقہ و اصول میں ہیں، بلکہ وہ قوت و قابلیت ہے جس سے کوئی مسلمان فرد یا جماعت دنیا کی رہنمائی و پیشوائی کر سکے۔

قُلْ أَسْلَمْتُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
طَوْعًا وَكَرْهًا وَاللَّيْلُ يُرْجَعُونَ ۝
(آل عمران - ۸۳)

اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین
میں ہے خوشی سے یا لاچار ہی سے اور اس کی
طرف سب پھر کر جائیں گے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ لَهُ مَنْ فِي
السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّجَرِ
وَالنَّخْلِ وَالنُّجُومِ وَالْإِنْبَاءِ وَالشَّجَرِ
وَالذَّوَابِّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۝
وَلَيْتُوكَ عَلَى الْعَذَابِ ۝

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں
میں اور جو کوئی بھی زمین میں ہے نیز سورج،
چاند تارے پہاڑ، درخت چارپائے سب
الشجر کے آگے سر جو ہیں اور کتنے ہی انسان
بھی اور آدمیوں میں بہت سے ایسے بھی جن پر
(الحج - ۱۸) عذاب لازم ہو گیا۔

اس میں انسان کی نہ کسی کو شرس کو دخل ہے اور نہ اُس کے لئے کسی جہد و جد کی ضرورت،
موجودات کے لئے موت و حیات، نشوونما کا بقا و نون ہے اور ان کے جسم و فطرت کے لئے الشرنے
جو نظام مقرر کر دیا ہے اس پر وہ سب بے چوں و چرا چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے اور اس سے
سرموخران نہیں ہوگا جس مقصد کے لئے مسلمان کی جہد و جد مطلوب ہے وہ خدا کے اس قانون کا نفاذ
ہے جو انبیاء لے کر آئے اور جس کے غلبہ اور قیام کے لئے ان کے پیروامو میں جس کی مخالف طاقتیں اور
دعوتیں دنیا میں ہمیشہ رہیں گی، یہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اس کی بکثرت قیس اور صورتیں ہیں
جن میں سے ایک جنگ بھی ہے جو بعض اوقات اس کی سب سے افضل قسم ہو جاتی ہے اس کی غایت یہ کہ
اسلام کے مقابلہ میں کوئی برابر کی حریف طاقت باقی نہ رہے جو خواہشات اور طبیعتوں کو مخالف سمت
کی طرف کھینچنے اور بہت سے انسانوں کے لئے کفر و اسلام کے درمیان کش مکش پیش آئے۔
وَقَاتِلُوا حَتَّى لَا تَكُونُوا فِتْنَةً

اور اہل کفر سے یہاں تک جنگ کرو کہ کفر کا

وَيَكُونُ الَّذِينَ ظَلَمُوا (البقرہ-۱۹۳) زور باقی نہ ہے اور اطاعت اللہ ہی کی ہو۔

اس جہاد کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اس اسلام سے بخوبی واقف ہو جس کی خاطر وہ جہاد کر رہا ہے اور کفر و جاہلیت کے بارہ میں بھی جس کے خلاف وہ جہاد کر رہا ہے اس کو گہری واقفیت ہونا کہ جس لباس اور جس رنگ میں بھی ظاہر ہو اس کو پہچان لے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”مجھے خطر ہے کہ وہ شخص اسلام کی کڑیاں کھیر دے گا جس نے اسلام میں نشوونما پایا اور جاہلیت کو وہ نہیں پہچانتا۔ یقیناً ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کفر و جاہلیت سے گہری اور تفصیلی واقفیت رکھتا ہو اور اس کے مظاہرے اور صورتوں اور رنگوں کو پہچانتا ہو لیکن بلاشبہ اسلام کی رہنمائی اور کفر و جاہلیت کے خلاف اسلامی لشکر کی قیادت کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عام اور متوسط مسلمانوں سے زیادہ کفر و جاہلیت کو پہچانتا ہو۔

اسی طرح سے یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ اس منصب پر فائز ہوں ان کی تیاری پوری اُو ان کی قوت مکمل ہو ان کے پاس لوہے کو کاٹنے کے لئے لوہا بلکہ فولاد ہو، وہ کفر کا مقابلہ ان تمام وسائل اور سامان سے کریں جو ان کی دسترس میں ہو جس کا انسان انکشاف کر سکا ہو اور جہاں تک انسان کے علم کی رسائی ہو اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے۔

اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُنْزِلُونَ بِهِمْ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَالْكَافِرِينَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ لَاعْتَلَمُوا نَهْجَهُمُ اللَّهُ يَعْصِمُهُمْ وَنَحْنُ نَقِصُّهُمْ مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَوْمَ تَأْتِيكُمُ الْغَلَائِقُ

مسلمانو! جہاں تک تمہارے بس ہیں بے قوت
پیادے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے
مقابلہ کے لئے اپنا ساز و سامان مہیا کئے
دے کہ اس طرح مستعد رہو کہ تم اللہ کے اور اپنے
دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے نیز
ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جان کی تمہیں

لَا تَظْلُمُونَ ۝

خبر نہیں اشرافیں جانتا ہے اور اشر کی راہ

(الانفال۔ ۶۰) میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم جو کچھ بھی

خرچ کر گئے وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا ایسا

نہ ہو گا کہ تمہاری حق تلفی ہو۔

اجتہاد سے ہماری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیادت و امامت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو وہ نئے پیش آنے والے مسائل زندگی میں انفرادی یا اجتماعاً صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہوں اور روح اسلام اور اسلامی قانون سازی کے اصول سے اتنی واقفیت اور مسائل کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں جس سے وہ امت کی مشکلات کو حل کر سکیں اور استنباہ اور تبحر کے موقع پر اس کی رہنمائی کر سکیں نیز وہ اتنی ذکاوت و مستعدی اور علم رکھتے ہوں اور محنت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو طبعی قوتیں پیدا کی ہیں اور زمین میں دولت و قوت کے جو چشمے اور دفینے رکھ دیئے ہیں ان سے کام لے سکیں اور ان کو اسلام کے مقاصد کے لئے مفید بنائیں بجائے اس کے کہ اہل باطل ان کو اپنی خواہشات کے حصول کے لئے استعمال کریں اور زمین میں سر بلندی اور فساد کے لئے ان سے فزلیں اہل حق ان سے وہ کام لیں جن کے لئے اشر نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اموی و عباسی خلفاء

لیکن دنیا کی قسمتی تھی کہ خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب جلیل پر وہ لوگ حاوی ہو گئے جنہوں نے اس کے لئے کوئی حقیقی تیار ہی نہیں کی تھی خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانہ کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انہوں نے اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت

نہیں پائی تھی، ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے رہنماؤں کے
 ثنائیانِ شان ہے، ان کے ذہن اور طبیعتیں عرب کی قدیم تربیت اور ماحول کے اثرات سے بالکل
 آزاد نہیں ہوئی تھیں، ان میں نہ روحِ جہاد تھی اور نہ قوتِ اجتہاد جو دنیا کی پیشوائی اور عالمگیر
 قیادت کے لئے ضروری ہے، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۷۱ھ) کی ذات کو
 مستثنیٰ کر کے عام خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کا یہی حال تھا۔

ملوکیت کے اثرات و نتائج

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی دیوارِ آہنی میں کئی رخنے پیدا ہو گئے جن سے مسلسل فتنے اور
 مصائب نفوذ کرتے رہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے:-

۱۔ دین و سیاست میں علی تفریق ہو گئی، اس لئے کہ خلفاء علم اور دین میں ایسا مرتبہ نہیں
 رکھتے تھے، جس سے ان کو علماء اور اہل دین کی ضرورت نہ پڑے، انھوں نے حکومت و سیاست
 کو تنہا اپنے ہاتھ میں رکھا اور شیر یا مہرین خصوصی کے طور پر جب چاہا یا جب ان کے مصالح کا
 تقاضا ہوا علماء اور اہل دین سے مدد لی اور جتنی بات انھوں نے چاہی قبول اور جب چاہا
 ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، اس طرح سیاست دین کی نگرانی سے آزاد ہو گئی اور ایک پہلے بے زنجیر
 بن گئی، اب اہل دین اور اہل علم کی صورت یہ تھی کہ یا تو وہ حکومت کے مخالف تھے، اور اس کے
 خلاف وقتاً فوقتاً خروج کرتے تھے، یا سیاسی زندگی سے کنارہ کش تھے، اور فردی انقلاب سے
 مایوس ہو کر افراد کی اصلاح و تربیت کے کام میں مشغول تھے، بعض اپنے ماحول کی خرابی کو دیکھ کر
 کڑھنے رہتے تھے، اور اس پر دینی و اخلاقی حیثیت سے سخت تنقید کرتے تھے لیکن مجبور تھے بعض
 کسی دینی صلت کی بنا پر حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے، اور اس کے نظام میں شریک ہو کر

جتنی اصلاح ان کے امکان میں تھی کرنے کی کوشش کرتے تھے اور کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اپنی ذاتی مصلحت اور کامیابی کے لئے حکومت کے ساتھ اشتراک اور موالات کر رہے تھے بہر حال یہ اقمہ ہے کہ نظری اور اعتقادی طور پر تو نہیں لیکن عملاً دین و سیاست میں علیحدگی ہو گئی اور اس بارہ میں خلافت راشدہ سے پہلے دنیا کے نظام سلطنت کا جو حال تھا، اس کا ایک نگہ پیدا ہو گیا تھا، دین روز بروز بے زور اور بے دست و پا ہوتا جاتا تھا، اور سیاست کے ہاتھ کھل رہے تھے اور اس کی بے قیدی اور خود اختیاری بڑھ رہی تھی، اسی وقت سے اہل علم و دین اور اہل دنیا کے دو علیحدہ علیحدہ گروہ بن گئے اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی گئی اور بعض اوقات بیگانگی سے بڑھ کر مخالفت کی نوبت آ گئی۔

۲۔ ارکان حکومت یہاں تک کہ بذات خود خلفاء دین و اخلاق کا کامل نمونہ نہیں تھے، بلکہ ان میں سے بعض اشخاص میں جاہلی جراثیم اور میلانات پائے جاتے تھے، قدرتی طور پر ان کی روح اور نفسیات کا اثر قومی زندگی پر پڑ رہا تھا، اور لوگ عموماً انھیں کے اخلاق و عادات و چہانما کی تقلید کرتے تھے، دین کی نگرانی ختم ہو چکی تھی، احتساب اٹھ چکا تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا زور ختم ہو چکا تھا اس لئے کہ اس کی پشت پر کوئی طاقت اور حکومت کی حمایت نہیں تھی، وہ محض چند دین دار اشخاص کا رضا کارانہ عمل تھا، جن کے پاس کوئی قوت اور تعزیر نہیں تھی، اس کے برخلاف بے قید اور آزاد زندگی کی ترغیبات بہت تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی ممالک کے اندر سانس لینے کا موقع ملا اور اس نے سراٹھایا، عیش و عشرت، ترویج و تنعم کی زندگی عام ہو گئی، تفریحات اور لہو و لعب کی گرم بازاری ہوئی، لذت اندوزی اور فساد پروردی کا غلبہ ہوا اور دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی ہوس بڑھ گئی، اس اخلاقی منزل اور اس تقریبی انہماک کے ساتھ کسی قوم کے لئے اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دینا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانشینی کرنا،

اشرار روز آخرت کو یاد دلاتے رہنا تقویٰ اور دین داری کی ترغیب دنیا اور لوگوں کے لئے اعلیٰ اخلاقی نمونہ قائم کرنا بہت مشکل ہے بلکہ ان حالات کے ساتھ اپنے وجود عزت اور آزادی کو برقرار رکھنا بھی دشوار ہے۔

سَنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْهُ
قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسَنَةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا
اشر تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی اپنا یہی
دستور (جاری) رکھا ہے جو ان سے پہلے ہو
گئے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کمال
(الاحزاب - ۶۲)
طرف سے رد و بدل نہ پائیں گے۔

۳۔ یہ لوگ اپنے اخلاق و اعمال و معاملات میں اسلام کی شرعی سیاست اس کے جنگی قانون اس کے تمدنی نظام اور اس کی اخلاقی تعلیمات کی بہت کم ناٹمنڈگی کرتے تھے، اس طرح غیر مسلموں کے دلوں سے اسلام کے پیغام کا احترام اور اثر جاتا رہا، اور ان کا اعتماد ان لوگوں سے زائل ہو گیا، ایک یورپین مؤرخ کے الفاظ میں "اسلام کو اس لئے زوال شروع ہوا کہ انسانیت کو ان لوگوں کی صداقت میں شبہ ہونے لگا جو دین جدید کی ناٹمنڈگی کر رہے تھے"۔

فلسفیانہ موشگافیاں

اس دورِ انحطاط میں مسلمان علماء اور مفکرین نے جس قدر علوم و ابعاد الطبیعیات METAPHYSICS

اور یونانیوں کی الہیات کی طرف توجہ کی اس قدر علوم طبعیہ اور علمی اور نتیجہ خیز فنون کی طرف

توجہ نہیں کی حالانکہ یہ یونانی فلسفہ اور الہیات محض یونانیوں کا علم الاصنام MYTHOLOGY

تھا، جس کو انھوں نے اپنی چالاکی سے فلسفیانہ الفاظ و اصطلاحات میں ایک عقلی فن کے رہا
میں پیش کیا تھا، وہ محض چند خیالات و قیاسات کا مجموعہ اور الفاظ کا ایک طلم تھا جس کے پیچھے

کوئی حقیقت و اصلیت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو اس کُج کاوی اور لا حاصل سے مستغنی کر دیا تھا، اور نبوت کے ذریعہ ان کو ذات و صفات الہی کا وہ یقینی اور محکم علم بخشا تھا، جس کی موجودگی میں اس پھان میں اور اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں اس کیمیاوی تحلیل و تجزیہ کی (جو فلسفۃ الہیات و کلام کا طرز ہے) قطعاً ضرورت نہ تھی، لیکن افسوس ہے کہ اہل فلسفہ و کلام نے اس نعمتِ عظیم کی قدر نہ کی اور ان مباحث میں جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ تھا، صدیوں تک دردِ سرِی و دیدہ ریزی کرتے رہے اور اپنی بہترین قابلیت و ذہانت اس لا حاصل شغلیہ صرف کی، اس انہماک نے ان کو ان علوم اور تجربوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ دیا جو ان کے لئے کائنات کی طبعی قوتیں سحر کر دیتے اور پھر وہ ان کے اسلام کے مقاصد و مصالح کا تابع اور خادم بنا کر اسلام کے مادی و روحانی تسلط کو تمام عالم پر قائم کر دیتے، اسی طرح سے انھوں نے فلسفۃ الشراق کے مباحث اور وحدۃ الوجود کے مسائل میں اپنا ضرورت سے زیادہ وقت اور طاقت صرف کی۔

شُرک و بدعات

اس دورِ انحطاط میں مسلمانوں میں شرک و جہالتِ قدیم جاہلی قوموں کے عقائد و خیالات اور دینی گمراہی نے بھی نفوذ کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی زندگی میں اور ان کے مزاج میں ایسی بدعات نے درخورد حاصل کر لیا، جنھوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں کو صحیح دین اور کارآمد دنیا سے مشغول کر دیا، ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کے درمیان مسلمانوں کو جو کچھ امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ اس دین کی بدولت ہے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پاس سے لے کر آئے اور اس دین کا امتیاز و اعجاز اس کی اصلیت

میں ہے وہ اسی بارہ میں متاثر ہے کہ وہ الشکر کی وحی و شریعت اس کی معجزانہ ساخت اور اس کی حکیمانہ صنعت ہے۔

صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَتَقَنَ كُلَّ شَیْءٍ
اس الشکر کی کارگیری جس نے ہر چیز کو
(النمل - ۸۸) مضبوط بنایا۔

پس جب اس میں انسانوں کی عقلیں دخل دینے لگیں گی اس کے خود ساختہ اعمال و رسوم داخل ہو جائیں گے اور وہ خدا نخواستہ اپنی اصلیت کھو دے گا تو دنیا و آخرت کی سعاد کی ضمانت باقی نہیں رہے گی اور وہ اس کا مستحق نہ ہو گا کہ انسانی عقلیں اس کے سامنے سرانگہ ہوں اور دلوں کو وہ تسخیر کرے۔

دعوت و تجدید کا تسلسل

لیکن واضح رہے کہ جہاں تک اصل دین کا تعلق ہے وہ اس پوری مدت میں ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے محفوظ رہا، مسلمانوں نے راہِ راست سے جہاں جہاں انحراف کیا تھا کتاب و سنت سے مقابلہ کر کے اس کا علم اور احساس ہو جاتا تھا، دین و شریعت نے مسلمانوں کی غلطی میں کبھی ساتھ نہیں دیا، بلکہ ان کے مطالعہ سے غیر اسلامی اصول و مشرکانہ اور مبتدعانہ اعمال و رسوم اور جاہلی اخلاق و عادات کے خلاف نیز طبقہ امراء اور گروہ سلاطین کے تعمیش اور استبداد کے خلاف ایک سخت احتجاج اور جذبہ جہاد پیدا ہوتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور اور اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں ایسے عالی ہمت اور الوالعزم اشخاص پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس امت میں انبیاء کی جانشینی کا حق ادا کیا مسلمانوں کے تین مردہ میں روحِ جہاد پھونکی اور برسوں کی ساکن سطح میں حرکت و تہوج پیدا کیا، اور مسائل اور علوم میں

اپنی فکر تازہ اور مجتہدانہ قابلیت سے کام لے کر مسلمانوں میں نئی علمی روح اور ذہنی بیداری پیدا کر دی، ایک مبصر مؤرخ کو جہاد اور تجدید کی تاریخ میں کوئی خلا اور وقفہ نظر نہیں آتا، اصلاح کی مشعلیں اور چراغ مسلسل طریقہ پر ایک دوسرے سے روشن ہوتے رہے اور بڑی تیز رفتاری سے ہواؤں میں بھی عالم اسلامی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک نذرانہ نہیں پھیلنے پایا۔ اسی کے ساتھ جب اسلام یا عالم اسلام کے لئے کوئی نیا خطرہ پیش آیا تو کوئی مرد مجاہد میدان میں آیا اور اس نے نہ صرف اس خطرہ کو دور کیا بلکہ عالم اسلام میں ایک نئی روح اور نئی زندگی پیدا کر دی، اس کی واضح مثال نور الدین اور صلاح الدین کی شخصیتیں ہیں۔

صلیبی خطرہ اور زندگی خاندان

سیسی یورپ صدیوں سے اسلام سے خاں کھائے بیٹھا تھا، مسلمان اس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے، اور اس کے تمام مقدس مقامات ان کے قبضہ اور ولایت میں تھے، لیکن طائفور اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور ہمہ سیدی سلطنت پران کی مسلسل پیش قدمیوں کی بنا پر اس کو حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا، پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں عیسوی کے آخر میں ایسے حالات واساب پیش آئے کہ یورپ کے صلیبی مجاہدین نے شام و فلسطین کا رخ کیا اور ان کی فوجیں سیلاب اور طوفان کی طرح پھیل گئیں ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے شہر (بیت المقدس) کو فتح کر لیا اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ ان کے تصرف میں آگیا، مشہور انگریز مؤرخ شیلٹن لین پول (STANLEY LANE POEL) لکھتا ہے:-

”صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پُرانی نگرانی میں پتھر ٹھونکے تھوڑی دیر

لے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”تاریخ دعوت و عمر بیت“ حصہ اول

یہی معلوم ہونے لگا کہ درختِ اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی جھپٹیاں اڑا دیں گے۔
صلیبیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں
کے ساتھ جو سلوک کیا ان کا ذکر ایک ذمہ دار سچی مؤرخ ان الفاظ میں کرتا ہے:-

”بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام کیا یا کہ بیان کیا جاتا
ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چٹھے میں
ڈوبے ہوئے تھے بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو بھکر دے کر
فصل سے پھینک دیا گیا۔“

بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے صنعت اور زوال اور سچی دنیا کی بیداری
اور اس کی نوخیز طاقت کی خبر دیتی تھی اور عالم اسلام میں خطرہ کی گھنٹی تھی، مسیحیوں کے حوصلے
اتنے بلند ہو چکے تھے کہ ریگی نالہ دوائی کرک نے کہ معظمہ اور دینِ طیبہ پر بھی چڑھائی کا ارادہ کیا تھا،
واقعہ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھڑی نہیں آئی تھی۔
عین اس کش کش اور بڑھتی ہوئی مایوسی کے عالم میں عالم اسلام کے اُفق پر ایک نیا ستارہ
طلوع ہوا جس گوشہ سے امید نہ تھی وہاں سے ایک نئی طاقت ابھری، یہ موصول کا رنگی خاندان تھا۔
جس کے دو افراد عماد الدین زنگی (م ۵۸۱ھ) اور اس کے فرزند نور الدین زنگی (م ۵۶۹ھ) نے
صلیبیوں کو پے درپے شکستیں دیں اور بیت المقدس کے علاوہ (جس کی فتح صلاح الدین کے لئے
مقرر تھی) تقریباً فلسطین کے پورے علاقہ کو صلیبیوں سے صاف کر دیا اور الدین اپنی شرافتِ نفس
زہد و عزمِ انتظام، عدل و انصاف، انکسار و تواضع، شوقِ جہاد اور ایمان و یقین کے لحاظ سے

۱۔ سلطان صلاح الدین ازرائیٹیلین پول مترجم مولوی محمد عنایت اللہ صاحب ص ۲

۲۔ ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA VOL. VI, ART. "CRUSADES"

اسلامی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے مشہور مورخ ابن الاثیر تری جوان کے خورد سال معاصر ہیں تاریخ اکمال میں لکھتے ہیں:-

”میں نے گذشتہ سلاطین کی زندگی اور حالات کا مطالعہ کیا ہے خلفائے راشدین اور عمر ابن عبدالعزیز کے بعد نور الدین سے بہتر سیرت اور ان سے زیادہ عادل سلطان سیری نظر سے نہیں گزرا“

صلاح الدین کی قیادت

نور الدین کے بعد ان کے تربیت یافتہ سلطان صلاح الدین نے صلیبی دنیا کے مقابلہ میں عالم اسلام کی قیادت سنبھالی، بالآخر مختلف محروکوں کے بعد انھوں نے حطین (فلسطین) کے میدان میں ۴ اربیع الآخر ۵۸۳ھ (۴ جولائی ۱۱۸۷ء) کو صلیبیوں کو ایسی شکست دی جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کی قسمت پتھر لگ گئی، لیکن پول اس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے:-

”ایک ایک سلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جھینس خود اس نے گرفتار کیا تھا خیمے کی رتی میں باندھے جاتا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے جیسے پتھر پتھر پڑے ہوں اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربندوں کے کھیت میں خربوئے پڑے نظر آتے ہیں تہ توں تک جنگ کا میدان جس میں یہ خون رلائی ہوئی تھی اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی اسے گئے مشہور ہے“

حطین کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین نے ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس کو

دوبارہ حاصل کیا اور اس آرزو کی تکمیل کی جو ۹۰ برس سے مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کئے ہوئے تھی، سلطان کے رفیق و مختار قاضی ابن شداد لکھتے ہیں :-

”ہر طرف دعا و تہلیل و تکبیر کا شور مارتھا، بیت المقدس میں (۹۰ برس کے بعد) جہد

کی نماز ہوئی، قبضہ صحرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اتار دی گئی، ایک عجیب نظر تھا اور اسلام

کی فتح مندی اور الشتر تالے کی مدد کھلی آنکھوں نظر آ رہی تھی۔“

سلطان صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے یمن پول لکھتا ہے :-

”اگر صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح

یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ

وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلال

و شہادت میں کیٹا اور بے مثل شخص تھا۔“

بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ و غضب کی آگ

پھر بھڑک اٹھی اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر ابل پڑا، ان سب کے مقابلہ میں تنہا

سلطان صلاح الدین تھا اور اس کے اعزہ اور چند حلیف جو پورے عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے

تھے، آخر پنج برس کی مسلسل خونریز و خون آشام جنگوں کے بعد ۱۱۹۳ء میں رملہ پر دونوں حریفوں میں

جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی، بیت المقدس اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بہت دوران کے

قبضہ میں رہے، ساحل پر عکہ کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی اور سارا ملک سلطان صلاح الدین

کے زیرِ نگیں تھا، صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی اور صحیح تر الفاظ میں جو کام الشتر تالے

لے تاریخ الی الفداء جموی ۱۷۷۱ھ سلطان صلاح الدین ۲

نے اس کے سپرد کیا تھا، اس کے ہاتھوں مکمل ہوا، لہٰذا پُل لکھتا ہے:-

”جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں، جولائی ۱۱۸۷ء میں حلیں پر مسلمانوں کی فتح سے پہلے دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک پانچ زمین بھی رہتی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی ہے تو تصور سے لے کر یا تا تک ساحل پر بحرِ زمین کی ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، اس صلح نامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی؟“

سلطان صلاح الدین اعلیٰ انتظامی قابلیت اور قائدانہ خصوصیات کا مالک تھا، وہ نہ صرف سپہ سالار اور فاتح تھا بلکہ محبوب قائد اور ہر دلعزیز سپاہی بھی تھا، اس نے صدیوں کے بعد منتشر و پراگندہ اسلامی ریاستوں اور طاقتوں اور تفرق اور باہم مخالفت مسلمان قوموں اور قبائل کو جہاد کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا، عرصہ دراز کے بعد اس کی قیادت میں عالم اسلام نے ایک منظم اور پُر خلوص جنگ کی جس کا مقصد اسلام کی حفاظت اور جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کچھ نہ تھا، لہٰذا پُل نے صحیح لکھا ہے کہ:-

”تیسری جنگ صلیب میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹٹ سے مس نہ کر سکی، صلاح الدین کی سپاہ ہمسوں کی سخت محنت و جانفشانی اور برسوں کی محنت و مشق اور خطرناک خدمت کے بعد تھک کر چور چور ہو چکی تھی مگر کسی کی زبان پر حرف شکایت نہ تھا، کبھی طلبی پر حاضر ہونے اور ایک نیک کام میں اپنی جانیں قربان کرنے سے کسی نے انکار نہ کیا!“

آگے چل کر لکھتا ہے:-

ماکر و ترکمان، عرب، مصری، سبلمان اور سلطان کے خادم تھے اور طلبی پر خادموں ہی کی طرح سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتے یا وجود اس کے کہ ان کی نسل و قوم جدا تھی اور باوجود قومی جنگوں اور قبائلی غرور و تفاخر کے سلطان نے ان کو ایسا شیر و شکر کر رکھا کہ تمام لشکر تین واحد نظر آتا تھا!

صلاح الدین کے بعد

۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو اسلام کا یہ فادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا اصلاح الدین کی مجاہدانہ کوششوں اور اس کی بروقت قیادت عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے عرصہ تک کے لئے محفوظ کر دیا، عالم اسلام کا مطلع صاف ہو گیا لیکن صلیبیوں نے ان جنگوں سے فائدہ اٹھایا اپنی او عالم اسلام کی کمزوری کا مطالعہ اور تجربہ کرنے کے بعد وہ نئے صلیبی حملہ کی (جس کی نوبت انیسویں صدی میں آئی) تیاری میں مصروف ہو گئے، لیکن عالم اسلام پر پھر غفلت طاری ہو گئی اور باہمی اختلافات اور خانہ جنگیوں نے پھر سر اٹھایا، اصلاح الدین کے بعد عالم اسلام کو پھر ایسا مخلص قائد اور رہنما نصیب نہیں ہوا جو اسلام کی بے غرض خدمت کے لئے بقیاب ہوا اور جس کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کچھ نہ ہوا اور جس پر عالم اسلام کو اس درجہ اعتماد اور اس کا ذات سے تعلق ہو جیسے صلاح الدین کے ساتھ تھا، عالم اسلام پھر ایک بار خود غرضیوں، خاندان جنگوں اور سازش کا شکار ہو گیا، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک انحطاط اور نزل چھا گیا۔

جاہلیت کے لئے رکاوٹ

لیکن مسلمان اپنی ساری خرابیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اپنے انخراط کے

لئے سلطان صلاح الدین ۳۱۱ھ

باوصف اپنی تمام معاصر جاہلی قوموں کے مقابلہ میں نبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شاہ راہ سے قریب تر اور خدا کے زیادہ مطیع و فرمانبردار تھے، ان کا وجود اور ان کا رہا سہا اقتدار جاہلیت کے لئے پھیلنے اور ترقی کرنے میں بڑی زبردست رکاوٹ اور سدِ سکندری کا کام فرمایا تھا، وہ اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود دنیا کی ایک اہم طاقت تھے، جس سے حکومتیں خائف رہتی تھیں اور جس کی ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت تھی، لیکن بغیر اس کے کہ باہر کے لوگوں کو محسوس ہو، اندرونی طور پر یہ طاقت کمزور ہوتی رہی یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ان کا سیاسی انتشار اخلاقی کمزوری اور ضعف پورے طور پر نمایاں ہو گیا اور اسلامی طاقت کا وہ ٹھیسب سایہ جو دور سے نظر آتا تھا، اوجھل ہو گیا اور اس کے بٹھتے ہی مسلمانوں پر وحشی قوموں اور جریلت طاقتوں کا غرہ ہوا اور اسلامی ممالک ایک لاوارثی ال کی طرح فاتحوں میں تقسیم ہونے لگے۔

ہنگامہ تاتار

ان وحشیانہ حملوں میں سب سے بڑا حملہ تاتاریوں کا حملہ تھا جو مورخ کی طرح مشرق سے بڑھے اور سارے عالم اسلام پر چھا گئے، تاتاری یورش عالم اسلام کے لئے ایک بلا عظیم تھی جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی چولیں ہل گئیں مسلمان بہوت و شہادت تھے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا، ایک مرتبہ تقریباً سارا عالم اسلام (خصوصاً اس کا مشرقی حصہ) اس فتنہ جہاں سوز کی لپیٹ میں آ گیا مولخ ابن اثیر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قلبی کیفیت اور تائثر کو چھپا نہیں سکا وہ لکھتا ہے:-

”یہ حادثہ اتنا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پر ویش میں رہا کہ اس کا

ذکر کروں یا نہ کروں اب بھی بڑے تردد و تکلف کے ساتھ اس کا ذکر رہا ہوں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنا کسی کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سنائے؟ کاش میں نہ پیدا ہوتا، کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا بسر ہو جانا لیکن مجھے بعض دوستوں نے اس واقعہ کے لکھنے پر آمادہ کیا پھر بھی مجھے تردد تھا لیکن میں نے دیکھا کہ نہ لکھنے سے بھی کچھ فائدہ نہیں۔

یہ وہ حادثہ عظیمیٰ اور مصیبت کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا اس دم ایسا واقعہ دنیا میں نہیں پیش آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہو گا اس لئے کہ تاریخ میں اس واقعہ کے پانچ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا اور شاید دنیا قیامت تک (یا جوج و باجوج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے، ان خوشیوں کے لیے پر رحم نہیں کھایا، انھوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کو قتل کیا، عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے اور پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ"، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ" یہ حادثہ عالم گیر و عالم آشوب تھا، ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھنے دیکھتے سارے عالم پر پھیل گیا!

۶۵۶ھ میں یہ تاریخی دار الخلافہ بغداد میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، مؤرخ ابن کثیر بغداد کی تباہی اور تاراجوں کی غارتگری و خون آشامی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا چالیس دن کے بعد

یہ کلہاڑی شہر جو دنیا کا پرہیزگار ترین شہر تھا، ایسا دیران و نارا جیو گیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے، بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیٹا نظر آتے تھے ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں نفی پھیل گیا جس سے شہر کی ہوا خراب ہوئی اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر ملکِ شام تک پہنچا اس ہوا اور وبا بکثرت مخلوق مری، گرانی، وبا، اور فتنوں کا دور دورہ تھا۔

مصری افواج کے مقابلے میں تاتاریوں کی شکست

عراق و شام کے قبضہ کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا، اور وہی تنہا اسلامی ملک تھا جو ان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطز کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے، اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے، اس نے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے، چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو عین جاؤت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسلامی افواج کا مقابلہ ہوا اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی، وہ بُری طرح سے بھاگے اور مصریوں نے ان کا تعاقب کیا اور کثرت سے ان کو قتل کیا، اور بڑی تعداد میں گرفتار۔

سیف الدین قطز کے بعد الملک الظاہر بیبرس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست دی اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل اور خارج کر دیا، اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں۔

لے البدایۃ والنہایۃ۔

مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح

بایں ہمتہ تاتاری عراق سے لے کر ایران و ترکستان تک قابض تھے اور خود دار اسلام بغداد کے قبضہ میں تھا، ایک نیم جوشی بُت پرست قوم کا عالم اسلام کے علمی و تہذیبی مرکز پر قابض رہنا ایک نفوس ناک افتخار تھا جس کا پورے عالم اسلام اور پوری زندگی اور تمدن و اخلاق پر اثر پڑ رہا تھا، عالم اسلام میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ان کو عراق سے بے دخل کر سکے، اس وقت اسلام کی روحانی طاقت اور قوت تسخیر کا ایک معجزہ ظاہر ہوا اور چند گنا نام غلص دایوں اور امراء و بابر کی توجہ اور کوشش سے تاتاری سلاطین و امراء میں اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی، اور اس طرح اسلام نے اس ناقابل تسخیر قوم کو فتح کر لیا جس نے سارے عالم اسلام کو ایک بار فتح کر لیا تھا، ابن کثیر ۶۹۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

”اس سال چنگیز خان کا پر پوتا قازان تاتاریوں کا بادشاہ ہوا اور امیر توذن رحمة اللہ علیہ کے ہاتھ پر علانیہ مشرت باسلام ہوا اور تاتاری کل یا بیشتر اسلام میں داخل ہو گئے، جس روز بادشاہ نے اسلام قبول کیا اس روز سونا چاندی او موتی لوگوں کے سروں پر بچھا دئے گئے، اس نے اپنا نام محمود رکھا اور حجبہ اور خطبہ میں مشرت کی، بہت سے بُت خانے گرا دیئے اور ان پر جزیہ مقرر کیا بغداد اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کی گئیں اور انصاف کیا گیا اور لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھ میں تسبیحیں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا شکر ادا کیا۔“

لہ البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۳۴

تاتاری حملے کا عالم اسلام پر اثر

تاتاری حملہ سے عالم اسلام کو ایسا دھچکا لگا تھا کہ اس کے سنبھلنے کے لئے مدت درکار تھی، تاتاری حملہ ہی سے مسلمانوں کے قوائے فکر یہ میل ضحلال و افسردگی اور طبیعتوں میں یاس انگیزی اور جو دہ پیدا ہو گیا، اس حملہ سے علوم دینیہ ادب و شاعری تصنیف و تالیف اور اخلاق و معاشرت سب پر اثر پڑا تھا، علمی و ادبی سرایہ میں اضافہ، جدت و اصلاح اور تعمیر و ترقی کے بجائے اب اہل علم اور عالمن دین کو اس کی فکر تھی کہ وہ موجودہ سرایہ کی حفاظت کا معقول نظام کر سکیں، اور کسی طرح اس فقیہی، علمی اور ادبی ذخیرہ کو تباہی سے بچا سکیں جو اب ان کی تولیت اور امانت میں تھا، انسانیت و تہذیب کی یہ بڑی بستی تھی کہ دنیا کی زمام قیادت ان جابلی اور وحشی قوموں کے ہاتھ میں گئی جو نہ کوئی آسمانی دین رکھتے تھے اور نہ کسی علم و تہذیب و تمدن کے سرایہ کے مالک تھے، ان کی قیادت میں کسی علمی و دینی ترقی کی امید نہیں کی جاسکتی تھی، ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اگرچہ مسلمان ان کی غارتگری اور خوراک شامی سے محفوظ ہو گئے تھے اور ان کو دینی آزادی حاصل ہو گئی تھی اور اسلام حکمراں طبقہ کا مذہب بن گیا تھا، مگر ان جدید اسلام تاتاریوں میں بہر حال دینی و علمی قیادت اور اسلامی امامت کی صلاحیت نہ تھی اور اس صلاحیت کے پیدا ہونے کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی اس وقت ایک ایسی تازہ دم عالی حوصلہ مجاہد سیرت قوم کی ضرورت تھی جو گرتے ہوئے عالم اسلامی کو سنبھال سکے اس میں نبی زکیا اور نبی روح پیدا کر دے اور عالم اسلامی کی قیادت کا فرض انجام دینے کی کوشش کرے۔

میلان قیادت میں عثمانی ترکوں کی آمد اور عالم اسلامی کا ایک سنبھالا

کچھ ہی عرصہ کے بعد آٹھویں صدی میں عثمانی ترک تاریخ کے منظر عام پر آئے، انھوں نے

دنیا کو عام طور پر اور مسلمانوں کی نگاہوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف اس وقت متوجہ کیا جب سلطان محمد فاتح نے ۸۵۳ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں اپنی چوبیس برس کی عمر میں بازنطینی کے ناقابل تسخیر دار السلطنت قسطنطنیہ کو فتح کر لیا، اس واقعہ سے مسلمانوں میں ایک نئی انگ اور نیا جوش پیدا ہو گیا ترک (جن کی قیادت آل عثمان کر رہے تھے) اس کے اہل تھے کہ ان پر اسلامی اقوام کی قیادت کے بارہ میں مسلمانوں کی طاقت کو از سر نو واپس لانے میں اور دنیا میں ان کے کھوئے ہوئے مرتبہ اور مقام کو حاصل کرنے میں عطا کیا جائے ان کا قسطنطنیہ کو فتح کر لینا جس کے مسلمان آٹھ سو برس تک بار بار کی کوششوں کے باوجود فتح نہیں کر سکے تھے ان کی قابلیت و قوت اور فنون جنگ میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچ جانے کی دلیل تھی، اور یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جنگی طاقت اور سامان جنگ میں اپنی تمام معاصر قوموں سے فائق ہیں اور ان میں اصلاحیت ہے کہ وہ اپنے مقصد کے لئے علم و عمل کی طاقت اور اجتہاد سے کام لے سکیں اور قائم قوم کے لئے یہ تمام صفات بمنزلہ شرائط کے ہیں۔

اپنی کتاب "مفکرین اسلام" کے پہلے حصہ میں BARON CARRA DE VAUX

محمد فاتح کے تذکرہ میں لکھتا ہے:-

"یہ فتح محمد فاتح کو محض بخت و اتفاق سے حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کا سبب محض بازنطینی سلطنت کی کمزوری تھی اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان بہت پہلے سے اس کے لئے ضروری انتظامات کر رہا تھا اور اس کے زمانہ میں علم کی جتنی طاقت تھی اس سے کام لے رہا تھا تو یہ اس وقت نئی نئی ایجاد ہوئی تھیں اس نے کوشش کی کہ جتنی زبردست اور بڑی توپ اس زمانہ میں بن سکتی ہے بنائی جائے اس نے اس کے لئے ہنگری کے ایک انجینیر کی خدمات حاصل کیں جس نے اس کے لئے

ایک ایسی توپ بنائی جو تین سو کیلو کے وزن کا گوکہ بھینکتی تھی اور اس کی مار ایک میل سے زیادہ کی تھی کہتے ہیں کہ اس توپ کو کھینچنے کے لئے سات سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اور اس کے بھرنے کے لئے دو گھنٹے چاہئے تھے جب محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرنے چلا تو اس کی قیادت میں تین لاکھ سپاہی تھے اور زبردست توپخانہ اس کا بحری بیڑہ جو قسطنطنیہ کا سمندر کی جانب سے محاصرہ کئے ہوئے تھا ایک سو بیس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھا اس نے اپنی عقل و اجتہاد سے یہ تجویز کیا کہ جنگی بیڑہ کا ایک حصہ خشکی سے خلیج تک پہنچایا جائے اس نے لکڑیوں پر چربی مل کر شتر بہا ز قاسم پاشا کی سمت سے سمندر میں اتار دیئے۔

محمد فاتح سے یورپ اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھا کہ اس کے انتقال پر پاپائی عظیم نے جشن مسرت منانے کا حکم دیا اور فرمان صادر کیا کہ تین روز تک مسلسل شکرانہ کی نمازیں پڑھی جائیں۔

ترکوں کی خصوصیات

مسلمان ترک قوم میں درحقیقت کچھ ایسی خصوصیات صحیح تھیں جن سے وہ مسلمانوں کی قیادت کی مستحق تھی۔

۱۔ وہ ایک بلند حوصلہ پر جوش اور زندہ قوم تھی جس میں جہاد کی روح تھی اور جو بد و سیت کی زندگی اور سادگی سے قریب العہد ہونے کی وجہ سے ان اخلاقی اور اجتماعی امراض سے محفوظ تھی جن میں اسلامی قومیں شرق میں مبتلا ہو کر مڑ رہ چکی تھیں۔

۲۔ اس کے پاس ایسی جنگی طاقت تھی جس سے وہ اسلام کے مادی اور روحانی تسلط کو ہٹا سکے۔

لے فلسفہ تاریخ عثمانی (محمد جمیل سیم) ص ۲۴۴

اور جریت قوموں کی دست درازلیوں کو روک سکے اور دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز ہو سکے، ایک وقت میں عثمانی سلاطین تین بڑے عظیم یورپ، ایشیا اور افریقہ میں حکومت کرتے تھے، اسلامی مشرق ایران سے مراکش تک ان کے زیر فرمان تھا، ایشیائے کوچک کو وہ زیرِ کچکے تھے، اور یورپ میں آگے بڑھتے ہوئے وہ ویانا کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے، بحرِ متوسط کے وہ تنہا مالک تھے جس پر کسی دوسری قوم یا سلطنت کا کوئی اثر نہ تھا، پطرس اعظم (PETER THE GREAT) کے معتمد نے ایک مرتبہ قسطنطنیہ سے قیصر کو لکھا تھا کہ سلطان بحرِ اسود کو اپنا گھر سمجھتے ہیں جس کی کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، ترکوں کے بحری بیڑہ کا مقابلہ سارا یورپ ملکر بھی نہیں کر سکتا تھا، ۱۷۱۱ء میں پاپائے اعظم، وینس اسپین، پرتگال اور مالٹا کی متحدہ بحری طاقت نے اس بیڑہ کو شکست دینی چاہی لیکن شکست کھائی، مسلمان اعظم کے زمانہ میں ترکوں کو بحری و بری، اور سیاسی اور روحانی اقتدار حاصل تھا، اس کے زمانہ میں عثمانی حکومت کے حدود شمال میں دریائے صاوا (SAVA) جنوب میں نیل کے دہانہ اور بحرِ ہند تک، مشرق میں قفقاز کے سلسلہ کوہ اور مغرب میں کوہِ اطلس تک پہنچ گئے تھے، اور چار لاکھ مربع میل کا رقبہ اس کے زیرِ حکومت تھا، سلطنت عثمانیہ کا بحری بیڑہ تین ہزار فوجی جہازوں پر مشتمل تھا، روم کے علاوہ قدیم دنیا کا ہر شہر و شہر حکومت عثمانیہ کے زیرِ فرمان تھا۔

یورپ سارا ان سے بہیت زدہ تھا، اس کے بڑے بڑے بادشاہ عثمانی سلاطین کی حفاظت اور پناہ میں داخل ہوتے تھے، ان کے احترام میں کلیساؤں کے گھنٹے بند ہو جاتے تھے۔ ۳۔ بین الاقوامی قیادت کے لئے ان کو بہترین جغرافیائی مرکز حاصل تھا، وہ جزیرہ نما بلقان سے بیک وقت ایشیا اور یورپ کی نگراں کر سکتے تھے، ان کا دار السلطنت بحرِ اسود اور بحرِ ابیض کے

درمیان واقع اور ایشیا اور یورپ کی خشکیوں کا نقطہ اتصال تھا، اس لئے ایک ایسی حکومت کا جس کو تینوں براعظم (یورپ، ایشیا اور افریقہ) کی بیک وقت نگرانی کرنی تھی، وہ بہترین پانچ تھی، نپولین نے ایک موقع پر کہا تھا کہ "اگر کبھی ساری دنیا کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوئی تو قسطنطنیہ ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ اس کا دارالسلطنت بنے۔"

وہ یورپ میں تھے اور یورپ کو مستقبل قریب میں بڑی اہمیت اور حیثیت حاصل ہونے والی تھی، زندگی کی طاقتیں اور ترقی کے محرکات و عناصر اس کے سینے میں ابل رہے تھے، اگر اکثر توفیق دیتا تو ترکوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ علم و عقل کے میدان میں پیش قدمی کریں، اور یورپ کی عیسائی قوموں سے بازی لے جائیں اور دنیا کے مٹیوں پر اس سے پہلے کہ یورپ دنیا کی عنان قیادت ہاتھ میں لے کر اس کو ہلاکت و تباہی کی طرف لے جائے، وہ اس کو حتیٰ و ہدایت کی منزل کی طرف جس کا نشان اُن کو اسلام کے طفیل میں مل چکا تھا لے چلیں۔

ترکوں کا تنزل

لیکن ترکوں کی قدیمتی سے زیادہ مسلمانوں کی قدیمتی ہے کہ عین ترقی و عروج کے زمانہ میں ترکوں میں تنزل و انحطاط شروع ہو گیا اور قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہو گئے، آپس میں حسد و بغض کا نشو و نما ہوا، بادشاہ مستبد اور جاہل ہونے لگے، حکمرانوں کی تربیت کا نظام بگڑ گیا، اخلاق میں انحطاط شروع ہو گیا، احکام اور سپہ سالار قوم و ملت سے خیانت اور غداری کرنے لگے، قوم میں راحت طلبی اور عافیت کو نشی پیدا ہو گئی، غرض زوال پذیر قوموں کی وہ تمام صفات پیدا ہو گئیں جن کی تفصیل ترکوں کی تاریخ کی کتابوں میں ہے اور یہ اس کا موقع نہیں ہے۔

لہ فلسفہ تاریخ عثمانی از محمد جلیل بیہم ۱۵۶۷ء ۱۵۷۸ء

ترکوں کا جمود اور پسماندگی

سب سے بڑا مرض جو ترکوں میں پیدا ہوا تھا وہ جمود تھا اور جو دہی دونوں طرح کا، عالم و عظیم میں بھی جمود اور فنون جنگ و سرکشی تنظیم و ترقی میں بھی، قرآن مجید کی یہ آیت انھوں نے بالکل فراموش کر دی۔

وَاعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْجَيْلِ تُبْهِتُونَ بِعَدُوِّ اللَّهِ وَعَدَاكُمْ
وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُوهُمْ
مسلماں! جہاں تک تمہارے بس ہیں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنا ساز و سامان مہیا کئے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے نیز ان (الانفال - ۶۰)

لوگوں کو سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے حافظہ سے گویا محو ہو گیا تھا۔ ”الحکمة صالۃ المؤمن حیث وجدھا فهو احقُّ بها“ (و انائی کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں اس کو مل جائے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے) ایسی حالت میں کہ وہ یورپ کی حریف سلطنتوں اور قوموں کے درمیان گھرے ہوئے تھے ان کو فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی وہ وصیت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے تھی جو انھوں نے مصر کے مسلمانوں کو کی تھی کہ:-

”اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو اور ایک ایہم ناکہ پر کھڑے ہوئے ہو اس لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہئے کیوں کہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں!“

لے ”تایخ مصر از جرجی زیدان۔“

لیکن افسوس ہے کہ ترکِ مطہن ہو کر بیٹھ گئے وہ اپنی جگہ پر رہے اور یورپین قومیں کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔ مشہور ترکی فاضلہ خالدہ ادیب خانم نے ترکوں کے اس علمی اور تعلیمی جمود کا بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ کہتی ہیں :-

”جب تک دنیا پر شکلیں کے فلسفہ کی حکومت رہی ترکی کے علماء اپنا کام نہایت خوبی سے کرتے رہے، مدرسہ سلیمانہ اور مدرسہ فاتح اس زمانہ میں تمام مروجہ علوم و فنون کے مرکز تھے، مگر جب مغرب نے کلام کی زنجیروں کو توڑ کر نئے علم و حکمت کی بنا ڈالی جس نے دنیا کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تو علماء کی جماعت مسلم کی فرائض انجام دینے کے قابل نہیں رہی، یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علم جس مقام پر پہنچیں صدی میں تھا وہاں سے اب تک آگے نہیں بڑھا، یہ طرزِ خیال انیسویں صدی کے وسط تک ان کے نظامِ تعلیم پر حاوی رہا، ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک کے علماء کا یہ طرزِ خیال جذبہ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا، فلسفہ کلام یا علم کلام خواہ وہ عیسائیوں کا ہو یا مسلمانوں کا یونانیوں کے فلسفہ پر مبنی ہے، اس پر کم و بیش ارسطو کے خیالات کا رنگ غالب ہے جو ایک وثقی فلسفی تھا، یہاں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم مختصر الفاظ میں عیسائی علماء اور مسلمان علماء کے طرزِ خیال کا مقابلہ کریں۔

قرآن کریم میں عالمِ طبیعی کی تخلیق کے مسئلہ کا کہیں تفصیل سے ذکر نہیں ہے، اس کی تعلیم میں زیادہ اہمیت اخلاقی و معاشرتی زندگی کو دی گئی ہے اس کا خاص مقصد ترقی و ترقی، خیر و شرمین اختیار کرنا ہے وہ دنیا کے لئے ایک قانونِ عمل لے کر آیا ہے، مابعدِ طبیعی مسائل و روحانی معارف بھی جہاں کہیں بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی پیچیدگی یا اشکال نہیں اس کی بنیادی تعلیم توحید ہے، اسی وجہ سے اسلام ایک نہایت ہلکا سا

مذہب سے اور اس میں اور مذاہب سے کہیں زیادہ اس کی گنجائش ہے کہ عالم طبعی کے نئے نظریات کو قبول کر سکے، مگر یہ سادگی اور وسعت نظر جو نئی علمی تحقیقات کے لئے اس قدر سازگار تھی کہ مسلمانوں میں زیادہ دن نہیں رہنے پائی نوں صدی میں علماء اور محکمین نے نہ صرف نقد بلکہ الہیات کو بھی اصول و ضوابط کی زنجیروں میں جکڑ دیا اپنی تحقیق و اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، اسی زمانہ میں اسلامی فلسفہ میں ارسطو کے خیالات دخیل ہو گئے۔

بخلاف اس کے دین عیسوی میں جسے مسیح کے مذہب کی جگہ سینٹ پال کا مذہب کہنا زیادہ موزوں ہے کتاب پیدائش کے اندر عالم طبعی کی مفصل تفسیر موجود ہے، عیسائی اسے خدا کا کلام تسلیم کر چکے تھے اس لئے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ اس تفسیر عالم کی حقانیت کو ثابت کریں اس تاویل میں شاہدہ ان کا ساتھ نہیں دیتا تھا اس لئے استدلال سے مدد لینا پڑی ارسطو کا دامن انھوں نے اس لئے پکڑا کہ اس کی منطق سحر کی سی خاصیت رکھتی تھی۔

جب مغرب نے فطرت کا مطالعہ شاہدہ اور تجربہ تحلیل اور تجزیہ کے ذریعہ سے کرنا شروع کیا تو آریاب کلیسا کے ہوش اُڑ گئے، ادھر نئے علمی طریقوں کی مدد سے بڑے بڑے اکتشافات ہونے لگے اور ادھر عیسائی علماء کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب کلیسا کی حکومت کا خاتمہ ہے چنانچہ مغرب میں اس دور کا آغاز ہوا جس میں بڑے بڑے سائنس دان جو عالم طبعی کے دائرہ کے اندر تحقیق میں مصروف تھے قتل کر دیئے جاتے تھے۔ سائنس اور مذہب کے خوریز معرکوں کے بعد آخر عیسوی کلیسا کو مصلحت شناسی سے کام لینا پڑا اس نے اپنے مدرسوں اور مکتبوں کے نصاب میں سائنس کو داخل کر لیا اس کی یونیورسٹیاں جو پہلے بالکل اسلامی مدارس کی طرح تھیں سائنس اور علوم جدیدہ کا مرکز

برگئیں، مگر اسی کے ساتھ اس نے ابدی طبیعی فلسفہ کو بھی نہیں چھوڑا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ کے کم سے کم ایک حصہ پر بدستور باقی رہا، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادری نئے علوم پر عبور رکھتے تھے، اور نئے زمانہ کے نوجوانوں سے ہر موضوع پر بحث کر سکتے تھے۔

عثمانیوں کے یہاں علماء کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی، انھوں نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، بلکہ نئے خیالات کو اپنی قلمرو میں داخل ہی نہیں ہونے دیا، جب تک ملت اسلامیہ کی تعلیم کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی کیا مجال کہ کوئی نئی چیز قریب آنے پائے یہ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر چودھویں صدی ہو کر رہ گیا، اور دوسرا انحطاط میں ان کی سیاسی مصروفیتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ شاہدہ اور تجربہ کے حصیلے میں پڑنے کی انھیں فرصت نہ تھی، سہل نسخہ یہی تھا کہ اسطو کے فلسفہ پر قدم جائے رہیں اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں چنانچہ اسلامی مدارس کا انیسویں صدی میں بھی وہی رنگ رہا جو تیرھویں صدی میں تھا۔

عالم اسلام کا عام ذہنی و علمی انحطاط

علمی جمود اور ذہنی اضمحلال اس وقت صرف ترکی اور اس کے علمی اور ذہنی حلقوں کی خصوصیت نہیں تھی، واقعہ یہ ہے کہ پورا عالم اسلامی مشرق سے مغرب تک ایک علمی انحطاط کا شکار تھا، داغ تھکے تھکے سے اور طبعیتیں کچھ بھی سی نظر آتی تھیں، اور ایک عالمگیر جمود اور افسردگی چھائی ہوئی تھی، اگر ہم احتیاطاً اٹھویں صدی سے اس ذہنی اضمحلال کی ابتداء نہ کریں تو اس میں شبہ نہیں کہ نویں صدی ہجری لے کر ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ازخالدہ ادیب خانم۔

وہ آخری صدی تھی جب جدت فکر، قوت اجتہاد اور ادب و شاعری، حکمت و فن میں ندرت اور تخلیق کے آثار نظر آتے ہیں یہی وہ صدی ہے جس میں مقدمہ ابن خلدون جیسی مفکرانہ تصنیف عالم اسلام کو حاصل ہوئی، دسویں صدی سے بہت واضح طور پر افسردگی، شدت تقلید اور نقالی کے آثار نظر آتے لگتے ہیں یہ افسردگی اور اضمحلال کسی خاص شعبہ اور کسی خاص فن کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، دینی علوم و شعر و ادب، انشا و تاریخ، تعلیمی نصاب نظام سب کے سب کم و بیش اس سے متاثر نظر آتے ہیں پچھلی صدیوں کے علماء کے تذکرے اور کتب سوانح پڑھئے سیکڑوں ناموں میں ایک ایسے شخص کا ملنا مشکل ہوگا جس پر بقری (GENIUS) کے لقب کا اطلاق درست ہو یا جس نے کسی موضوع پر کوئی نئی چیز پیش کی ہو یا کسی خاص علم میں اس نے کوئی گرانقدر اضافہ کیا ہو پچھلی صدیوں میں ہم صرف چند افراد کا استثناء کر سکتے ہیں جو اپنے زمانہ کی عام علمی و ذہنی سطح سے بہت بلند تھے اؤ جنھوں نے دینی یا علمی دائرہ میں کوئی بڑا انقلابی کارنامہ یا علمی شاہکار پیش کیا ہے، خوش قسمتی سے ان تمام مستثنیٰ افراد کا تعلق ہندوستان کی سرزمین سے ہے ان میں سے ایک حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) ہیں جن کے کتبوبات اسلام کے علمی و دینی سرا میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور جنھوں نے پورے عالم اسلام پر گہرا اثر ڈالا ہے دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) ہیں جن کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ "ازالۃ الخفا" "الفوز الکبیر" اور رسالۃ الانصاف اپنے اپنے موضوع پر بالکل منفرد تصنیفات ہیں تیسرے ان کے صاحبزادہ شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ) جنھوں نے اپنی تصنیفات تکمیل الاذہان اور رسالہ اسرار المحبت میں بعض نئے خیالات کا اظہار کیا جو تھے شاہ اسماعیل شہید دہلوی (ش ۱۲۶۶ھ) جن کی کتاب "منصب امامت" اور "عقبات" اجتہادی شان رکھتی ہے اور اپنے اپنے موضوع پر بے نظیر ہے اسی طرح فرنگی محل کا خاندان اور یورپ کے بعض تعلیمی سلسلے اپنی ذکاوت اور طباطبی

میں بہت متنازع نظر آتے ہیں اور انھوں نے اپنے وقت کے تعلیمی حلقوں پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ مگر ان کی ذہانت اور علمی کمالات دریاات کے دائرہ سے بہت کم تجاوز کرتے ہیں۔

صرف علم دین پر منحصر نہیں، ادب و شاعری بھی اپنی زندگی اور زبانی گھونچکی تھی اور ان بھی تقلید و تہج کا غلبہ تھا، شرواں شاپردازی کو تکلف و تصنع قافیہ سپائی، لفظی صناعتی اور عبارت آرائی نے بے رونق اور بے روح بنا رکھا تھا، دوستوں کے خطوط، تاریخ کی کتابیں اور دفتری تحریریں اور فرامین بھی اس عیسے پک نہیں تھے، کہیں کہیں ادب و انشاء کا کوئی ایسا نمونہ مل جاتا ہے جو اس زمانہ کے مذاق عام سے الگ اور پست سطح سے بلند نظر آتا ہے۔

تعلیمی حلقے اور مدارس سخت جمود و تقلید کا شکار اور ایک علمی و فکری انحطاط میں گرفتار نظر آتے ہیں، متقدمین کی علم آموز اور ذوق آفرین کتابیں نصاب تعلیم سے رفتہ رفتہ خارج کر دی گئیں، ان کی جگہ پرانے متاخرین کی کتابیں آگئیں جو اپنے فن میں درجہ اجہتا و نہیں رکھتے تھے، اور متقدمین کے صرف تقلید یا شایع تھے، متون کی جگہ تشریح و حواشی نے لے لی جن کی تالیف میں ان کے مصنفین نے کاغذ کے بارے میں سخت کفایت شعاری سے کام لیا تھا، اور عام فہم اور واضح زبان کے بجائے اشارات و رموز میں لکھا تھا، اس سبب اس ذہنی و علمی انحطاط اور پستی کا اندازہ ہو گا جو پورے عالم اسلام پر طاری تھی، اور جس سے اس کا کوئی گوشہ اور زندگی کا کوئی شعبہ بچا ہوا نہیں تھا۔

ترکوں کے معاشرتی معاصر

دولت عثمانیہ کی ہمسرد و دوطاف تو زشتی حکومتیں تھیں، ہندوستان میں بنالیہ سلطنت جس کی بنیاد ۹۳۳ھ میں بابر کے مضبوط ہاتھوں سے پڑی تھی جو سلطان سلیم اول کا معاصر تھا،

اور جس کے تخت پر یکے بعد دیگرے طاقتور بادشاہ آئے، ترکی کے بعد مشرق کی سب سے بڑی
 با عظمت اور پُر شکوہ سلطنت تھی، اسی خاندان کا آخری طاقتور بادشاہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر
 تھا جو سلطنت کی وسعت، فتوحات کی کثرت، شہر اور دینداری اور دینی علم اور واقفیت میں ہندوستان
 کی پوری اسلامی تاریخ میں حاصل تیار رکھتا ہے اورنگ زیب نے ۹۰ سال سے زائد عمر پائی اور سل
 پینچاس برس حکومت کی اس کی وفات ۱۱۱۸ھ یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی،
 یہ زمانہ یورپ کی بیداری اور تعمیر و ترقی کا خاص دور ہے لیکن قسمتی سے اورنگ زیب کے سب نشین
 نا اہل، بہت ہمت اور عیش پسند مکمل، وہ یورپ کے خطرات کا مقابلہ اور امت اسلامیہ کی حفاظت
 کرنے کے اہل تو کیا ثابت ہوئے، اپنے ملک سلطنت کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور بالآخر اپنی نااہلی
 کمزوری اور نا اتفاقی سے انگریزی حکومت کے قیام و استحکام انگلستان کی ترقی و نمو اور
 صنعتی انقلاب کا باعث ہوئے اور بالواسطہ اکثر اسلامی ممالک کی غلامی کا سبب بنے۔

لہٰذا برک ایڈمز اپنی کتاب قانون تہذیب و انحطاط کے ۲۶۴-۲۶۳ پر لکھتا ہے:۔ ”جنگ پلاسی کے بعد بنگال کا
 مال غنیمت لندن میں آنا شروع ہوا اور اس کا نتیجہ بھی بہت جلد رونما ہوا، اننا برا صنعتی انقلاب جس کے اثرات
 آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں نمایاں ہیں شاید وجود ہی میں نہ آتا اگر پلاسی کی لڑائی نہ ہوئی ہوئی، کیونکہ ہندوستان ہی کا
 خزانہ اس کا محرک و مدد معاون ہوا، (۲) جب ہندوستان کا خزانہ انگلستان پر اٹنا شروع ہوا اور سرمایہ دنیا
 ہوا تو ایجاد کی تحریک بہت جلد ایک روح پیدا ہو گئی (۳) جسے دنیا وجود دے گی ہے شاید کبھی روپے سے اتنا
 منافع حاصل نہیں ہوا جتنا ہندوستان کے اہل غنیمت سے ہوا کیونکہ پچاس برس تک انگلستان کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔
 سرولیم ڈاگبی لکھتا ہے:۔ ”پلاسی کی لڑائی سے پہلے جب تک ہندوستان کے خزانے دھل دھل کر
 انگلستان نہیں آئے تھے، ہمارے ملک کا ستارہ عروج پر نہیں تھا (یعنی حقیقت ہے) کہ انگلستان کی صنعتی
 ترقی بنگال کی بے شمار دولت اور کرناٹک کے خزانوں کی بدولت ہوئی۔“ (محمود جنگلوری)

دوسری بڑی مشرقی حکومت ایران کی صفوی سلطنت ہے جو ایک بڑی تہذیب اور ترقی یافتہ سلطنت تھی لیکن شخصیت کے غلو و تعصب و زر کی حکومت نے آزادی نے اس کو کسی اور کام کی فرصت نہ دی اور وہ بہترین زمانہ (جو یورپ کی تعمیر و تنظیم کا تھا) بھی ترکی حکومت کے حدود پر حملہ کرنے اور بھی اپنی حفاظت و دفاعت میں گزر گیا۔

یہ دونوں سلطنتیں اپنے مسائل و معاملات میں ایسی الجھی ہوئی تھیں اور بیرونی دنیا سے اتنی بے تعلق و بے خبر تھیں کہ ان کو یورپ اور دوزار کے ممالک تو الگ الگ تھے شرق و وسط اور اسلامی ممالک کے حالات واقعات کی خبر نہ تھی رہا اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور معاہدے اور پورے اسلامی ممالک کا اتحاد قائم کرنے کا مسئلہ تو شاید ان حکومتوں کے ذمہ داروں کے کبھی خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی نہ مشرق کی شخصی حکومتوں سے امید ہو سکتی تھی اور نہ کسی تعلیمی اور جنگی حالات کا مطالعہ اور بیرونی ممالک سے علمی صنعتی استفادہ تو بہت دور کی بات تھی جس کی طرف کسی کا خیال جانا بھی مشکل تھا۔

اولوالعزم افراد

اس دور خزان میں بھی اسلام کا درخت برگ بار لاتا رہا اور خزان میں اس نے بعض ایسے پھول اوپھل پیدا کئے جن کی مثال موسم بہار میں بھی بکثرت نہیں ملتی اور جن کی نظیر سے دوسری قوموں کی تاریخ خالی ہے یہ دور قومی انحطاط و اضمحلال لیکن انفرادی عزیمت اور شخصی جدوجہد کا دور نظر آتا ہے متعدد ممالک میں ایسے صاحب عزم بلند جو صلا اور بیاد مغر قائم اور مجاہد پیدا ہوئے جنہوں نے ان آئادہ زوال اور برسر انحطاط قوموں اور ملکوں میں کچھ عرصہ کے لئے نئی زندگی پیدا کر دی ہندوستان میں سلطان شہ جیسا عالی ہمت بلند نظر اور شیر دل قائم پیدا ہوا جو قریب تھا کہ ہندوستان کو غیر ملکی خطر سے پاک کر دے دوسری طرف حضرت سید احمد شہید جیسا صاحب عزیمت اور متاثر دہائی

اور مجاہد پیدا ہوا جو خلافت راشدہ کے اصول و منہاج پر ایسی اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا جس کا حلقہ ہندوستان سے بخارا تک وسیع ہو اس کی دعوت و تربیت نے ہزاروں کی تعداد میں ایسے بلند سیرت مجاہد جو صلہ ایثار پیشہ داعی اور پابہی پیدا کر دیئے جنہوں نے اپنے ایمان و یقین، اللہیت و خلوص، اور دینی جوش و حمیت سے "قرونِ اولیٰ" کی یاد تازہ کر دی، لیکن قومی انحطاط اجتماعی پر گندگی اور بے نظمی اور سیاسی بے شعوری اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ ایسی عظیم اور طاقتور شخصیتیں بھی مسلمانوں کے حالات اور اُن کے تنزل و انحطاط کی رفتار میں کوئی بڑی تبدیلی نہ پیدا کر سکیں اور اُمت بحیثیت مجموعی ان مجاہدانہ اور تجدیدی کوششوں سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔

یورپ کی صنعتی و طبیعیاتی ترقیاں

سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی ہی سے ترک تنزل و انحطاط، علمی پسماندگی اور جوہر کا شکار ہو چکے تھے تاہم انسانی کایہ وہ اہم ترین عہد ہے جس کا اثر بعد کی صدیوں پر نقش ہے یورپ اس میل نپنی لمبی غیند سے بیدار ہوا تھا اور ایک جوش و جنوں کی حالت میں اُٹھ کر غفلت اور جہالت کے اس طویل زمانہ کی تلافی کرنا چاہتا تھا، وہ ہر شعبہ حیات میں گریز پاتر تھی کر رہا تھا، طبعی قوتوں کو مستحکم کائنات کے اثرات کو منکشف اور نامعلوم سمندروں اور اقلیموں کو دریافت کر رہا تھا، ہر علم و فن میں اس کی فتوحات اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے اکتشافات جاری تھے، اس مختصر مدت میں اس کے یہاں ہر علم میں بڑے بڑے محقق، موجد اور مجتہدین پیدا ہوئے گوئیکیس

COPERNICUS بروٹو BRUNOE گیلیلیو (GALILIO) کیپلر (KEPLER) اور نیوٹن NEWTON

وہ عالم اور محقق تھے جنہوں نے ہیئت و طبیعیات کا ایک جدید نظام پیدا کر دیا، سیاحوں اور جہازرانوں

یونانیس COLUMBUS واسکو ڈی گاما (KVASCO DA GAMA) وریٹین (MAGLIN)

جیسے عالی ہمت، اولوالعزم پیدا ہوئے، جنہوں نے نئی دنیا اور نامعلوم ممالک دریافت کئے۔
قوموں کی تاریخ اس دور میں نئے سرے سے ڈھل رہی تھی، اس زمانہ کا ایک ایک لمحہ
کئی کئی دن اور ایک ایک فن کئی کئی برس کے برابر تھا جس نے فرصت و تیاری کا ایک لمحہ کھو دیا اس نے
ایک طویل زمانہ ضائع کر دیا افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت لحاظ ضائع نہیں کئے بلکہ
صدیاں ضائع کیں اور یورپین قوموں نے ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکنڈ کی قدر کی اور اس سے
فائدہ اٹھایا اور صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی۔

علم و صنعت کے میدان میں ترکوں کی پسماندگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سولہویں
صدی سچی سے پہلے ترکی میں جہاز سازی کی صنعت شروع نہیں ہوئی تھی اٹھارویں صدی عیسوی
میں ترکی پریس و مطالع حفظان صحت کے مراکز اور فوجی تعلیم کے لئے طرز کے مدارس سے روشناس ہوا
اٹھارویں صدی کے آخر تک ترکی نئی ایجادات اور ترقیوں سے اس قدر بیگانہ تھا کہ جب طنطنیہ کے
باشعروں نے دارالسلطنت پر ایک بخارہ (BALOON) کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو سحر یا کیمیا کی
کرشمہ سازی سمجھے نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ترکی سے اس میدان میں بازی لے جا چکی
تھیں بلکہ مصر بھی بعض مفید چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کر چکا تھا ترکی سے چار سال
پہلے مصر میں ریلوے کا نظام قائم ہو چکا تھا، ڈاک کے ٹکٹ بھی ترکی سے چند ہینے پہلے مصر میں لےج ہو چکے تھے۔
جب ترکی کا یہ حال تھا جو عالم اسلام کا قائم تھا تو دوسرے عرب و اسلامی ممالک کا جو ترکی
کے زیر اثر یا دست نگر تھے جو کچھ حال ہو گا اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، چھوٹی چھوٹی نئی صنعتیں بھی
ابھی ان ملکوں میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھیں ایک فرانسیسی سیلح مریدو والنی (VOLNEY) نے
لے نئی ایجادات کی تاریخ مطبوعہ دارالہلال مصر۔

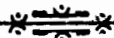
(جس نے اٹھارویں صدی میں مصر کی سیر کی ہے اور شام میں چار سال تک مقیم رہا ہے) اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ یہ ملک صنعت میں اس قدر پیچھے ہیں کہ اگر تمہاری گھڑی خراب ہو جائے تو غیر ملکی کے علاوہ کوئی درست کرنے والا نہیں ملے گا!

پھر مسلمانوں کا تنزل صرف حکمت و علوم نظر ہے اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا، حتیٰ کہ وہ اپنے فنون جنگ میں بھی یورپ سے پیچھے رہ گئے، جن میں ترکوں کو درجہ الامت و اجتہاد حاصل تھا اور ان میں ان کی فوقیت کا دنیا کو اعتراف تھا لیکن یورپ اپنی ایجاد و اجتہاد اور تنظیم کی بدولت فنون حربیہ میں بھی ترکوں سے بہت بڑھ گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوجوں نے ۱۷۷۴ء میں عثمانی افواج کو شرمناک شکست دی اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ ترک جنگی طاقت میں یورپ کی عیسائی قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں، اس واقعہ سے حکومت عثمانی کی کچھ آنکھیں کھلیں، اور اس نے چند یورپین ماہرین فن کی خدمات حاصل کر کے فوج کی از سر نو تنظیم و تربیت کا کام شروع کیا، لیکن اصلاح و ترقی کا اصل قدم سلطان سلیم ثالث نے (جس کی قصر شاہی باہر تعلیم و تربیت ہوئی تھی) انیسویں صدی کے آغاز میں اٹھایا، نئے طرز کے مدارس قائم کئے جن میں سے انجینئرنگ کالج میں وہ خود تعلیم دیتا تھا، نظام جدید کے نام سے ایک نئی فوج کی بنیاد بھی ڈالی اور سیاسی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، لیکن قوم اور سلطنت کے جمو کا یہ حال تھا کہ پرانی فوج نے بلوہ کر کے سلطان کو قتل کر ڈالا، اس اصلاحی مہم میں محمود ثانی جرنی ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۹ء تک حکومت کی) اور اس کے بعد عبدالعزیز اول (۱۸۳۹ء تا ۱۸۷۶ء) نے جانشینی کی اور ترکی نے ترقی کے کچھ قدم بڑھائے۔

لے زعماء الاصلاح فی العصر الحديث (ڈاکٹر احمد امین) ص ۱

ترقی کے میدان میں مسلمان ترکی نے جو فاصلہ طے کیا ذرا اس کا مقابلہ اس فاصلہ سے کیجئے جو یورپ کے اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں طے کیا، ترقی کے میدان میں ان دونوں کی دوڑ میں کچھوے اور خرگوش کا مقابلہ تھا، فرق اتنا ہے کہ خرگوش برابر بیدار اور مشغول تھا اور کچھو اپنی سست رفتاری کے باوجود کبھی کبھی سو بھی جاتا تھا۔

اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں مراکش، الجزائر، مصر، ہندوستان اور ترکی میں مشرق کی مسلمان اقوام اور مغربی قوموں اور طاقتوں کے درمیان جو معرکے پیش آئے ان کا فیصلہ دراصل سولہویں اور سترھویں صدی میں ہو گیا تھا، اور اسی وقت ان کے نتیجہ کی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی۔



باب پنجم

بین الاقوامی سیادتِ قیادت کا مغربی عہد اور اس کے اثرات

ترکوں کے تنزل و انحطاط سے عالمگیر طاقت و اقتدار اور ذہنی اور تہذیبی قیادت یورپ کی غیر مسلم قوموں کی طرف منتقل ہو گئی، جنہوں نے عرصہ دراز سے اس کی تیاری کی تھی اور جن کی کوئی حریف مساوی درجہ کی طاقت میدان میں نہ تھی، مغربے مشرق تک کوئی ملک ان کے اثر اور نفوذ سے خارج نہ رہا، قومیں یا تو اداوی اور سیاسی حیثیت سے ان کی غلام اور زیر فرمان تھیں، یا ذہنی علمی اور تہذیبی حیثیت سے زیر اثر اور زیر اقتدار تھیں۔

اس سے پہلے کہ ہم ان اثرات کا جائزہ لیں جو قیادت کے اس انتقال اور تبدیلی نے دنیا کی ذہنیت، قوموں کے اخلاق، تمدن و اجتماع، اور انسانی میلانات رجحانات میں پیدا کیا اور اس کا فیصلہ کریں کہ انسانیت کو اس انقلاب سے فائدہ پہونچا یا نقصان، یہ ضروری ہے کہ ہم مغربی تمدن کی فطرت، ساخت اور روح کو اور ان مؤثر قوموں کے فلسفہ زندگی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ دیکھیں کہ وہ کیسے پیدا ہوا اور اُس نے کس طرح نشو و نما حاصل کی۔

مغربی تہذیب کا شجرہ نسب

بیسویں صدی کی مغربی تہذیب (جیسا کہ بعض سطحی النظر سمجھتے ہیں) کوئی ایسی نوعمر تہذیب نہیں ہے جس کی پیدائش پچھلی صدیوں میں ہوئی ہے، دراصل اس کی تاریخ ہزاروں سال کی پرانی ہے اس کا نسب تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے ہے ان دونوں تہذیبوں نے اپنے ترکہ میں جو سیاسی نظام، اجتماعی فلسفہ، اور عقلی و علمی سرمایہ چھوڑا تھا، اس کے حصہ میں آیا اس کے سارے رجحانات اور خصوصیات اس کو سلا بعد نسل منتقل ہوئے۔

یونانی تہذیب مغربی ذہنیت کا سب سے پہلا واضح مظہر اور نمونہ تھی یہ پہلا تمدن تھا جو خالص مغربی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہوا اور اس میں مغربی نفسیات کا پورے طور پر ظہور ہوا، یونانی تہذیب کے کھنڈر پر رومی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی جس میں ایک ہی مغربی روح کام کر رہی تھی، مغربی نویم صدیوں تک ان دونوں تہذیبوں کی خصوصیات اور مزاج، ان کے فلسفہ، علوم و ادب افکار کو سینہ سے لگائے رہا انیسویں صدی میں انھیں خصوصیت کے ساتھ انھوں نے ایک نئے لباس میں ظہور کیا، اس لباس کی چمک دک سے دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ نیا ہے لیکن دراصل اس کا نامانا یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھ کا کاٹا ہوا ہے۔

اس بنا پر ضروری ہے کہ ہم پہلے یونانی اور رومی تہذیب سے واقفیت پیدا کریں اور ان کے مزاج اور روح کو پہچان لیں تاکہ ہم بصیرت کے ساتھ بیسویں صدی کی مغربی تہذیب کی تنقید کر سکیں۔

یونانی تہذیب

یونانی تہذیب کی تحلیل و تنقید کرنے سے ان اجزاء کو نظر انداز کر دینے کے بعد جو ان میں

بلکہ فروعات اور مظاہر ہیں اور جو عام انسانی تہذیبوں کے درمیان مشترک ہیں اس کا ایک مخصوص مزاج معلوم ہوتا ہے، اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ غیر محسوسات کی بے وقتی اور ان میں اشتباہ۔
- ۲۔ خشوع و خضوع اور روحانیت کی کمی۔
- ۳۔ دنیاوی زندگی کی پرستش اور دنیاوی فوائد و لذائذ کا اہتمام شدید۔
- ۴۔ حب وطن میں افراط و غلو۔

ہم ان متعدد اجزاء اور پہلوؤں کو اگر ایک مفرد لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو اس کے لئے تنہا مادیت کا لفظ کافی ہے، پس یونانی تہذیب کا ماہر الاقبا زما دیت ہے یونانیوں کا علم فلسفہ شاعری حتیٰ کہ دین سب ان کی مادی روح کی غمازی کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی قدرت کا تصور مختلف دیوتاؤں کی شکل کے بغیر نہ کر سکے، انھوں نے ان صفات کے بُت تراشے اور ان کے لئے مجید تعمیر کئے تاکہ محسوس طریقہ پر ان سے تعلق رکھیں، ان کے ہاں ایک روزی کا دیوتا تھا، ایک رحمت کا اور ایک قہر و عذاب کا، پھر ان کی طرف انھوں نے مادی جسم کے تمام خصوصیات اور تعلقات منسوب کئے اور ان کے گرد فقے کہانیوں کا ایک جال پھیلا دیا انھوں نے معانی مجرہ کو بھی اجسام و اشکال کی شکل میں پیش کیا چنانچہ ان کے نزدیک محبت کا ایک دیوتا تھا، اور ایک حُسن کا، ارسطو کے فلسفہ میں عقول عشرہ اور افلاک تسع کا جو شجرہ ملتا ہے وہ بھی اسی مادی عقلیت کا کرشمہ ہے جس کے اثر سے یونانی فطرت کبھی آزاد نہیں ہونے پائی۔

مغربی علماء نے بھی یونانی تہذیب میں مادیت کے غلبہ کو تسلیم کیا ہے اور اپنی تصنیف اور علمی مباحث میں اس کی طرف متوجہ کیا ہے، چند سال پہلے ڈاکٹر اس نے جنیوا میں "یورپی تمدن کیا ہے؟" کے عنوان سے تین لکچر دیئے تھے، ان کا ایک فقہاس خالدہ ادیب خاں کے توسط سے پیش کیا جاتا ہے:-

”موجودہ مغربی تمدن کا مرکز قدیم یونانی تمدن تھا۔ اس کا اصل اصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشوونما اور سب سے بڑا معیار خوبصورتی اور سڈول جسم سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ زور محسوس ہے جہاں تربیت، ورزشی کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی، ذہنی تعلیم جو شاعری، موسیقی، ڈراما، فلسفہ، سائنس وغیرہ پر مشتمل تھی، ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی تاکہ ذہن کی ترقی سے جسم کو نقصان نہ پہنچنے پائے، یونان کے مذہب میں نہ روحانیت کا عنصر ہے، نہ باطنیت کا، نہ علم دین ہے، نہ پیشوایانِ دین کا طبقہ“

متعدد مغربی علماء نے یونانیوں کی دینی کمزوری اور اس کی بے اثری، خشیت و خوف اور مذہبی اعمال و رسوم میں سنجیدگی کی کمی اور کھیلوں اور تفریحات کی کثرت کا ذکر کیا ہے، تاریخ اخلاق یورپ کا مصنف ”لیکی“ لکھتا ہے کہ یونانی تحریک تمام تر عقلی اور دماغی تھی، بحالات اس کے مصری تحریک کی سرروحانی و باطنی تھی، وہ رومی مصنف آپولیس کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ ”مصری دیوتاؤں کی عزت آہ و زاری سے تھی اور یونانی دیوتاؤں کی رقص و سرود سے“ پھر خود کہتا ہے کہ ”اس میں شبہ نہیں کہ اس مقولہ کے آخری جزء کی تصدیق تاریخ یونان میں قدم قدم پر ہوتی ہے، درحقیقت کسی مذہب کے مراسم میں جشن، کھیل اور تماشوں کی اتنی آمیزش نہیں پائی جاتی جتنی اس میں اور نہ کسی مذہب میں خوف و دہشت کا عنصر اس قدر قلیل پایا جاتا ہے، جتنا اس میں، اس مذہب میں خدا کا تقدس برابر اسی درجہ کا تھا جتنا کسی بزرگ شخص کا ہوتا ہے اور اسے چند معمولی مراسم کے ساتھ یاد کرنا اس کی عظمت و تجید کے لئے بالکل کافی تھا!“

لیکن حقیقت قطعاً قابلِ استعجاب نہیں، مغرب کی مادہ پرست اور غرور محسوسات

لے تاریخ اخلاق یورپ از لیکی ترجمہ مولانا عبدالمجید دریا بادی ص ۲۶۹-۲۷۶

فطرت و مزاج کے علاوہ یونانیوں کا فلسفہ الہیات اور اس کے عقائد کی ساخت کچھ ایسی ہی واقع ہوئی تھی کہ خشوع و خضوع انابت اور رجوع الی اللہ کی کیفیت اُن میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی ذات باری کے تمام صفاتِ قسم کے اختیارِ فعل و تصرف اور خلق و امر کی نفی کرنے اور اس کو بالکل بے صفت اور معطل قرار دینے اور اس کائنات کی پیدائش و انتظام کو اپنے خود تراشیدہ اور مفروضہ عقلِ فحال کی طرف منسوب اور اس سے وابستہ کرنے کا طبعی اور عقلی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ زندگی میں خدا کی کوئی ضرورت اور اس سے کوئی تعلق اور پچی باقی نہ رہ جائے نہ اس سے کوئی امید ہو اور نہ اس کا کوئی خوف نہ دل میں اس کی ہیبت ہو اور نہ محبت اور نہ ضرورت و مصیبت کے وقت اس سے دعا و التجا ہو اس لئے کہ وہ اس فلسفہ کے مطابق ایک بالکل معزول و معطل ہستی ہے جس کو عالم میں تصرف کرنے کا نہ کوئی اختیار ہے نہ طاقت و عقلِ اول پیدا کر کے عالم سے بالکل بے تعلق و کنارہ کش ہو گیا، اس لئے اس عقیدہ کے ماننے والوں کی زندگی عملاً ایسی گزرتی ہے اور گزرنی چاہئے کہ گویا خدا نہیں ہے اور نہ کریں خدا کی زندگی سے سوائے اس تاریخی بیان کے کہ خدا نے عقلِ اول کو پیدا کیا ہے اور کبھی حیثیت سے ممتاز نہیں پس جب ہم یہ سنتے ہیں کہ یونانیوں میں خشوع اور خضوع کی کمی تھی اور ان کی عبادات اور مذہبی اعمال ایک قالبِ بے روح سے زیادہ نہ تھے اور وہ یہ کہ خدا کی بزرگوں سے زیادہ تعظیم نہیں کرتے تھے تو ہم کو ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ تاریخ میں آدمی سیکڑوں صناعتوں اور موجدوں کا تذکرہ پڑھتا ہے لیکن کبھی ان کی طرف سے اس کے دل میں خشوع اور خضوع اور ان سے بندگی کا ربط نہیں پیدا ہوتا، بندگی کا تعلق تو اس وقت پیدا ہوتا جب خدا کو اس کائنات میں متصرف اور کارفرما اور اپنے کو اس کا محتاج سمجھتے۔

دنوی زندگی کے انتہائی شوق و محبت اس کی قدر و قیمت میں افراط و غلو و محبتوں اور

تصادف کے شغف، سرود و موسیقی کے انہماک، فنونِ لطیفہ کی قدردانی، اور غیر محدودی آزادی پر بالآخر آمیز زور دینے سے یونانی اخلاق و معاشرت پر بڑا اثر پڑا، اخلاقی استری اور ہر نظام کے خلاف بغاوت و احتجاج روزمرہ کا فیشن بن گیا، خواہشاتِ نفس کی پیروی زندگی سے زیادہ سے زیادہ متمتع اور لطف اندوزی اور بوالہوسی، روشن خیالی اور آزادی کا نشان سمجھا جانے لگا، سقراط ایک جمہوری نوجوان کی سیرت اور طرز زندگی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ بیسویں صدی کے روشن خیال اور زندہ دل نوجوان کا سراپا اس سے ذرا مختلف نہیں معلوم ہوتا۔

”اگر اس سے کہا جاتا ہے کہ انسان کے سارے شوق اور خواہشات کیاں قابلِ احترام اور تعمیل کے لائق نہیں بعض خواہشات پسندیدہ اور لائقِ احترام ہیں اور ان کی تکمیل تعمیل پس کوئی مضائقہ نہیں اور بعض ناروا و ناپسندیدہ ان سے اجتناب ہی بہتر اور ان پر پابندی اور بندش عائد کرنا ضروری ہے وہ شخص اس صحیح قانون کو قبول نہیں کرتا اور اس کے سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا جب اس کے سامنے یہ مقول باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ مسخر کے ساتھ اپنا سر لانا ہے اور بڑے زور کے ساتھ یہ تقریر کرتا ہے کہ انسان کی تمام خواہشات اور اس کے سارے شوق کیاں قابلِ احترام ہیں، اسی کے مطابق وہ اپنی زندگی بھی گزارتا ہے اور اپنے تمام خواہشاتِ نفس کی تسکین اور اپنے ہر شوق کی تکمیل کرتا رہتا ہے اور جس وقت اس کا جس بات کا جی چاہتا ہے لگتا ہے کبھی وہ مددِ ہوش و بدستِ نغمہ و سرود میں مشغول لے گا، اور کبھی اس کو خیال آجائے گا تو برت رکھ کر صرف پانی پیئے پر اکتفا کرے گا کبھی فوجی تربیت اور قواعد دیکھتا ہوا نظر آئے گا کبھی بالکل بیکار اور شست دکھائی دے گا اور ہر چیز کو بالائے طاق رکھ دے گا کبھی فلسفیانہ زندگی بسر کرنے لگے گا، دوسرے وقت میں ریاضی زندگی میں شریک ہو جائے گا

اور وقت کے تقاضہ کے مطابق تقریر کرتا ہوا سنا جائے گا کبھی فوجی لوگوں کی تعریف کرنے لگے گا اور ان کی طرف اُس کا میلان پیدا ہو جائے گا کبھی کامیاب تاجر پر رشک کر کے تجارت شروع کرنے کا غرض اس کی زندگی کا کوئی نظام اور ضابطہ نہیں لطف یہ ہے کہ وہ اس زندگی کو بہت پر لطف اور خوشگوار اور آزاد سمجھتا ہے اور آخر تک اسی طرز پر زندگی گزارتا ہے!

مغربی فطرت اور مزاج کا ایک خاصہ وطن پرستی ہے ایشیائے مقابلہ میں وطنیت کا جذبہ یورپ میں زیادہ قوی اور عام ہے اس میں کچھ جغرافیائی حیثیت کا بھی دخل ہے ایشیائے طبعی علاقے زیادہ وسیع مختلف قسم کی آب و ہوا پہاڑ اور انسانیوں کی مختلف قسموں پر مشتمل ہیں وہ زیادہ زرخیز ہیں اور زندگی کے وسائل کی ان میں فراوانی ہے اس بنا پر عظیم ایشیائے مملکت کا میلان فطری طور پر وسعت اور عمومیت کی طرف ہے اور اس کی سرزمین میں دنیا کی وسیع ترین سلطنتیں قائم ہوئیں اس کے برخلاف یورپ میں زندگی کی کشش تنازع البقاء شدید اور مسلسل طریقہ پر پائی جاتی ہے اس کی آبادی گنجان علاقے تنگ اور وسائل محبت محدود ہیں پہاڑوں اور دریاؤں کی طبعی سرحدوں نے مغربی اقوام کو مستقل تنگ فطری دائروں میں محصور کر دیا ہے خصوصاً یورپ کا وسطی مغربی اور جنوبی حصہ وسیع ریاستوں کے نشوونما کے لئے موزوں نہیں اس لئے قدیم یورپ میں بھی سیاسی تصور شہری ریاستوں سے آگے نہیں بڑھ سکا جن کا رقبہ پیدل سے زیادہ وسیع نہیں ہوتا تھا لیکن وہ بالکل خود مختار ہوتی تھیں اس کا سب سے بڑا نمونہ یونان میں ملتا ہے جہاں قدیم ترین عہد سے بیسوں چھوٹے چھوٹے خود مختار شہروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

اس بنا پر یہ بات قابل استغناء نہیں کہ یونانی وطنیت پر حکم ایمان رکھتے تھے، یہی

لے ریاست“ از افلاطون۔

تسلیم کرتا ہے کہ یونان میں وطنیت ہی کا غلبہ تھا، اور جہانیت یا آفاقیت جس کے متعلق کبھی سقراط اور انکساغورس نے اظہار خیال کیا ہے کوئی مقبول خیال اور مذہب نہیں تھا اور اس کے حامی یونان میں نہیں تھے، اسطو کا سارا نظام اخلاق یونانی اور غیر یونانی کی تفریق پر مبنی ہے، اجاء حکماء سے فضائل اخلاق کی جو فہرست تیار کی گئی تھی، اس کا عنوان اولین جنگ لڑنی تھا، اسطو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ یونانیوں کے لئے غیر ملکیوں کے ساتھ وہی برا و واجب ہے جو وہ حیوانات کے ساتھ کرتے ہیں، اس طرز خیال کا یونانی حلقوں میں اتنا اثر اور غلبہ ہو گیا تھا کہ جب ایک فلاسفر نے یہ کہا کہ میری ہمدردیوں کا حلقہ صرف میرے ذاتی وطن تک محدود نہیں بلکہ سارے یونان پر محیط ہے تو لوگ حیرت و استعجاب کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

رومی تہذیب

یونانیوں کے جانشین رومی ہوئے اور قوت مملکت کی تنظیم سلطنت کی وسعت اور عسکری صفائیں ان سے فوقیت لے گئے، لیکن علم و فلسفہ ادب شاعری، تہذیب و شائستگی اور تمدن میں وہ یونانیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے، ان چیزوں میں یونانیوں کا سکہ تمام دنیا پر اور خود فاتح رومیوں کے دلوں پر بٹھایا ہوا تھا، رومی ابھی اپنے عسکری دور میں تھے، اس لئے انھوں نے طبعی طور پر ذہنی کمالات اور لطافت و نفاست کی باتوں میں یونانیوں ہی کو اپنا امام تسلیم کیا اور انھیں کے علوم فلسفہ اور خیالات کی خوشہ چینی کی، لیکن لکھتا ہے کہ یونانی اپنا گراؤ نقد علم و ادب صد ہا سال سے رکھتے آئے تھے، دران حالیکہ روماد و عسکریت میں تھا، احواد کا ثنائیت تک نہیں رکھتا تھا، بلکہ جس کی زبان تک ادائے مطلب و خیالات عالیہ کی ترجمانی میں قاصر تھی،

لئے تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۶۲، ۱۸۶

روما کی اس علمی ہستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یونانی تمدن سے مغلوب ہو جائے، اور ہر شعبہ علم میں سے مرعوب رہے، چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ قدیم ترین رومی مورخین یونانی ہی زبان میں تصنیف کرتے تھے، اور یہ دستور عرصہ دراز تک قائم رہا اور اکیلی تصانیف اور تالیف پر کیا موقوف ہے، اطوار و خصال، طرز معاشرت، جذبات و احساسات، غرض ہر شعبہ حیات میں یونانی تمدن رومی تمدن پر غالب آگیا، رومی بلا تکلف یونانیوں کی تقلید کرتے تھے، اور اس تقلید پر فخر کرتے تھے، اس طرح علم و ادب اور عادات و اخلاق کے ذریعہ یونانی قوم کا فلسفہ اور کلچر بلکہ یونانی نفسیات رومیوں میں منتقل ہو گئی، اور ان کے رگ و پے میں پیوست ہو گئی، یوں بھی رومی اپنی مغربی فطرت و مزاج کی وجہ سے نصری خصوصیات میں کچھ زیادہ مختلف نہ تھے، زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں دونوں کے درمیان بڑی حد تک شبہیت تھی، محسوساً پر رومی بھی یقین کرنے کے عادی تھے، زندگی کی قدر و قیمت میں یہاں بھی اتنا ہی غلو اور افراط تھا، دینی عقائد و حقائق کے بارے میں بھی بہت ضعیف الایمان اور آزاد خیال تھے، مذہبی نظام اور مذہبی اعمال و رسوم کا کوئی خاص احترام اور وقار نہ تھا، قومیت اور وطنیت میں یہاں بھی قدرت اور مبالغہ پایا جاتا تھا، مزید یہ کہ طاقت کا احترام عبادت اور تقدیس کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔

رومی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی اپنے مذہب و عقائد میں راسخ الایمان نہ تھے اور درحقیقت وہ اس بارے میں موند بھی ہیں اس لئے کہ جو مشرکانہ اور وہم پرستانہ مذہب روم میں رائج تھا، اس کا مقتضایہ تھا کہ رومی علم میں جس قدر ترقی کرتے جائیں اور ان کے دماغ روشن ہو جائیں اتنی ہی اس مذہب کی بے توقیری اور اس کی عظمت میں کمی واقع ہو جائے اور یہ لوگ بالآخر نے پہلے ہی دن سے طے کر لیا تھا کہ دیوتاؤں کو سیاست اور دنیا سے کوئی تعلق

لے تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۷۷

نہیں، سسرو (CICERO) بیان کرتا ہے کہ تھیٹری میں جب اس مضمون کے اشعار پڑھے جاتے تھے کہ دیوتاؤں کو دینیوی معاملات سے کوئی سرکار نہیں تو لوگ انھیں نہایت ذوق و شوق سے سنتے۔ سینٹ آگسٹان (S. AUGUSTINE) وغیرہ حیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ میری رومن بُت پرست مندروں میں تو دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور تھیٹروں میں ان کے ساتھ تمسخر کرتے تھے؛ رومی مذہب کی گرفت اپنے پیروؤں پر اتنی ڈھیلی ہو گئی تھی اور جذبہ مذہبی اتنا سرد پڑ چکا تھا کہ لوگ بعض اوقات دیوتاؤں کے ساتھ بے ادبی اور اشتعال میں اگر گستاخی کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے، لیکن لکھتا ہے کہ مذہب کا اخلاقی اثر تقریباً بالکل فنا ہو گیا۔ جذبہ تقدس تقریباً مٹ گیا اور اس کے مظاہر ہر شخص کو نظر آنے لگے چنانچہ جب غطس (AUGUSTUS) کا بیڑہ غرق ہو گیا تو اس نے غصہ میں گرنبچوں (NEPTUNE) (سمندر کے دیوتا) کے بُت کو سمار کر دیا جب جرمیکس (JERMANICUS) کا انتقال ہوا تو لوگوں نے دیوتاؤں کے قربان گاہوں پر خوب پتھراؤ کیا۔

رومی قوم کے اخلاق، سیاست اور معاشرت میں مذہب کا کوئی اثر اور ان کے احسا اور سیلانات پر اس کا کوئی اقتدار و نگرانی باقی نہیں رہی تھی مذہب میں کوئی گہرائی اور قوت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ دل کی گہرائی سے اُبھرنا اور روح پر حکومت کرنا، وہ محض ایک رسم و رواج بن کر رہ گیا تھا، سیاست و محنت کا تقاضا تھا کہ خواہ وہ برائے نام ہی ہے لیکن کسی کی مکمل میں باقی رہے، لیکن لکھتا ہے رومی مذہب کی اصل بنا خود غرضی پر تھی اس کا مطمح نظر اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ افراد قدّمہ الحال رہیں اور عوام اور مصائب محفوظ رہیں چنانچہ اسی کا اثر تھا کہ رومیوں کو صدمہ ہیر و جان باز پیدا ہوئے لیکن نفس کش زاد ایک بھی نہ اٹھا، یہاں ایثار کی جو بہتر سے بہتر مثالیں ملتی ہیں وہ بھی مذہب کے اثر سے

لے تاریخ اخلاق یورپ ۱۳۷۷ء ۱۲۷۷ء ایضاً ۱۳۸۷ء ۱۳۷۷ء ایضاً ۱۳۸۷ء

آزاد اور وطن پرستی پر مبنی تھیں!

رومیوں کا ایک بڑا امتیاز و خصوصیت ان کی شاہنشاہیت پسندی اور استعمار
روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطہ نگاہ ہے، یہی وہ ترک ہے جو موجودہ یورپ کو اپنے روی اور قول
سے ملے جو سن نو مسلم عالم محمد اسد حصن نے اپنی کتاب (ISLAM AT THE CROSS ROADS) میں
اس کا بڑی خوبی سے تذکرہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

”رومی شہنشاہی پر جو خاص خیال حاوی تھا وہ محض ملک گیری کا خیال اور اور وطن
کے لئے دوسری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا، رومی رؤساء
و امراء اور ادب و نچے طبقہ کے لوگ اپنے لئے فائزہ البالی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل
کرنے کے لئے کسی ظلم و بے دردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے، باقی وہ رومی انصاف جس کا بڑا اثر ہر
ہے، وہ محض رومیوں کے لئے تھا، یہ مخصوص سیرت اور گیر زندگی اور تمدن کے محض مادی
تصور ہی پر قائم ہو سکتا تھا، اگرچہ ان کی مادیت میں کچھ آراستگی اور لطافتِ ذوق پیدا
ہو گئی تھی، لیکن تمام روحانی قد:۔۔۔ سے وہ بالکل بیگانہ تھے، رومیوں نے کبھی بھی بخیرگی
اور اوقیت کے ساتھ وینداری انیسار نہیں کی تھی، ان کے تقلیدی دیوتا محض یونانی
حکایات و خرافات کی پیکر نقل تھے، انھوں نے محض اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور
قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح کو تسلیم کر لیا تھا، وہ ان دیوتاؤں کو اپنی عملی زندگی
میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے، ان کا کام صرف اتنا تھا کہ جب ان سے
فرمائش کی جائے تو اپنے مجاروں کی زبانی پیشین گوئیاں کر دیں، لیکن ان کو انھوں نے
یقین کبھی نہیں دیا تھا کہ وہ لوگوں پر اخلاقی قوانین نافذ کریں!“

لے تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۳۶ ۵۲ ایضاً ص ۳۸-۳۹

جمہوری دور کے آخر میں روم میں اخلاقی انحطاط اور حیوانی ہوس رانی اور تشیش کا ایسا سیلاب آیا کہ رومی اس میں بالکل ڈوب گئے اور وہ اخلاقی نظام و ضوابط جو رومی قوم کی ابتدائی خصوصیت تھی خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے، اجتماع اور معاشرت کی حمارت میں ایسا ترزل آ گیا کہ قریب تھا کہ وہ زمین پر آئے، ڈاکٹر ڈیر نے اپنی مشہور کتاب ”مورکھ مذہب سائنس“ میں اس کی قلمی تصویر یہی ہے، وہ لکھتا ہے:-

”جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنتِ ومانتہائے ترقی پر فائز ہو گئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہ اخیر کو پہنچ چکی تھی اہل روم کی عیش پرستی و عشرت پسندی کی کوئی انتہاء رہی تھی ان کا اصول یہ تھا کہ انسان کو چاہئے کہ زندگی کو ایک سلسلہ العیش بنائے پاک بازی حظِ نفس کے خوانِ نعمت پر بسزائے نکلے ان ہے اور اعتدال سلسلہ حظِ نفس کی درازی کا محض ایک ذریعہ ہے ان کے دسترخوان سونے چاندی کے باسنوں سے جن پر جواہرات کی پچھ کاری ہوتی تھی بھلکتے ہوئے نظر آتے تھے ان کے ملازم زرق برق پوشائیں پہنچان کی خدمت کے لئے کمر بستہ کھڑے رہتے تھے، اہرویانِ روم جو عام طور پر عصمت کی طلباء زنجیر کی قید سے آزاد تھیں ان کی مستی انگیز مصیبتوں کا نطفہ دوبالا کرنے کے لئے موزاں رہتی تھیں، عالی شان حاموں، دل کش تماشوں کا ہوا اور ہوش آفرین دنگلوں سے جن میں پہلوان بھی ایک دوسرے سے اور کبھی وحشی دزدوں سے اس وقت تک معترف زور آزمائی دیتے تھے، جب تک کہ حریفوں میں سے ایک ہمیشہ کے لئے خاکِ خون میں سوز جائے اہل روم کے سامانِ تعیش پر مزید اضافہ ہوتا تھا، دنیا کے ان فائنوں کو تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ عبادت اور پرستش کے لائق

اگر کوئی شے ہے تو وہ قوت ہے اس لئے کہ اسی قوت کی بدولت تمام اس سرایہ کا حاصل کرنا ممکن ہے جو محنت اور تجارت کی مسلسل جاکھاپیوں اور غرق ریز یوں پیدا ہوا ہے مال اور املاک کی مضبوطی صوبہ جات کے محاصل کی تشخیص زور بازو کی بدولت جنگ میں کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے اور فرائز وائے دولت رو اس زور و قوت کا نشان یا علامت ہے غرض روم کے نظام تمدن میں جاہ و جلال کی ایک جھلک تو نظر آتی تھی لیکن یہ جھلک اس نمائشی ملت کی چمک کے مشابہ تھی جو یونان عہد قدیم کی تہذیب پر چڑھ گیا تھا!

عیسائیوں کی آمد اور رومیوں کا قبول مسیحیت

ایک بڑا انقلاب انگیز واقعہ جس کی اہمیت کو کوئی تواریخ نظر انداز نہیں کر سکتا عیسائیت کا بُت پرست روم کے تخت سلطنت پر فائز ہو جانا ہے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ قسطنطین جس نے مسیحیت قبول کر لی تھی ۳۳۰ء میں شہنشاہان روم کے تخت پر بیٹھا اور اس طرح سے مسیحیت نے قدیم بُت پرستی پر فتح پائی اور دفعۃً اس کو ایسی وسیع سلطنت اور غیر محدود اختیار و اقتدار حاصل ہو گیا جس کا وہ خواہ نہیں دیکھ سکتی تھی، چونکہ قسطنطین کو عیسائیوں کی ہر فریاد فداکاری اور زبردست قربانیوں سے تخت سلطنت ہاتھ آیا تھا، اس لئے اس نے عیسائیوں کو اس کا پورا صلہ دیا اور سلطنت میں پورے طور پر شریک کیا۔

مسیحیت میں بت پرستی کی آمیزش

لیکن حقیقت مذہب عیسوی کے لئے یہ ایک بڑا نامبارک واقعہ تھا اس نے عظیم الشان

۱۰ مرکز مذہب و سائنس مترجم مولوی ظفر علی خاں ۱۹۵۰ء

سلطنت تو حاصل کر لی لیکن بڑی قیمتی مذہبی متاع کھودی، عیسائی میدان جنگ میں تو فتحیاب ہوئے لیکن مذاہبِ ادیان کے معرکہ میں انھوں نے شکست کھائی رومی بُت پرستوں اور خود عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا، اس میں سب سے بڑا ہاتھ خود مسیحیت کے محافظ ناموس اور علم بردار اعظم قسطنطین کا ہے، ڈیرپر لکھتا ہے:-

”فاتح اور کامیاب جماعت کے ساتھ جو کوئی شریک ہوا اسے بڑے بڑے عہدے اور مرتبے ملنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دار لوگ جنھیں مذہب کی خس برابر بھی پروا نہ تھی، مسیحیت کے سب سے زیادہ جو فیلے حامی ہو گئے، چونکہ وہ بظاہر عیسائی لیکن باطن مُشرک بُت پرست تھے، لہذا ان کے اثر کا وجہ سے عیسائیت میں بت پرستی و شرک کے عناصر کی آمیزش شروع ہو گئی، قسطنطین نے کہ وہ بھی انھیں کاہن مشرب تھا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جس سے ان کے اس منافقانہ طرز عمل کا سدباب ہو، قسطنطین کی ساری عمر سیاہ کاریوں میں گزری اور کہیں آخری وقت (۳۳۷ء) میں جا کر اس نے ان مذہبی مراسم کی پابندی کی جن پر عمل کرنے کی کلیسا ہدایت کرتا ہے۔

اگرچہ عیسائی جماعت اس قدر قوی ہو چکی تھی کہ جس شخص کو اس نے اپنے گون کا سمجھا اسے تخت پر بٹھا دیا لیکن یہ قدرت اُسے کچھ بھی حاصل ہوئی تھی کہ اپنے حریف یعنی بُت پرستی کا استیصال نہ کر سکے، دونوں کی باہمی کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اُصول شیر و شکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بُت پرستی و عیسائیت دونوں کی شاخیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں، عیسائیت اور اسلام میں اس بارہ میں یہ بڑا فرق ہے کہ اسلام نے اپنے مدِّ مقابل کو مطلقاً نیست و نابود کر دیا اور اپنے حقائق کو

لے معرکہ مذہب و سائنس ۵۳-۵۴

بلکسی آمیزش کے شائع کیا۔

اس شہنشاہ کو جو محض دنیا کا بندہ تھا، اور جس کے مذہبی اعتقادات جس سے بھی کم وقت رکھتے تھے، اپنا ذاتی قائمہ سلطنت کی یہودی اور دونوں مخالف جماعتوں یعنی عیسائیوں اور بُت پرستوں کی بھلائی اس میں نظر آئی کہ جہاں تک ہو سکے ان میں یگانگت و ارتباط پیدا کیا جاتا اور تو اور راسخ الاعتقاد عیسائیوں تک کو اس حکمتِ علی سے چنناں اختلاف نہ تھا اس لئے کہ شاید یہ سمجھتے تھے کہ نئی تعلیم کی شاخ میں اگر پُرانے عقائد کا پسند لگا دیا گیا تو مذہبِ جدید کو بہت جلد ترقی ہو جائے گی اور آخر کار نجاتوں کی آمیزش سے پاک ہو کر سچا مذہب باقی رہ جائے گا۔

بُت پرستی اور سحیت کا یہ محض مرکب جس سے سچی مذہب کی رُوح اور اس کا حُسن بھل چکا تھا، اس لائق نہ تھا کہ رومیوں کی برہم رنحطاط سیرت و اخلاق کو سنبھال سکے اور ان میں پاک صاف مذہبی زندگی کی رُوح پھونک سکے اور رومیوں کی تاریخ میں اور بالواسطہ دنیا کی تاریخ میں ایک نئے تابناک عہد کا آغاز کر سکے، اس کے برخلاف اس نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو شاید انسانیت و تمدن کے حق میں بُت پرست روم کی حیوانیت سے زیادہ وبال جان تھی یورپ کی مادہ پرستی اور لادینیت میں اس مردم آزار اور آدم بیزار دشمن فطرت رہبانیت کو بہت کچھ دخل ہے اس لئے کچھ تفصیل کے ساتھ اس کے تذکرہ کی ضرورت ہے۔

جنون رہبانیت

رہبانیت میں اتنا غلو اور افراط پیدا ہو گیا تھا کہ اس زمانہ میں اس کا قیاس کربابی

لہ مرکز مذہب و مائٹس ص ۱۱

شکل ہے تاہم اخلاق یورپ سے اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

راہبوں اور زاہدوں کی مجموعی تعداد مؤرخین کے اختلاف بیان کی وجہ سے قطعی طور پر نہیں بتائی جاسکتی تاہم ان کی کثرت اور تحریک رہبانیت کی اشاعت و مقبولیت کا اندازہ اعداد ذیل سے ہو سکتا ہے سینٹ جروم کے زمانہ میں ایسٹر کی تقریب پر تقریباً پچاس ہزار راہبوں کا مجمع ہوتا تھا، پچھتی صدی میں صرف ایک راہب کی اتھنی میں پانچ ہزار راہب تھے، سینٹ سیریلین کی اتھنی میں دس ہزار راہب تھے، اور پچھتی صدی کے خاتمہ پر تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ صغیٰ خود مصر کے شہریوں کی آبادی تھی تقریباً اسی قدر ان زاہدوں اور راہبوں کی تھی، دو چار سال نہیں کوئی پورے دو سو سال تک جسم کشی منتہا مے اخلاق کبھی جاتی رہی، مؤرخین نے اس کا بڑی لرزہ خیز مثالیں پیش کی ہیں، سینٹ میکیریس اسکندریہ کی بابت مشہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا کئے تاکہ ان کے برہنہ جسم کو زہریلی کھیاں ڈیس، نیز یہ کہ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لائے رہتے تھے، ان کے مرید سینٹ یوسیس تقریباً دو من لوہے کا وزن لائے رہتے تھے، اور تین سال تک ایک خشک کنویں کے اندر مقیم رہے، ایک مشہور راہب یوحنا کے متعلق منقول ہے کہ وہ فصل تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہے ایک مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے، جب بہت تنہک جاتے تو چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتے بعض زاہد باس کسی قسم کا نہیں استعمال کرتے تھے، ستر پوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بالوں سے لیتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلتے تھے، راہبوں کے مکں علی العموم اس وقت مکانات نہیں ہوتے تھے، بلکہ وحشی و دندوں کے غار خشک کنویں یا قبرستان ہوتے تھے، اہل زہد کا ایک طائفہ صرف گھاس کھاتا تھا، اجم کی طہارت روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی، اور جو زاہد مرتبہ زہد میں عینی زیادہ ترقی کرتے جاتے تھے، اسی قدر

وہ مجتہد عفوئیت و غلاظت ہوتے، سینٹ اٹھینس نہایت فخر سے بیان کرتا ہے کہ سینٹ اٹھینس
 یس کیرتھی کبھی مدت العمر اپنے پردھونے کے عصیاں کا ترکیب نہیں ہوا، سینٹ ابراہام نے
 پنجاہ سالہ سیحی زندگی میں اپنے چہرہ یا سپریر پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی، راہب لگز نڈر
 بڑے تائمت اور تجر سے فرماتے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا جب ہم اے اسلاف منجھ دھونا حرام
 جانتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حرام جایا کرتے ہیں راہب معلوموں کا بھیس بدلے ہوئے پھرتے
 تھے، اور بچوں کو پھیل پھسلا کر اپنے حلقہ میں شامل کرتے تھے، والدین کا اپنی اولاد پر کوئی اختیار
 نہیں رہ گیا تھا، جو اولاد انھیں چھوڑ کر تارک الدنیا ہو جاتی تھی، اس کے نام پر سبک میں
 ہر طرف واہ واہ ہوتی تھی، پہلے جو اثر و اقتدار بزرگ خاندان یا والد کو حاصل ہوتا تھا،
 وہ اب پادریوں اور راہبوں کی طرف منتقل ہو گیا، پادری رہبانیت کے لئے لڑکوں کا
 اغوا کرتے تھے، سینٹ ایمبروز میں اس قسم کے اغوا کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اُسے
 دیکھ کر اُمیں اپنے اپنے بچوں کو گھر کے اندر بند کر دیتی تھیں، تحریک رہبانیت کا اخلاقی
 نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے کمالات مردانگی و جوانمردی سے متعلق ہیں، وہ سب کیسے معیوب قرار پا گئے
 مثلاً زندہ دلی، خوش طبعی، صاف گوئی، فیاضی، شجاعت، جرات کہ عابدانِ تراش بھی
 اُن کے قریب بھی ہو کر نہیں گزرے تھے، دوسرا اہم نتیجہ رہبانی طرز معاشرت کا یہ ہوا کہ
 خانگی زندگی کی بنیادیں منزلزل ہو گئیں اور دلوں سے اعزاز کا احترام و ادب کا فور
 ہو گیا، اس زمانہ میں ماں باپ کے ساتھ احسان فراموشی اور اعزاز کے ساتھ قسوت قلبی
 کی جس کثرت سے نظیر ملتے ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے یہ زاہدانِ صحرا اور عابدانِ مرقاض
 اپنی ماؤں کی دل شکنی کرتے تھے، بیویوں کے حقوق کی پامالی کرتے تھے اور اپنی اولاد کو یہ غایت
 تھے کہ انھیں بے دلی و دارت محض دوسروں کے ٹکڑوں کے رحم پر چھوڑ دیتے تھے، ان کا قصور نہ

تمام تزیہ ہوتا تھا کہ خود انھیں نجات اخروی حاصل ہوا، انھیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ ان متعلقین و متوسلین جئیں یا مریں، لیکن نے اس سلسلہ میں جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر آج بھی آنسو نکل آتے ہیں، عورتوں کے سایہ سے وہ بھاگتے تھے، ان کا مایہ پڑ جانے سے اور اسے گلی میں اتفاقاً سامنا ہو جانے سے وہ سمجھتے تھے کہ ساری عمر کی زہد و ریاضت کی کمائی خاک میں مل جاتی ہے، اپنی ماؤں، بیویوں اور حقیقی بہنوں سے بات کرنا بھی وہ مصیبتِ کبیرہ سمجھتے تھے، لیکن نے اس سلسلہ کے جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر کبھی ہنسی آتی ہے کبھی رونا۔

فطرت دشمنی کا اثر اخلاق و تمدن پر

یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ اس انتہا پسند رہبانیت نے رومیوں کی مادیت کے غلو اور شدت میں اور ان کی بہیمانہ خواہشات پرستی میں کچھ اعتدال و تخفیف پیدا کر دی ہوگی، ایسا عموماً نہیں ہوتا، یہ بات فطرتِ انسانی کے خلاف ہے، اور مذاہبِ اخلاق کا تجربہ بھی اس کے برخلاف ہے، دراصل جو چیز سرکشِ مادیت میں اعتدال پیدا کر کے اس کو ایک معتدل زندگی میں تبدیل کر سکتی ہے، وہ صرف ایسا روحانی دینی و اخلاقی حکیمانہ نظام ہے جو انسان کی فطرتِ سلیم کے عین مطابق ہو اور اس بات کے درپے نہ ہو کہ وہ فطرت کو بالکل تبدیل کر دے، اس کا مقصد اس کا ازالہ (مٹا دینا) نہ ہو بلکہ امارہ (پھیر دینا) ہو، وہ اس کا رخ شر سے خیر کی طرف تبدیل کر دے، اسلام کا طرزِ عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مبارک یہی ہے عرب بہادر و جنگجو تھے، آپ نے ان کی شجاعت کو سرد نہیں کیا بلکہ صرف قبائلی خانہ جنگی اور جاہلی جذبہٴ انتقام سے اس کو موکر جہاد فی سبیل اللہ اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کی طرف پھیر دیا، عرب فیاض اور عالی حوصلہ تھے، لیکن ان کی فیاضی اور عالی حوصلگی فخر و ناموری میں صرف ہوتی تھی،

آپ نے اس کو راہِ خدا میں خرچ کرنے پر لگا دیا، غرض یہ کہ آپ نے ان کے جاہلی خصائص و اخلاق کو اسلامی سانچے میں ڈھال دیا اور ان کو مفید اور کارآمد بنادیا، آپ نے جاہلیت کے بجائے اسلام کا پورا نظام اور ہر چیز کا بدل (اور نعم البدل) عطا فرمایا، طبائخ اور نفوس کو تازگی اور تفریح کے مواقع بھی عطا فرمائے، اس لئے کہ بقول ایک حلیل القدر عالم (شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ) کے: انسانی طبیعتیں ہمیشہ کسی چیز سے اسی وقت بردار ہوتی ہیں، جب ان کو اس کا بدل ملتا ہو، انسان فطرتاً کچھ کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا مل اور مشغولیت ہے کٹیہ بیکار اور معطل ہو جانا اس کی فطرت کے خلاف ہے، انبیاء کرام تبدیل فطرت کے لئے نہیں بلکہ تکمیل فطرت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، حدیث و سیرت میں اس کی متعدد نظریاں ملیں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ کے دو تہو تھے جن میں وہ تفریح کرتے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے دو دن ہیں لوگوں نے کہا کہ ہم ایام جاہلیت میں ان میں تفریح کرتے تھے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں عید الاضحیٰ وعید الفطر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کے دن ایک مرتبہ میرے پاس انصار کی دوڑاڑ کیاں وہ گیتیں گارہی تھیں، جو بعات کی جنگ میں کہی گئی تھیں اور وہ کچھ گانے دلی نہ تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کی گیتیں ہو رہی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ جانے دو یہ عید کے دن ہیں۔

اس کے برخلاف رومی عیسائیت نے بیکار فطرت کو تبدیل اور فنا کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور

لے کتاب اقتضاء العباد المستقیم ص ۱۳۱ لے کتاب النبوات از امام ابن تیمیہ۔ لے ابوداؤد احمد نسائی

۳۵ بخاری و سلم۔

ایسا نظام پیش کیا جس کی فطرت متحمل نہیں ہو سکی، اس نے انسان کی طاقت سے زیادہ انسان پر بوجھ ڈالا، روم کی سابقہ انتہائی مادیت کے خلاف ایک ردِ عمل کے طور پر لوگوں نے طوعاً و کرہاً اس کو برداشت کیا، لیکن جلد ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا اور دبی ہوئی مظلوم فطرت نے سخت انتقام لیا، اپنی اس غالی رہبانیت، فطرت کے حقائق سے چشم پوشی اور ناعاقبت اندیشی سے مسیحیت لوگوں کے اخلاق و عادات اور ہلاکت کے غاریں گرتے ہوئے تمدن کا ہاتھ نہ پکڑ سکی، حالت یہ تھی کہ عیسائی ممالک میں بیک وقت محصیت و آزادی اور زہد و رہبانیت کی دو متقابل تحریکیں دوش بدوش چل رہی تھیں بلکہ شاید زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ رہبانیت و صحراؤں میں گوشہ نشین تھی اور شہری زندگی پر اس کا کوئی اقتدار نہ تھا، اور اس کے برخلاف فسق و فجور کی تحریک شہروں کے اندر اپنے پورے جوش و غلاطم پر تھی، یہی ”مسیحی دنیا کے اخلاقی انحطاط کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:-

”اخلاق میں رکاکت و پستی حد درجہ سرایت کر گئی تھی، دربار کی عیش پرستیاں ارکان دربار کی غلامی، طینتی اور لمبوسات و زیورات کی تزئین و آرائش اپنے شباب پر تھی و دنیا اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی، بلکہ بعض شہر جن میں سب سے زیادہ کثیر التعداد و زیادہ راہبین پیدا ہوئے تھے وہ وہی تھے، جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی، غرض بدکاری اور توہم پرستی کا ایسا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے، رائے جمہور اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ لوگوں کو بدنامی و دوسائی کا مطلب خوف نہیں باقی رہا تھا، البتہ عنیم کو مذہب کا دھرم کا ہو سکتا تھا، لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سے سارے گناہ مٹا

ہو سکتے ہیں، منگاری، دغا بازی، دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی، جو قیصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی، البتہ ظلم و تشدد، شقاوت و بے حیائی اتنی نہ تھی لیکن اس کے ساتھ تربیت فکر، آزاد خیالی و جوش قومیت میں بھی کمی تھی۔

اربابِ کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری

رہبانیت اور مذہب کا یہ سلیبی نظام خلافِ فطرت ضرور تھا، لیکن نئے مذہب کے اثرات اور اس کے روحانی اقتدار نے فطرت کو دبا رکھا تھا، لیکن تھوڑے دنوں کے بعد خود مذہبی مرکزوں اور حلقوں میں وہ تمام عیوب اور عیش پرستی شروع ہو گئی جس کے خلاف رہبانیت کی تحریک شروع کی گئی تھی، یہاں تک کہ وہ اخلاقی انحطاط پستی، اور اپنے تنہا عیش پرستی میں خالص دنیا دار حلقوں سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے، حکومت کو مجبوراً ان مذہبی دعوتوں کا سلسلہ بند کرنا پڑا، جن کا مقصد مسیحوں میں اخوت و محبت پیدا کرنا تھا، اسی طرح سے شہداء و ادویاء کے عرس اور ان کی برسیاں ممنوع قرار دی گئیں، کیونکہ یہ خالص مذہبی تقریبات فسق و بے حیائی کا ادب بن گئی تھیں، بڑے بڑے پادریوں پر بڑے بڑے اخلاقی جرائم کا الزام تھا، سینٹ جروم کا مقولہ ہے کہ اہل کلیسا کے تعیش کے سامنے امراء اور دولتمندوں کی عیش و عشرت بھی شرماتی ہے، خود پوپ اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھے، اور دولت کی ہوس اور مال کا عشق تو ان پر اتنا غالب تھا کہ منصب اور عہدے معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے، اور کبھی کبھی ان کا نیلام ہوتا تھا، جنت کے قبالے جائداد کی مولیٰ دستاویزوں کی طرح، منفعت کے پرانے نقص قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ بے تکلف بکتے تھے، مذہبی عہدہ دار سخت راشی و بود خوار تھے،

لے تاریخِ اخلاق یورپ جلد دوم ص ۱۸۰

فضول خرچی اور اسراف کا حال یہ تھا کہ پاپائے انوسینٹ ہشتم نے پاپائی کا تاج رہن رکھا اور پاپائے یسودہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی اڑاڑالی یعنی سابق پوپ نے جو دولت چھوڑی تھی پہلے وہ خرچ کی اس کے بعد اپنی دولت جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کی آمدنی کو پہلے سے وصول کر کے صرف کر ڈالا بیان کیا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لئے کافی نہ ہوتی تھی۔
غرض یہ کہ کلیسا کی تاریخ اور ارباب کلیسا کی سیرت قرآن کی اس آیت کی پوری پوری تفسیر تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُنُوا
الْأَكْبَرِ وَالرُّهْبَانِ يَا كُفْرًا
أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کے
علماء اور شاخ میں ایک بڑی تعداد
ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق
ذرا دکھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انھیں
روکتے ہیں۔ (التوبہ - ۳۴)

حکومت و کلیسا کی کشمکش

گیارھویں صدی عیسوی میں حکومت و کلیسا کی کشمکش شروع ہوئی اور اس نے بڑی شدت اختیار کر لی، ابتدا میں پوپ کو اس جنگ میں فتح ہوئی اور پوپ کا اقتدار و اعزاز اتنا بڑھ گیا کہ شہنشاہ ہنری چہارم عشرہ میں اس بات پر مجبور ہوا کہ کانوسا کے قلعہ میں پوپ کے حضور میں حاضر ہو، چنانچہ وہ نہایت ذلت کے ساتھ حاضر ہوا، پوپ نے بڑی مشکل سے لوگوں کی اس حرکت کو مذہب سے مٹا دیا۔

سفارش پر اپنے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت دی اور شاہ ننگے پاؤں اُون پہنے ہوئے آیا، پوپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور پوپ نے اس کی غلطی معاف کی، اس کے بعد حکومت و کلیسا کی آویزش یا کبھی پوپ کو فتح اور کبھی شکست ہوئی، یہاں تک کہ انجام کار حکومت کے مقابلہ میں کلیسا کو دبنا پڑا، اس پوری مدت کشمکش میں لوگ مذہب سیاست اور کلیسا و ریاست کی دُہری غلامی میں گرفتار تھے۔

اقتدار کا غلط استعمال اور یورپ کے تمدن پر بُرا اثر

پوپ قرون وسطیٰ میں بڑے وسیع اقتدار اور ایسی عظیم الشان طاقت کے مالک تھے جو شاہِ روم کو بھی حاصل نہ تھی، ان کے لئے یہ بہت آسانی سے ممکن تھا کہ وہ دین کے زیر سایہ یورپ کو علم اور تمدن میں ترقی دیتے، ڈیر لکھتا ہے کہ اگر بابائین روم اپنی ہوس رانیوں اور دنیا پرستیوں میں مبتلا نہ ہوتے تو وہ اس بات پر قادر تھے کہ ان کے ایک اشارہ پر تمام بڑا عظیم بالاتفاق ایسی ترقی کرتا کہ دنیا دنگ رہ جاتی، ان کے نائب بے روک ٹوک ہر ملک میں جاسکتے تھے اور آئرلینڈ سے لے کر بوہیمیاؤ اٹلی سے چل کر اسکاٹ لینڈ تک بلا تکلف آپس میں بات چیت کر سکتے تھے، ایک زبان ہونے کی وجہ سے وہ بین الاقوامی امور کے نظم نسق میں خیل ہو گئے اور ہر ملک میں انھیں ایسے ہوشیار اور معاملہ فہم صلیف ہاتھ آ گئے تھے، جو ایک ہی زبان بولتے تھے، اور عام امور میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار تھے۔

لیکن مسیحیت اور مسیحی اقوام کی بدقسمتی تھی کہ ارباب کلیسا نے اس زبردست طاقت کا ناجائز استعمال کیا، انھوں نے اس سے اپنے شخصی اثر و اقتدار کے لئے فائدہ اٹھایا اور یورپ بدستور پستی، جہالت و خرافات کی تاریکیوں میں ڈرا رہا، اور تمدن اور شہریت کو ترقی ہونے کے بجائے سخت متزلزل ہوا، بڑا عظیم یورپ کی آبادی ہزار سال میں بھی اور ملک انگلستان کی آبادی پانچ سو سال میں بھی دو چاند نہ ہو سکی، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بڑا دخل اس بات کو ہے کہ پادری اور راہب تجرد کی زندگی کی بڑی

تبلیغ کرتے تھے، اس کے ساتھ کلیسا نے ہمیشہ اس کا اہتمام کیا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو طبیب یا اس کے پیشے سے مانوس نہ ہونے دیا جائے اس لئے کہ اس کا خائفوں کی آمدنی پر جو عادت برکتا کے ذریعہ ہوتی تھی اثر پڑتا تھا اور طبیب اس نفع میں کلیسا کے رقیب بن سکتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک زبردست وبائیں اور امراض پھیلے اور موت کی گرم بازاری ہوئی، انیس سو اسیس نے ۱۸۳۳ء میں جزائر برطانیہ کی جویتا کی ہے اور اپنے سفر کے حالات لکھے ہیں اس سے اس ملک کا تمدنی انحطاط افلاس اور فاقہ زدگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتب مقدسہ میں الحاق و تحریف اور اس کے نتائج

لیکن اہل دین کی سب سے خطرناک غلطی جس سے انھوں نے اس مذہب کو جس کے وہ نہایت دے تھے اور خود اپنے کو سخت ترین نقصان پہنچایا، یہ تھی کہ انھوں نے اپنی مقدس دینی کتابوں میں ان تاریخی جغرافیائی اور طبیعی نظریات اور شہورات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور کلمات تھے اور انسانی علم ان کے زمانہ تک اسی حد تک پہنچا تھا لیکن وہ انسانی علم کی حد نہ تھی اور اگر اس زمانہ میں وہ حد سمجھ لی گئی تھی تو وہ دراصل آخری حد نہ تھی اس لئے کہ انسان کا علم تدریجی ترقی پذیر اور سافر ہے جس کا قیام عارضی ہے اس پر کوئی پائدار عمارت نہیں قائم کی جاسکتی، وہ بعض اوقات ریت کی طرح کھسک جاتا ہے اور عمارت منہدم ہو جاتی ہے ارباب کلیسا نے غالباً خوش فہمی سے ایسا کیا تھا، ان کا مقصد شاید یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمت و شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا لیکن آگے چل کر یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب و عقلیت کے اس نامبارک معرکہ کا سبب ہوئی جس میں مذہب (وہ مذہب جس میں انسانی علم کی آمیزش تھی) نے شکست کھائی اور یورپ میں اہل مذہب کو ایسا زوال ہوا جس کے بعد پھر عروج نہ ہو سکا۔

اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہو گیا۔

اہل مذہب نے صرف اسی احاق اور تحریف پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان تمام جغرافیائی تاریخی اور طبی معلومات کو جو لوگوں میں زبان زد اور شہور تھے یا کتب مقدسہ کے بعض شارحین و مفسرین نے ان کا تذکرہ کیا تھا، دینی تقدس کا جامہ پہنا دیا اور ان کو مذہبی رنگ دے کر ان سچی تعلیمات و اصول میں شامل کر لیا، جن پر اعتقاد رکھنا ایک سچی کے لئے ضروری ہے اس موضوع پر انھوں نے کتابیں تصنیف کیں اور اس جغرافیہ کو جس کی کوئی آسمانی سند نہ تھی جغرافیہ سچی TOPOGRAPHY CHRISTIAN کا نام دیا اور اس کے تسلیم کرنے پر اس قدر اصرار کیا کہ جن لوگوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان کی تکفیر کی۔

مذہب و عقلیت کی کشمکش اور ارباب کلیسا کے مظالم

اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ میں عقلیت کا وہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبیعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے انھوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جو جغرافیہ و تاریخ اور طبیعیات سے متعلق ان مذہبی کتابوں میں پائے جاتے تھے اور بڑی جستار اور آزادی کے ساتھ ان کی علمی تنقید کی اور بے سمجھے ان پر ایمان لانے سے ہٹا انکار کر دیا اس کے ساتھ انھوں نے اپنے علمی اکتشافات اور تجربوں کا بھی اعلان کر دیا، اب کیا تھا مذہبی حلقوں میں قیسا برپا ہو گئی ارباب کلیسا نے (جو اقتدار اور طاقت کے مالک تھے) ان کی تکفیر کی اور دین سچی کے لئے ان کے خون بہانے اور ان کے مال و متاع ضبط کر لینے کی اجازت دی، احتساب کی عدالتیں قائم ہوئیں جو بقول پوپ کے ”ان ملاحدہ اور مرتدین کو سزا دیں جو شہروں، گھروں، خانوں، جنگلوں، غاروں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں“ ان عدالتوں نے اپنا فرض پوری سرگرمی اور مستعدی سے

انجام دیا، اس کے جاسوس بڑا عظم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے اور اس بارہ میں محکمہ احتساب نے تفتیش اور تحسس میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، ایک عیسائی عالم کہتا ہے کہ "ناممکن ہے کہ کوئی شخص عیسائی بھی ہو اور وہ بستر پر جان دے" اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس محکمہ نے جن لوگوں کے سزا دی ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں، جن میں تیس ہزار کو زندہ جلا یا گیا، انھیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت و طبیعیات کا مشہور عالم برونو BRUNOE بھی تھے جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، محکمہ احتساب کے حکام نے اسے اس سفارش کے ساتھ دنیوی حکام کے سپرد کیا کہ اسے نہایت نرمی سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے، اسی طرح مشہور طبیعی عالم گلیلیو (GALILIO) کو اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا۔

اہل تجدّد کی مذہب کے خلاف بغاوت اور ہزاری

آخر کار روشن خیالوں اور ترقی پسندوں کا پیاناہ صبر لبز زیر ہو گیا اور انھوں نے مذہبِ قدس کے نمائندوں کے خلاف علمِ جنگ بلند کر دیا، وہ مذہبی گروہ کے اس تشدد و وجود اور محکمہ احتساب کے ان نظام سے ایسے سیزار اور شعل ہوئے کہ ان تمام عقائد، علم، اخلاق و آداب سے نفرت ہو گئی جن کی نسبت اس گروہ کی طرف کی جاتی ہے یا اس سے ان کا تعلق ثابت ہوتا ہے، ان کے دل میں ابتداء ایسی ہی مذہب کے خلاف اور رفتہ رفتہ مطلق مذہب کے خلاف عداوت کا جذبہ پیدا ہو گیا اور وہ جنگ جو ابتداء علوم و عقلیت کے علم برداروں اور مذہبِ سچی (در حقیقت سینٹ پال کے مذہب) کے نمائندوں کے درمیان تھی، بعد میں علم و دین کی باہمی جنگ کی صورت

اس نے اختیار کر لی، روشن خیالی اور عقلیت کے علم برداروں نے بطور خودیہ طے کر لیا کہ علم و مذہب ایک دوسرے کے ضد اور مقابل واقع ہوئے ہیں جو کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور دونوں ایک دوسرے کے رقیب اور حریف ہیں جن میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی اس لئے علم و عقلیت کے ساتھ وفاداری کے لئے یہ ضروری ہے کہ مذہب سے منھ موڑ لیا جائے ان کے سامنے جب دین و مذہب کا نام آتا تو دفعتاً نمائندگانِ مذہب اور اربابِ کلیسا کے لرزہ خیز مظالم کی یاد تازہ ہو جاتی اور ان بے گناہ علماء اور محققین کی صورتیں ان کی آنکھوں میں پھر جائیں جنہوں نے انتہائی مظلومیت اور بے بسی کی حالت میں ان جلاؤں کے ہاتھوں پر اذیت موت پائی مذہبی گروہ کے نام سے ان کی نگاہوں کے سامنے پر غضب چہرے چڑھ گئی تیوریاں شرفشاں آنکھیں تنگ سینے اور پادریوں کے بھدے داغ ہی آتے، چنانچہ مذہب سے وحشت اور نفرت کو انہوں نے ایک اصولِ زندگی کے طور پر طے کر لیا اور آنے والی نسلوں کے لئے بھی نفرت و کراہیت کا یہی ترکہ اور سرمایہ چھوڑا۔

روشن خیالوں کی عجلت پسندی اور جمود و تعصب

ان روشن خیالوں اور تجدید پسندوں میں ان صبر و سکون مطالعہ اور غور کی قوت اور عقل و اجتہاد کی قابلیت نہ تھی کہ وہ اصل دین اور اس کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والوں کے درمیان انیاز کر سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ ان واقعات میں دین کہاں تک ذمہ دار ہے اور کہاں تک ربا کلینا کا جو ذہالانہ استبداد اور غلط نمائندگی اس کی ذمہ دار ہے اور اگر دوسری شکل ہے تو دین کو اس کی سزا دینا اور اس سے بے تعلقی اختیار کر لینا کہاں تک حق بجانب ہے لیکن غصہ اور اہل مذہب کی عداوت اور عجلت پسندی نے اس بارہ میں ان کو غور کرنے کا موقع نہ دیا اور جیسے کہ دنیا میں عموماً بغاوت اور احتجاج کے موقع پر ہوتا ہے انہوں نے دین کے ساتھ کوئی رواداری اور مفاہمت پسند نہیں کی۔

ان میں اتنی طلبِ صادق اور اپنی قوم کی خیر خواہی، خیر فرخ و صلہ گلی نہ تھی کہ وہ دینِ اسلام کا مطالعہ کرتے جو ان کی بہت سی معاصر قوموں کا دین تھا اور جو نہایت آسانی کے ساتھ اس مخصوص مذہب و عقلیت کی اس غیر ضروری کشمکش سے بچا دیتا جو معقول و محسن امور کا مطالعہ کرتا، غیر معقول اور ناپسندیدہ چیزوں سے روکتا، دنیا کی بے ضرر اور پاک لذتوں اور فوائد کی ان کو اجازت دیتا، مضراؤ قابلِ نفرت اشیاء کو ممنوع قرار دیتا اور ان بے جاز نجیروں اور بیڑیوں کو کاٹ دیتا جو تحریفِ تشدد مذاہب اور تشدد پسند اہل مذہب اور اہل حکومت نے ان کے جسم میں ڈال رکھی تھیں۔

يَا مُرْهُم بِالْمَعْرُوفِ وَبَيْنَهُم
عَنِ الْمُنْكَرِ يُحِيلُ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَبْضَعُ
عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِي
كَانَتْ عَلَيْهِمْ

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو
نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں پسندیدہ
چیزیں حلال کرتے ہیں گندی چیزیں حرام
ٹھہراتے ہیں اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں
جس کے تلے وہ دبے ہوئے ہیں ان پھندوں

(الأعراف - ۱۵۷) سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے ہیں۔

لیکن قومی عصبیت اور ان دیواروں کی وجہ سے جو صلیبی جنگوں نے عیسوی مغرب اور اسلامی مشرق کے درمیان اور اربابِ کلیسا کی افزائش پر دازیوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف کھڑی کر دی تھیں، نیز مطالعہ و تحقیق کی محنت برداشت نہ کرنے اور موت کے بعد کی زندگی اور نجاتِ اخروی سے آزاد دہے فکر ہونے کی وجہ سے انھوں نے اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اس میں کچھ دخل مسلمانوں کی تبلیغی کوتاہیوں کو بھی ہے کہ انھوں نے صدیوں یورپ جیسے اہم براعظم میں اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے تعارف کی طرف کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ اسلامی حکومت کے عروج اور یورپ کی سلطنتوں سے معاصرانہ اور مساویانہ تعلقات ہونے کی

وجہ سے ان کو اس کے مواقع حاصل تھے۔

غرض اہل یورپ ایسے نازک موقع پر اسلام کی رہنمائی اور اس کی سچائی سے محروم ہے۔

یورپ کی مادیت

بہر حال جس کا خطرہ تھادہ پیش آگیا اور یورپ کا منہ ایک کھنکھ اور وسیع مادیت کی طرف ہو گیا خیالات نقطہ نظر نفی و ذہنیت اخلاق و اجتماع، علم و ادب، حکومت و سیاست کی فرض زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت غالب گئی اگرچہ تدریجی طور پر پورا اور ابتدا میں اس کی رفتار سست تھی لیکن قوت و عزم کے ساتھ یورپ نے مادیت کی طرف حرکت کرنی شروع کی، علماء فلسفہ و علوم طبیعیات نے کائنات میں اس طرز پر غور و بحث کرنی شروع کی کہ گویا نہ اس کا کوئی خالق ہے نہ منظم و حاکم اور طبیعیات اور مادہ کے ماوراء کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس عالم میں تصرف اور اس کا نظم و نسق کرتی ہے وہ عالم طبیعی اور اس کے ظواہر و آثار کی تشریح و توضیح خالص میکانیکی طریقہ پر کرنے لگے اور اس کا نام علمی اور تحقیقی طرز قرار پایا، اور ہر ایسا بحث و نظر کا طریقہ جس کی بنیاد خدا کے وجود اور اس کے یقین پر ہو، تقلیدی اور غیر علمی طریقہ کہا جانے لگا اور اس کا مذاق اڑایا جانے لگا، اس راستہ کی منزل یہ تھی کہ انھوں نے چلتے چلتے حرکت اور مادہ کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا اور ہر اس چیز کے ان سے غور کیا جو جو اس اور تجربہ کے اندر نہ آسکے اور جس کا وزن شمار و پیمائش نہ ہو سکے اس کا طبعی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا وجود اور تمام حقائق البعد الطبیعیات ایسے مفروضات بن گئے جن کی گویا عقل و علم سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔

ان لوگوں نے ایک زمانہ دراز تک خدا کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی خاص اعلان جنگ کی نہیں کیا اور فی الواقع سب کے سب اس کے منکر بھی نہ تھے لیکن جو طریق فکر اور بحث و نظریں جو پوزیشن

انہوں نے اختیار کی تھی وہ ایسے دین کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتی تھی جس کی پوری عمارت ایمان بالغیب اور وحی و نبوت کی بنیاد پر ہے اور جو حیاتِ آخری پر اس قدر زور دیتا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی حواس و تجربہ کے تحت میں نہیں آتی اور وزن و شمار اور پیمائش سے اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی اس لئے روز بروز ان کو دینی عقائد میں اشتباہ اور ان کے ماننے میں تذبذب پیدا ہوتا گیا۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کے لوگ مدت دراز تک مادی نقطہ نگاہ مادی زندگی اور مادی اعمال و رسوم کو جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے، مذہبی تقلید سے وہ ابھی پورے طور پر آزاد نہیں ہوئے تھے اور عیسوی دنیا میں مذہبی ماحول ابھی باقی تھا، اخلاقی اور اجتماعی مصالح کا بھی تقاضا تھا کہ خواہ برائے نام لیکن مذہبی نظام ضرور برقرار رہنا چاہئے جو قوم کے افراد کے درمیان ربط قائم رکھے اور ملک کو اجتماعی انتشار اور اخلاقی انتہی سے محفوظ رکھے، لیکن مادی تہذیب کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مذہب اور اس کے رسوم اس کا ساتھ نہ دے سکے، مادیت اور روحانی مذہب کے جمع کرنے میں خاصی تکلیف، تکلف، تفتیش اوقات تھا، اس نے کچھ مدت کے بعد اس تکلف کو برطرف کیا اور صاف صاف لادینیت اور مادہ پرستی اختیار کر لی، اسی زمانہ میں یورپ کے ہر گوشہ میں بہت بڑی تعداد میں ایسے مصنف ادیب، معلم اجتماعی اور سیاسی پیدا ہوئے جنہوں نے مادیت کا صور پھونکا اور اہل ملک کے دل و دماغ میں مادہ پرستی کے بیج بو دیئے، علماء اخلاق، اخلاق کی مادی تشریح کرتے تھے، کبھی فلسفہ افادیت کی بحث کرتے اور کبھی لذتیت کی، میکا ویلی (MACHIAVELLI) (۱۴۶۹-۱۵۲۷ء) جیسے اہل سیاست نے دین و ریاست کی تفریق کی دعوت پہلے ہی دے دی تھی اور اخلاق کی دو قسمیں قرار دی تھیں سپلک اور پرائیوٹ اور طے کر دیا تھا کہ اگر مذہب کی ضرورت ہی ہے تو وہ محض انسان کا ایک پرائیوٹ معاملہ ہے جس کو امور ریاست میں دخل نہیں دینا چاہئے، حکومت ہر چیز پر

مقدم اور ہر شے سے بیش قیمت ہے، مذہب عیسوی کا تعلق دوسری زندگی سے ہے، ہماری دنیا کی زندگی سے اس کو کوئی سروکار نہیں، مذہبی اور نیکی کار انسانوں کا وجود حکومت کے لئے کچھ مفید نہیں، اس لئے کہ وہ دین کے احکام کے پابند ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت اخلاقی اصول کو نظر انداز نہیں کر سکتے، بادشاہوں اور حکام کو لوٹ پولیوں کے صفحا اختیار کرنے چاہئیں، اور اگر حکومت کا فائدہ ہوتا ہو اور کوئی سیاسی مصلحت مقتضی ہو تو عہد شکنی، دروغ گوئی، فریب دہی خیانت اور نفاق میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے، یہ دعوت تبلیغ پورے طور پر ٹوٹ کر کامیاب ہوئی اور وطنیت و قومیت (جو مذہب قدیم کی جگہ لے رہی تھی) نے بھی اس کی پوری المداد کی۔

مصنفین اہل قلم اور اہل دماغ نے اپنی جادو بیانی، سحر طرازی اور خطابت و شاعری سے قدیم اخلاق اور اجتماعی نظامات کے خلاف سارے ملک میں ایک بغاوت برپا کر دی انھوں نے معصیت کو خوش نا اور دلفریب بنا کر پیش کیا، طبیعتوں کو ہر قید بندش، فرد کو ہر ذمہ داری و جواب دہی سے آزاد ہونے کی اور مطلق آزادی و بے قیدی کی کھلی تبلیغ کی، زندگی سے پورے پورے تمتع مطالبات نفس کی پوری تکمیل، اور لذت پرستی کی علانیہ دعوت دی اور اس زندگی کی قیمت میں بڑے غلو اور مبالغہ سے کام لیا، نقد لذت اور ظاہر و محسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا انکار و تحقیر کیا۔

اس طرح سے انیسویں اور بیسویں صدی کی مغربی زندگی کی بُت پرست یونان اور روم کی جاہلی زندگی کا مرتع بن گئی، یوگیا اس کا نیا اڈیشن تھا جو انیسویں صدی میں نئے اہتمام کے ساتھ تیار کیا گیا، یونان اور روم کے جن نقوش کو مشرقی عیسویت مدغم کر دیا تھا، انیسویں صدی کے نقاشوں نے ان کو پھر اُجاگر کر دیا، اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، آج کی مغربی قومیں انھیں یونانی، رومی اور مغربی اقوام کی جائز وراثت اور خلف الرشید ہیں، موجودہ مغربی تہذیب

اور قدیم یونانی اور رومی تہذیب میں قریبی مماثلت پائی جاتی ہے یورپ کی موجودہ مذہبی زندگی بھی روحانیت اور باطنی کیفیت سے اسی طرح عاری ہے جیسے یونانیوں کی مذہبیت تھی، یہی کمزوری شروع اور حضور اور مذہبی سنجیدگی کی کمی زندگی میں اہم و لعب کی کثرت کا بھی وہی حال ہے جو یونان میں تھا، اور نتیجہ ہے علماء طبعیات و حکمت کے ان نظریات اور تحقیقات کا جنہوں نے یورپ میں پوری مقبولیت حاصل کر لی اور دین و مذہب کی پوری پوری جگہ لے لی ہے، اسی طرح زندگی کی ہوس لذت طلبی اور ذوقاتی اور دنیا میں شوق گل چینی کی بھی بعینہ وہی کیفیت ہے جو سقراط نے اپنے زمانہ کے جمہوری نوجوان کی بیان کی ہے، نیز مذہبی شک کے مذہب دینی نظام اور مذہبی فرائض و رسوم کی بے وقعتی میں بھی یورپ یونان و روما سے پیچھے نہیں ہے۔

مسیحیت یا مادہ پرستی؟

حقیقت یہ ہے کہ یورپ کا موجودہ مذہب جس کی دلوں اور روح پر حکومت ہے وہ عیسائیت نہیں بلکہ مادہ پرستی ہے، مغربی نفیسٹا اور مغربی زندگی سے اس کی قدم قدم پر تصدیق ہوتی ہے۔
(ISLAM AT THE CROSS ROADS) کا مصنف لکھتا ہے:-

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو دینی طریق پر سوچتے ہیں اور مذہبی احساس رکھتے ہیں اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں مکافی کوشش کرتے ہیں لیکن مشرقی اٹالیس میں یورپ کا عام اور متوسط آدمی وہ جمہوری ہو یا فاشسٹی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی ہاتھ سے کاکڑے والا ہو یا داعی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے وہ کیا؟ مادہ پرستی کی پرورش اور عقیدہ کہ اس زندگی کی غرض و غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کو

زیادہ سے زیادہ آسان اور پُر راحت اور آزاد اور بے قید بنائے، اس مذہب کے گرجے اور عبادت گاہیں زبردست کارخانے ہیں، تھیسٹر و تفریح گاہیں، کیمیاوی دارالصنعت، ناچ گھر اور بجلی کے مرکز، اس مذہب کے پروہت بینکوں کے افسران ہیں، انجینئر، اداکار، عورتیں (ایکٹریس) فلم اداکار اور تجارت و صنعت کی بڑی بڑی مرکزی شخصیتیں اور رکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں، طاقت و لذت کی اس ہوس اور چوڑپن کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ حریت گروہ سامانِ جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں، اور ایک دوسرے کو تباہ کر دینے کے لئے پرتول رہے ہیں، اگر ان کی خواہشات اور مصالح میں تصادم ہو گیا، اور جہان تک تہذیب کا تعلق ہے انسانوں کا ایک ایسا ٹائپ پیدا ہوا ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نیکی اور اخلاق نام ہے ملی فائدہ کا اس کے نزدیک معیار محض مادی کامیابی ہے۔

مغربی تہذیب صاف صاف پُر زور طریقہ پر خدا کا انکار نہیں کرتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذہنی نظام میں اللہ کی کوئی جگہ نہیں اور اس کے ماننے میں وہ کوئی فائدہ محسوس کرتی ہے، اور نہ اس کی ضرورت سمجھتی ہے۔

پروفیسر جوڈ (JOAD) جو لندن یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ و علم النفس کے صدر ہیں، یہی کتاب

میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں: (GUIDE TO MODERN WICKEDNESS)

”میں نے بیش طلبا اور طالبات کی جو سب سے کچھ اوپر ذکر کئے تھے ایک جگہ سے سوال کیا کہ ان میں سے کتنے کسی مسیحی میں عیسائی ہیں؟ صرف تین نے اس سوال کا اثبات میں جواب دیا اور عیسائی ہونے کا اقرار کیا، سات نے کہا کہ انھوں نے اس مسئلہ

پر کبھی غور نہیں کیا، باقی دس نے صاف صاف کہا کہ وہ کھلے طور پر سمیت کے خلاف ہیں، میرا خیال ہے کہ سمیت کے انسے والوں اور دزنے والوں کا یہ تناسب اس ملک میں کوئی استثنائی اور غیر معمولی شال نہیں ہاں البتہ اگر یہ سوال پچاس سال یا بیس سال اُدھر کیا جاتا تو اس کے جوابات ان جوابات سے مختلف ہوتے اس بنا پر بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جو کینن بیرری CANON BARRY کے اس بارہ میں ہم خیال ہوں کہ ایک بڑے پیمانے پر سچی بیداری اور ترقی دنیا کو نجات دے سکتی ہے، میری رائے میں ان کے اس دعوے کو حق بجانب ثابت کرنے والی کوئی چیز نہیں ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ ان کی خواہش ہو، ایسا بہت ہوتا ہے کہ خواہشات خیالات پیدا کر دیتی ہیں لیکن وہ دلائل اور ثبوت نہیں پیدا کر سکتی، اس ملک کے حالات و آثار صاف بتا رہے ہیں کہ سچی کلیسا آئندہ صدی میں اپنی عمر پوری کرنے کا، ایک روزانہ اخبار کے اقتباس ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ستتر برس کے ایک بوڑھے نے ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے وہ کتاب مقدس کے پُرانے نسخوں کو بند وقوں کی ڈاٹ مصنوعی لٹیم، گٹا پارچہ اور لوٹوں میں تبدیل کر کے گا، بیشین کارڈ فیکٹری CARDIF FACTORY اور آٹھ دوسرے کارخانوں میں لگا دی گئی ہے، اور کتاب مقدس کے نسخوں سے جنگی سامان تیار ہو رہا ہے۔
موجود نے اس مشین سے بڑی دولت پیدا کی ہے۔

پس سن لیں وہ لوگ جن کو انٹرنے کان دیئے ہیں!

زیر پرستی

یہی مصنف اپنی دوسری کتاب PHILOSOPHY FOR OUR TIMES میں لکھتا ہے :-

”مصدیوں سے انگلستان کے تخیل پر دولت اندوزی کا اصول غالب ہے، حصولِ دولت کی خواہش پچھلے دو سو سال سے دیگر جملہ محرکاتِ عمل سے زیادہ کام کرتی رہی ہے کیونکہ دولت حصولِ ملکیت کا ذریعہ ہے اور ذاتی ملکیت کی بہتات اور شان و عظمت ہی سے انسان کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، سیاسیات، ادب، ہنر، ریاضیات اور کیمیا کی سبھی گرجاؤں کے منبروں سے سال بسال اپنے پڑھنے سننے والوں کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ ہر مذہب قوم وہی ہے جس میں جذبہ حصولِ انتہائی طور پر ترقی کر چکا ہے۔

یہ دولت پرستی ہمارے مذہبی عقائد سے متصادم ہے کیونکہ مذہب یقین دلاتا ہے کہ غریبی (پھی) اور دولت مندی بڑی ہی نہیں بلکہ دولت مند کو نیک بننے کا اتنا ہی کم امکان ہے جتنا کہ غریب کو زیادہ ہے اگرچہ تقاضائے دانش و تعلیم مذہب متفقہ طور پر یہی سکھاتے ہیں کہ خدا پرستی اور حصولِ جنت غریبی کے ساتھ ہے تاہم لوگوں نے تعلیم مذہب کو سچا سمجھ کر اس پر عمل ہونے کا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا اور موجودہ حصولِ دولت کو مستقل حصولِ راحت و آسانی پر پوری توجہ دیتے رہے ہیں، غالباً ان کا خیال رہا ہے کہ بسترِ مرگ پر تو بے کر کے وہ آخرت میں اتنا ہی فائدہ حاصل کر سکیں گے جتنا کہ یہاں اس دنیا کی مخزنِ دولت سے ان کے اس تخیل کو (SAMUEL BUTLER) نے

اپنی کتابوں میں یوں ظاہر کیا ہے کہ بدشاعر مصنفین کہتے ہیں کہ ہم خدا اور دولت کی ساتھ ساتھ پرستش نہیں کر سکتے ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ آسان نہیں لیکن قابلِ حصول چیزیں

آسان ہوتی ہی کب ہیں؟

ہمارے اصول کچھ ہی کیوں نہ ہوں، واقعہ یہ ہے کہ عملاً ہم بلکہ کے پے متقلد ہیں ہم دولت کے اتنے ہی دلدادہ ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد کہ دولت ہی فرد و سلطنت کی عظمت کا باعث ہوتی ہے، اس قدر اسخ ہے کہ اس سے دنیا کے ڈوٹھکرا اصول قائم کئے گئے ہیں جو کہ اعلیٰ تاریخی اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک عدم مداخلت کا معاشی اصول ہے جو کہ انیسویں صدی پر غالب رہا، اس اصول کا دعویٰ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے عمل کو زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ پر منحصر رکھتا ہے گویا ان کا مذہب لذتیت یہ ہے کہ عمل کا محرک لذت جذبات دلی نہیں بلکہ لذت تقاضائے دولت ہے۔

دوسرا اصول جو کہ بیسویں صدی میں غالب نظر آتا ہے، مارکس کا اصول معاشی تقدیر و تنظیم ہے یہ اصول بتلاتا ہے کہ انسان کا معاشی نظام ہمیشہ ان کی مالی ضروریات پر مبنی ہوتا ہے اور یہی نظام اُن کے ادب، اخلاقیات، مذہب، منطق، نیز نظام حکومت کا خالق ہوتا ہے ان دونوں اصولوں کی قبولیت کا انحصار اسی قدر و منزلت پر ہے جو کہ ہمارے مرد و عورت نمایاں طور پر دولت کے انفرادی اور ریاستی میاژن پر رکھتے ہیں یہی صفت اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے:-

”جو نظریہ حیات اس زمانہ پرستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مثلہ اور ماحلہ کو پیٹ اور جیب کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔“

سر جان گنفر متا ز امریکی اخبار نولیس نے اپنی کتاب INSIDE EUROPE میں اس زبردستی کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:-

لہ ۳۳۸-۳۳۹ P.P. PHILOSOPHY FOR OUR TIMES
لہ ۱۱۵، ۱۱۴ P. GUIDE TO MODERN WICKEDNESS

”انگریز ہفتہ میں چھ روز پریش تو بینک آت انگلینڈ میں کرتا رہتا ہے صرف
ساتویں روز کلیسا کے انگلستان کا رخ کرتا ہے“

خدا فراموشی و خود فراموشی

ان لوگوں سے جو کسی دوسری زندگی پر ایمان اور لذت و تفریح یا غصی و قوی سر بلندی کے علاوہ
کسی مقصد عالی پر یقین نہیں رکھتے اور اللہ سے ان کو کچھ یوں ہی سا برابرے نام تعلق ہے اس کی توقع کرنا
کہاں تک صحیح ہوگا کہ ان میں کسی مصیبت یا خطرہ کے موقع پر تضرع اور رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوگی
قرآن شکرین کے متعلق کہتا ہے کہ ”وہ خطرہ اور مصیبت کے وقت خدا ہی کو پکارتے ہیں اور ان کو
ایسے موقع پر صرف خدا ہی یاد آتا ہے لیکن پورے مادہ پرست مادیت میں اتنے لگے بڑھ گئے ہیں اور
ظاہری اسباب و علل ان پر اتنے غالب گئے ہیں ان کی زندگی میں خدا سے اتنا استغنا اور دلوں میں
اتنی سختی اور بے حسی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیتوں کا مصداق بن گئے ہیں :-

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ
فَاَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالصَّرَآءِ
لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۚ فَلَوْلَا
اِذْجَبَا هُمُ مَا نَسْنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ
قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَفَيَّنَّ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (الانعام ۴۲-۴۳)

وَلَقَدْ اَخَذْنَا هُمُ بِالْاَحْذَابِ فَمَا
اسْتَجَابُوْا لِرِسٰلِهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ
(المؤمنون ۷۶-۷۷)

چنانچہ آپ کو جنگ کے سخت ترین مواقع اور نازک ترین گھڑیوں میں بھی خدا کی طرف
توجہ انابت کی کیفیت دل کی شکستگی اور شان مجرب و بندگی نظر نہ آئے گی اور نہ قوم کے اخلاق
و اعمال اور تفریحات و بچپیوں میں کوئی فرق نظر آئے گا مغرب کے مفکرین اہل قلم اور رہنما اسی پر
فخر کرتے ہیں اور اس کا نام ان کے یہاں استقلال نفس، قوت قلب اور قومی عزت نفس و خودداری
ہے، مشرقی خدا پرست اور مسلمان کے نقطہ نظر سے یہی تساوت قلب و عظمت، اہم و لعب میں
انہماک اور مدہوشی و خود فراموشی ہے۔

”لندن کی ایک رات کے عنوان کے تحت لندن میں بسنے والے ایک ہندوستانی مسلمان
کے ہوائی حملوں کے زمانہ کی آپ بیتی منسلک ہے:-

”اس رات ہم سب دوست احباب کئی دن اور کئی رات کے متواتر حملوں سے تنگ آکر
ایک نہایت پر محکف ملی جلی ہندوستانی، انگریزی دعوت کے انتظام میں مصروف تھے، انا کہ
نے اپنا باورچی خانہ اور اس کا سببان ہمارے حوالہ کر دیا تھا اور اوپر کا بڑا کمرہ بھی ناچ
کے لئے خالی کر دیا تھا، کوئی پچیس عورتیں اور مرد سب نے مل کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا،
کھاپی کر ہم لوگ ناچ رہے تھے کہ یکایک خطرہ کا سائرن بجا، پہلے تو ایک دم سب خاموش
ہو گئے، مگر ناچ بند کئے بغیر ایک بولا، کیا صلاح ہے؟ ایک لڑکی نے جواب دیا ناچتے رہیں گے
چنانچہ ہم سب ناچتے رہے اور گانوں اور تہنوں کا سارا امکان تو کیا سارا عملہ گونجنے لگا۔
اس اقتباس سے کچھ اوپر کی سطر ہیں:-

”تھوڑے دن کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ روز شام کے وقت سات آٹھ بجے سائرن
بجتا، دشمن کے ہوائی جہاز کی گھر گھر سائی دینے لگتی، سرچ لائٹ کا جلتا ہوا جال

لے ہوائی حملہ، مصنفہ آغا اشرف دہلوی ایم اے۔

آسمان پر بکھج جاتا تو میں دغے لگتیں اور زمین و آسمان ہل جاتے اس وقت اگر سنیا
ہوتا تو تصویر کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لئے بند ہو جاتا، اور پردہ پر یہ لفظ آ جاتے ابھی ہوائی
حلقہ شروع ہوا ہے مگر تصویر جاری ہے گی جو لوگ پناہ خانہ میں جانا چاہیں ان کا راستہ
نیچے بائیں طرف کو ہے مگر سب بیٹھے رہتے اور تصویر پھر جاری ہو جاتی ہے!

اس تفریحی انہماک اور خود فراموشی کی مثال قدیم یونان و روم ہی میں مل سکتی ہے،
تاریخ کی روایت ہے کہ پامپی آئی، کا کوہ آتش فشاں جب پھٹا ہے اور آسمان سے آگ کے
شعلے اور انگارے زمین سے زلزلہ آیا ہے تو دن کا وقت تھا، اور لوگ ایسی تھیں جن میں اس عظیم الشان
منظر میں جو بیک وقت بیس ہزار انسانوں کا جلسہ گاہ تھا، بیٹھے ہوئے دندوں کو زندہ انسانی
جسموں کو اپنے پنجوں اور دانتوں سے لپچتے اور حیرتے پھاڑتے دیکھ رہے تھے اس ظالمانہ لہو و لعب
کی عین مشغولیت میں زلزلہ آیا اور آگ آسمان سے برسا شروع ہوئی کچھ جہاں بیٹھے لیٹے تھے وہیں
جل کر اور جسم ہو کر رہ گئے، کچھ باہر نکلے تو اذہبہ راگھب جسم سے جسم، سر سے سر ٹکرائے، کتنے ختم ہوئے
کچھ خوش نصیب تھے جنہوں نے کشتیوں اور جہازوں میں بھاگ بھاگ کر جان بچائی شہر اٹھارہ سو
برس تک دنیا کے نقشہ سے غائب ہو گیا، انیسویں صدی کے وسط میں پتہ چلا کہ معدوم نہیں ہوا ہے
صرف گرد خاک تر سے پٹ گیا ہے اکھدائی شروع ہوئی اور برسوں کے بعد شہر عبرت کا عجائب خانہ
بنا ہوا اسی طرح جوں کا توں نکل آیا:-

اَذَابَتْ اَهْلَ الْاَرْضِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ
بَاْسُنَا صُحْبِي دَهْمٌ يَلْعَبُوْنَ ۝
کیا بستیوں والے اس بات سے اندر نہیں کہ ان پر
ہمارا عذاب آپہنچے دن چڑھے جب وہ
کھیل میں مشغول ہوں۔ (الاعراف - ۹۸)

اے ہوائی حلقہ

خدا شناس، خدا پرست انسانوں کا طرز عمل اور سیرت و اخلاق جنگوں اور خطرات کے موقع پر اس طرز عمل سے جس قدر مختلف اور مبائن ہے اس کا اندازہ کچھ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ
فِرْقَةً فَأَنُتَبِّهُوا وَادْكُرُوا لِلَّهِ كَثِيرًا
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الأنفال - ۴۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا دشمن سے سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور اس موقع پر اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی پریشان کن امر پیش آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ناز پڑھنے کھڑے ہو جاتے، بعد کے معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں برابر کیں اور علیش میں تشریف لاکر اللہ سے مناجات اور گریہ و زاری شروع کر دی آپ فرماتے جاتے تھے کہ: ”اے اللہ اگر یہ جماعت آج ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہ جائے گا۔“

یہیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

مغربی مزاج ایک مشرقی کی نظر میں

پس مادیات طبعی تاریخی اور علمی اسباب کی بنا پر تاریخ کے قدیم ترین عہد سے مغربی تہذیب اور مغربی زندگی کی روح اور اس کا مزاج بن گئی ہے، مغرب کے اسلامیات کی طرف مغرب مشرق کے متعدد علماء نے توجہ دلائی ہے، علماء مشرق میں سے صاحب نظر اور صاحب فراست سیاح عبدالرحمن کو اکبی (م ۱۳۲۰ھ) نے اس صدی کی ابتدا میں اپنی کتاب طبائع الاستبداد میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے:-

”مغربی اپنی زندگی میں مادہ پرست، طبیعت کا مضبوط اور معاملہ کا سخت ہوتا ہے“

اس کی طبیعت خود غرض، کینہ و راور انتقامی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بلند اصولوں

اور شریفانہ جذبات میں سے اب اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہا، جو مشرق کی مسیحیت
اس کو عطا کئے تھے، ایک جرم ہی کو، مزاج کا خشک اور طبیعت کا اکٹھا، اس کے
نزدیک ایک کمزور انسان زندہ رہنے کا مستحق ہی نہیں، اس کے نزدیک ہر قسم کی بڑی
قوت ہی میں پائی جاتی ہے اور قوتوں کا مرکز مال ہے، وہ علم کا ضرور قدردان ہے،
لیکن مال ہی کے خاطر، وہ عزت کا بھی شائق ہے، لیکن مال ہی کی غرض سے، لاطینی
اور اطالوی کی فطرت میں خود پسندی اور جبک عقلی ہے، اس کے نزدیک عقل نام ہے
آزادی اور بے قیدی کا، زندگی کہتے ہیں بے حیا کی، عزت نام ہے زینت و بکا
اور لوگوں پر غالب آجانے کا۔

مغربی فطرت و نفسیات کی یہ صحیح تفسیر و تحلیل ہے، مرحوم کو اکبری نے ان دونوں قوتوں
کو محض نمونے کے طور پر انتخاب کیا، ورنہ جزئی، قومی خصائص کے علاوہ مادہ پرستی، دولت
کے عشق، خود غرضی اور معاملہ کی شدت میں مغرب کی ساری قوتیں شریک ہیں۔

روحانیت میں مادیت

یہ مادہ پرستانہ روح یورپ کے تمام سیاسی اجتماعی اور اخلاقی قدیم و جدید نظامات میں
جاری و ساری نظر آئے گی، جتنی کہ اس روحانی تحریک کی جس یورپ کو بڑی کبھی پیدا ہو گئی ہے،
روح بھی مادیت ہی ہے، وہ بھی دوسری صنعتوں اور فنون کی طرح ایک سائنس اور آرٹ ہے جس کا
مقصد یہ ہے کہ عالم روحانیت کے عجائبات کی سیر کی جائے اس کے اسرار معلوم کئے جائیں، مردوں
کی روحوں سے بات چیت کی جائے اور تفریح و تسکین نفس کا سامان ہم پہنچایا جائے، مشرق کی اسلامی
روحانیت و تصوف کے برخلاف اس کو تزکیہ نفس، اصلاح قلب، خشیت الہی، عمل صالح، مجاہدہ نفس

اور موت کے بعد کی زندگی اور اس کی تیاری سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح سے وہ کام جو ہمیں یورپ میں لوگ اپنی جانیں دیتے ہیں محض مادی اغراض کے لئے ہوتے ہیں، اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو کسی نہ کسی مادی غرض و غایت پر وہ بنی ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً شہرت، تائید میں ذکر، جذبہ مسابقت، قومی و وطنی اعزاز و فخر، ان میں کہیں خدا کی رضا مطلوب نہیں ہوتی، اس کے برخلاف مسلمان ہر کام میں خدا کی خوشنودی کا طالب ہوتا ہے اور خدا کی رضا کے لئے عمل کرنا چاہتا ہے جو چیزیں مغرب میں عین مقصود ہیں وہ یہاں قابلِ استعزاز اور لائقِ اجتناب ہیں جو چیزیں مغرب میں فخر و تازی ہے مسلمان کے لئے ننگ و عار ہے عی۔

انچہ فخر تست آن ننگ من است

قرآن مجید کی آیت ہے:-

مَنْ مِّنكُمْ بِالْآخِرِينَ أَعْمَالَهُ
الَّذِينَ قَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُسْتَوْفُونَ
مُنْعَاؤَ ذَلِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ
رَبِّهِمْ وَلِقَاءِهِمْ خِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ
فَلَا يُعْقِلُونَ لَهُمْ تَعَذُّبُ الْقِسَامَةِ وَفَتْنَاهُ
(الکہف - ۱۰۳-۱۰۵)

کہو ہم تمہیں خبر دیں کون لوگ اپنے کاموں
میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے وہ جن کی ماری
کوششیں دنیا کی زندگی میں کم ہوئی گئیں اور وہ
اس دھوکہ میں پڑے ہیں کہ وہ خود کام انجام دے
یہ ہیں وہی ہیں جو اپنے پروردگار کی آیتوں سے
اور اس کے حضور میں حاضر ہونے سے منکر ہوئے
پس ان کے مارے کام اکارت گئے اور اس لئے

قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن تسلیم
نہ کریں گے۔

فَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِحْسَنًا

اور دنیا میں جو یہ لوگ عمل کر گئے ہیں ان کا

فَجَعَلْنَاهُ مَبَاءً آمَنَّا وَرَاءَهُ ۝
طرف ہم توجہ یوں گے اور ان اس طرح راہیگا

(الفراق - ۲۲) کر دیں گے جیسے بکھری ہوئی دھول۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری کی بنا پر لڑتا ہے ایک شخص غیرت و جوش میں آکر اور ایک شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے، ان میں سے کون سا اللہ کے راستہ میں شہید ہوگا؟ آپ نے فرمایا صرف وہ جنگ جو اس غرض سے کی جائے کہ اللہ کی بات اونچی ہو وہی فی سبیل اللہ ہے اس اصول و حقیقت کے جو لوگ قائل تھے ان کو اپنے کاموں اور نیکیوں کے پھیلانے کا بڑا اہتمام رہتا تھا اور اس پر بھی ہر وقت ریا کا کھٹکا لگا رہتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک خاص دعا کے الفاظ ہیں اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِيْ كُلَّهُ صَالِحًا وَّاجْعَلْهُ كُلَّهُ لِرَبِّكَ خَالِصًا وَلَا تَجْعَلْ لِّغَيْرِكَ فِيْهِ شَيْئًا یعنی اے اللہ میرے تمام اعمال کو صالح بنا اور ان کو خالص اپنی ذات ہی کے لئے رکھ اور اپنے سوا کسی کا اس میں حصہ نہ بنا۔

اقتصادی وحدۃ الوجود

مادی نقطہ نظر اور مادی طریق فکر یورپ میں استغراق و فنا کے ایسے درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ مغربی اشخاص اور اہل فکر اس کو بالکل بھول گئے، فلسفۂ اشتراکیت کا امام کارل مارکس (KARL MARX) (۱۸۱۸-۱۸۸۳) اس مادی استغراق اور فنا کی بہترین مثال ہے اس کے نزدیک پوری انسانی تاریخ (سوائے اس زمانہ کے جب زندگی عالم طفولیت میں تھی) معاشرتی طبقوں کی باہمی جنگ کی داستان ہے وہ اقتصادی پہلو کے علاوہ انسانی زندگی کے تمام دوسرے پہلوؤں کی اہمیت اور اثر کا منکر ہے وہ دین، اخلاق، روح، قلب، حتیٰ کہ عقل کو کوئی وزن نہیں دیتا اور اس کے نزدیک ان میں سے کسی کو بھی انسان کی تاریخ میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں، تاریخ کی تمام جنگیں بغاوتیں

و انقلابات محض ایک انتقام تھا جو چھوٹا اور خالی پیٹ ایک بڑے اور بھرے ہوئے پیٹ سے لینا چاہتا تھا، وہ محض ایک جدوجہد تھی جو اقتصادی نظام کی تشکیل جدید اقتصادی پیداوار کے طریقوں کی تنظیم جدید کے سلسلہ میں پیش آئی، اور اس بنا پر یہ نتیجہ بیکان غلط نہ ہوگا کہ مذہبی جنگیں بھی اس کے نزدیک اقتصادی طبقات کی باہمی کشمکش کا نتیجہ تھیں ایک جماعت دولت کے ذرائع اور پیداوار کے طریقوں پر قابض ہو گئی تھی اور دوسری اس میں شرکت کرنا اور اپنا واجبی حصہ لینا چاہتی تھی یا ان کی از سر نو تشکیل و تنظیم کرنا چاہتی تھی پہلی جماعت کے مدافعت کرنے پر وہ جنگیں شورشیں اور انقلابات آتے ہوئے جن کو تاریخ مختلف ناموں سے یاد کرتی ہے یہ ایک طرف فلسفہ کی مذہبی جہاد کسی دینی اصلاح کسی روحانی جدوجہد کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے تیار نہیں یہ ہے مغرب کا مادی تصوف اور یورپ کا اقتصادی فلسفہ وحدۃ الوجود۔

یورپ کا نعرہ "لا موجود الا البطن والمعدہ"

چونکہ مشرقیوں پر روحانیت اور خدا شناسی اور خدا طلبی کا غلبہ تھا، اس لئے اس سلسلہ میں جن لوگوں پر استغراق طاری ہوا اور مغلوبہ حال ہوئے انھوں نے اللہ کے سوا ہر شے کے وجود کی نفی کی اور غلبہ حال میں لا موجود الا اللہ کا نعرہ بلند کیا یورپ کے مفکرین پر چونکہ مادیت کا غلبہ تھا، اور اس میں ان کو درجہ استغراق و فنا حاصل تھا، اس لئے اپنے غلبہ حال میں انھوں نے اقتصادی پہلو کے علاوہ ہر چیز کی نفی کی اور لا موجود الا البطن والمعدہ کی آواز بلند کی، مشرق کے صوفی انسان کو سایہ ربانی سمجھتے تھے، اور بعض مغلوبہ حال "انما الحق" پکاراٹھتے تھے، مغرب کے مادہ (یا معدہ) پرست انسان کو صرف ایک وجود حیوانی سمجھتے ہیں اور آج ہر طرف "انما حیوان" کی صدائیں آ رہی ہیں۔

ڈارون کے نظریہ ارتقا کا اثر

یہ محض خیال آرائی نہیں ہے، انیسویں صدی عیسوی سے یورپ میں ایسے نظریات اور علمی تحقیقات پیش آئے جن سے انسان اور اس کے مسائل زندگی کے متعلق حیوانی نقطہ نگاہ کی تائید اور تقویت ہوئی، ڈارون نے ۱۸۵۹ء میں اپنی کتاب اصل الانواع (ORIGIN OF SPECIES) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ جانور ہے جو اپنے ہزاروں سال کے نوعی سفر میں منزل بہ منزل درجہ بدرجہ (AMOEBA) سے بندر اور بندر سے انسانی شکل کو پہنچا۔ اس کتاب نے سارے یورپ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وقت کا سب سے بڑا موضوع بحث اور موضوع سخن بن گیا، اس نظریہ ارتقا نے انسانی مسائل پر غور کرنے کا رخ بدل دیا، اور حیوانات کی تاریخ نشأ و ارتقا اور ان کے عادات و اطوار و خصائص سے خاص دلچسپی پیدا کر دی، اس نظریہ نے یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ کائنات بغیر کسی غیر طبیعی طاقت کی مداخلت کے چل رہی ہے اور طبیعی قوانین کے علاوہ اس کی کوئی علت نہیں۔

مبادی اور نتائج اور ذہنی و اخلاقی اور علمی اثرات میں یہ نظریہ دین سے متناقض رکھتا ہے، بلکہ یہ ایک مستقل دین ہے جو کسی اور دین کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا، اہل مذہب کی مخالفت اور ان کے خطرات اس بارہ میں حق بجانب تھے، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے :-

”اس پریشانی اور استعجاب کا اندازہ لگانا ہم اسے لئے اس وقت مشکل ہے جو ہمارے

اسلاف کو ڈارون کی کتاب کے شائع ہونے پر پیش آیا، ان شہادتوں سے جن پر اس کے

نتائج تحقیق مبنی تھے، ڈارون نے ثابت کیا (یا خیال کیا جاتا ہے کہ ثابت کیا) اگر کڑواہن

پر زندگی کا ارتقا اموبا (AMOEBA) اور جلی فش (JELLYFISH) کے ابتدائی ٹھورے

اس کی انتہائی شکلوں تک مسلسل رہا ہے، ہم زندگی کے ترقی یافتہ ترین اور آخری شکل ہیں۔
 اس کے برعکس وکٹوریہ کے زمانہ کے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ انسان بجائے خود ایک خاص
 مخلوق ہے اور اس نے حقیقت فرشتہ کے درجہ سے متزلزل کیا ہے لیکن ڈارون کے نزدیک انسان
 ایک ترقی یافتہ بندہ ہے اس زمانہ کے لوگوں کو یہ بڑا شاق گزر کہ انسان ایک وال پیری
 فرشتہ کے بجائے ایک ترقی یافتہ بندہ ثابت ہوا ان کو یہ نظریہ بالکل پسند نہیں آیا اور انھوں نے
 انسان کو اس مخصوص نجات دینے اور اس عمار کو دور کرنے کی مختلف کوششیں کیں۔

علمی تحقیقی طور پر مختلف نقائص اور خلا موجود ہونے کے باوجود عوام اور لوگوں کی اکثریت نے
 سمجھے اور بے سمجھے اس نظریہ کو قبول کر لیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہن پہلے سے اس کے لئے
 تیار تھے، لوگوں کو اس میں ایک خوبی بھی نظر آئی کہ وہ مذہب اور اہل مذہب کا حریف تھا،
 اہل مذہب کے لئے خیالات اور ذوق کے اس بہتے ہوئے دھانے اور رسائل و مطبوعات کے
 اس سیلاب کا مقابلہ ناممکن ہو گیا اور بالآخر کلیسا نے اس جنگ میں ہتھیار ڈال دیئے۔

خیالات، تہذیب، ادب، سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں اس نظریہ نے بڑا گہرا
 اور وسیع اثر ڈالا عہدِ فطرت کی طرف بازگشت کا خیال عربیانی کا ذوق اور بہت سے اعمال و اخلاق
 اسی خیال کا نتیجہ ہیں کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ بانور ہے، اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ
 بقول سٹریشر ڈانگلستان میں ایک نئی نسل پیدا ہو رہی ہے جو انسانوں کی خانگی زندگی کے
 مفہوم ہی سے نا آشنا ہے، وہ صرت حیوانات کے گلہ کی زندگی ہی سے واقف ہے۔

وطنیت و قومیت کا نشو و نما

اوپر گزر چکا ہے کہ وطنیت و قومیت کا جذبہ، قومی فخر، اور جزئیائی تقسیم کا زیادہ بھاری

مغربی فطرت کا خاصہ ہے جو مغربی نسل میں برابر منتقل ہوتا رہا ہے بحیثیت جب یورپ میں پہنچی تو اگرچہ وہ اپنی اصل شکل میں نہ تھی اور اس میں کمزوری پیدا ہو چکی تھی لیکن اس میں بہر حال حضرت مسیح کی تعلیمات کا اثر اور آسانی مذاہب کی خصوصیات تھیں، مذہب خواہ کتنا بگڑ جائے نسل و وطن کی بنا پر انسانوں کے درمیان تفریق کا قائل نہیں ہو سکتا، اس لئے اس نے یورپ کی منتشر قوموں کو رومی کلیسا کے ماتحت دین کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا اور عیسوی دنیا کو ایک خاندان بنا دیا۔ تاریخ اخلاقیات کے مصنف کے بقول حب الوطن اور قومی عصبیت عام خلافت دوستی میں منتقل ہو گئی، اور اس ذہنی تبدیلی کا اندازہ سچی علماء کے اقوال سے ہوتا ہے مثلاً ٹوٹ لین کہتا ہے کہ ہم ایک جمہوریت کو جانتے ہیں اور وہ عالم ہے اور یمن کہتا ہے کہ ہمارا ایک وطن ہے جس کی بنا لفظ خدا سے پڑی ہے۔

لیکن جب لو تھر (MARTIN LUTHER) (۱۴۸۳ء تا ۱۵۲۶ء) نے اپنی مشہور دینی اصلاحی تحریک کا علم بلند کیا اور رومی کلیسا کی مخالفت میں جرمن قوم سے مدد لی اور بالآخر رومی کلیسا کو اس مقابلہ میں شکست ہوئی، تو قومیں جس بائیں گندھی ہوئی تھیں اس کی لڑی ٹوٹ گئی اور وہ منتشر و متفرق ہو گئیں، وہ روز بروز اندرونی طور پر خود مختار ہوئی گئیں، یورپ میں مسیحیت کے زوال کے ساتھ ساتھ قومیت و وطنیت کا عروج ہوتا گیا، گویا کہ دین و مذہب اور قومیت و وطنیت ترازو کے دو پلے تھے کہ جس قدر ایک نیچا ہوتا تھا، اسی قدر دوسرا اونچا ہوتا تھا اور یہ معلوم ہی ہے کہ دین کا پلر ہلکا ہی ہوتا چلا گیا، اس لئے اس کے حریف یعنی قومیت و وطنیت کا پلر ابھاری ہوتا گیا، مشہور انگریز فیاض لارڈ لو تھین (LORD LOTHIAN) نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”جب لو تھر کی تحریک نے (جس کو دینی اصلاح کی تحریک کہا جاتا ہے) یورپ کی

ثقافتی (کچل) اور دینی وحدت کا خاتمہ کر دیا تو بڑا عظیم مختلف قومی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا جن کے جھگڑے اور مقابلے دنیا کے امن کے لئے ایک اٹمی اور مستقل خطرہ بن گئے۔

دینی انحطاط اور دینی اصول و اخلاق کے زوال کی وجہ سے قومیت اور وطنیت کے طرز خیال کو جو فروغ ہوا اس کی طرف بھی فاضل موصوف نے متوجہ کیا ہے۔

”دین جو انسان کا ضروری رہنما، اخلاقی مقصد کے حصول اور انسانی زندگی کی عزت اور معنویت کا واحد ذریعہ ہے اس کے اقتدار کے زوال کا نتیجہ ہوا کہ مغربی دنیا ایسے سیاسی مذاہب و خیالات کی گرویدہ ہو گئی جن کی بنیاد نسل اور طبقات کے اختلاف پر ہے علوم طبعی کے اثر سے اس نے تسلیم کر لیا کہ مادی ترقی ہی اعلیٰ مقصد ہے اس وجہ سے زندگی کی مشکلات اور اس کی اکھنیں بڑھتی جا رہی ہیں اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ یورپ کے لئے اپنی روح اور زندگی کے درمیان ایسی تطبیق دینا مشکل ہو گیا جو اس کو اس عصر کی سب سے بڑی مصیبت قومیت سے نجات دے سکے۔“

مغرب کا تکبر اور مشرق کے خلاف تعصب

مذہبی نظام کی شکست اور جذبہ قومیت کے فروغ کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ پورا یورپ پورے مشرق کے مقابل میں ایک حریف کیمپ بن گیا اس نے مغرب و مشرق آفرین نسل اور دوسری نسلوں کے درمیان ایک خط فاصل کھینچ لیا اور یہ طے کر لیا کہ اس خط کے اندر جتنی قومیں، تہذیبیں اور مسلم و ادب واقع ہیں ان کو دنیا کی تمام قوموں، تہذیبوں اور علم و ادب پر برتری اور فوقیت حاصل ہے ان کو حکومت کرنا، باقی رہنا اور بچھونا پھلنا چاہئے اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو مغلوب و محکوم رہنا چاہئے اور زندگی و ترقی کا کوئی حق نہیں، بعینہ یہی طرز خیال اپنے زمانے میں یونانیوں اور

رومیوں کا تھا، وہ دنیا میں صرف اپنے کو مہذب شمار کرتے تھے، اور باہر کی ہر چیز کو خصوصاً جو چیز بحر اٹلانٹک کے مشرق میں واقع ہو بربری کے نام سے پکارتے تھے۔

قومیت کی حد بندیاں

یورپ کی قوموں اور سلطنتوں نے اپنے کو ایک مستقل دنیا فرض کر لیا ہے، قدرت نے پہاڑوں اور دریاؤں کے جو طبعی حدود قائم کر دیئے ہیں اور خود انھوں نے اپنے گرد سیاسی مقصد اور استعمال کے جو چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچ لئے ہیں ان کے نزدیک ان کے باہر دنیا اور انسان کا وجود نہیں پایا جاتا ان کو ان گھروندوں کے باہر کسی چیز کا احترام اور قدر نہیں انھوں نے خود اپنے کو ایک مستقل معبود بنا لیا ہے اور عبادت و تقدیس کا جتنا تعلق بعد و معبود کے درمیان ہونا چاہئے انھوں نے اس خود ساختہ معبود کے ساتھ قائم کر لیا، اسی کے لئے ان کی قربانیاں ہیں اسی کے راستے میں جنگ ہے، اسی کی خاطر جینا اور مرنا ہے اس پر چڑھاؤں کے لئے بے تکلف صدا انسانوں کا خون بہایا جاتا ہے اس دین قومیت کا عقیدہ اولین یہ ہے کہ قوم ہر چیز پر مقدم اور ہر چیز سے بالا و تر ہے اس قوم سے افضل زیادہ شریف زیادہ ذکی، زیادہ طاقتور، حکومت و سیادت، قوموں کی نگرانی و اتالیقی اور دنیا کی حفاظت کی اہل، سطح زمین پر کوئی دوسری قوم نہیں پائی جاتی اس کے دریاؤں کا پانی امرت اس کی مٹی سونا، اور اس کے کانٹے پھول ہیں، یہ دین قومیت کسی انسان کو کسی ملک میں رہنے کی اس وقت تک اجازت نہیں دیتا جب تک وہ اس پر ایمان نہ لائے۔

قوم پرستی کا تخم ایک ہی طرح کے برگ بار لاتا ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی قوم، قوم پرستی پر ایمان رکھتی ہو اور دست درازی نہ کرتی ہو بے ان کے ناجائز ہوتے ہو، اور اپنے سوا دوسروں کی تحقیر و تنقیص سے پاک ہو جیسے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان شراب کے جام پر جام چڑھائے اور نہ وہ بیکے نہ لے نشہ آئے۔

درمیان قہر دریا تختہ بزم کردہ

بازی گوئی کہ داسن ترکمن ہشیار باش

خصوصاً جب کہ علم، ادب، شعر، فلسفہ، تاریخ، یہاں تک کہ علوم طبعیہ اس نشہ قومیت کو
اور نیز اور اس شراب کو دو آتشہ بناتے رہتے ہیں اور ہر طرح سے قوم میں ملی غرور، تعالیٰ اور اپنے ماضی
پر فخر و تکبر کی پرورش ہوتی رہتی ہے اور کسی قسم کی اخلاقی اور مذہبی رکاوٹ نہیں ہوتی اور رہنمائی بھی
ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جو قومی شوکت و عظمت کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتے۔

قوم پرستی کے عناصر نفرت اور خوف

نفرت اور خوف قوم پرستانہ زندگی کے ضروری عناصر ہیں جن کے بغیر اس میں جان نہیں آتی،
قوم پرستی کا بوش اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا اور اگر پیدا ہو جائے تو باقی نہیں رہتا جب تک کہ
قوم کے لئے کوئی چیز نفرت کرنے کے لئے اور کچھ ڈرنے کے لئے نہ ہو چنانچہ قومی رہنما نفرت اور خوف
کے ذریعہ سے اس کے جذبات براہِ گنجہ کرتے رہتے ہیں اور اس کی اس کھنٹی رگ کو دبا کر اس میں بیجان
واشتعال اور جوش و خروش پیدا کر دیتے ہیں وہ نفرت اور خوف کی آگ بجھنے نہیں دیتے بلکہ رالی کا پہاڑ
بنا کر چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بڑھا کر اور کسی نہ کسی حقیقی یا فرضی حریف کو سامنے لا کر قوم کے
جذبہ نفرت و خوف کو زندہ اور متحرک رکھتے ہیں اور اسی میں اپنی حکومت یا قیادت کی زندگی اور اپنی بقا
سمجھتے ہیں پروفیسر سوڈ نے اس کی بول فلسفیانہ اور نفسیاتی تحلیل و توجیہ کی ہے۔ وہ حسبِ ذیل ہے۔

”وہ مشترک جذبات جن کو آسانی سے براہِ گنجہ کیا جاسکتا ہے اور جو جہد کی بڑی بڑی
جاعتوں کو حرکت میں لاسکتے ہیں وہ جسم، فضا، اور محبت کے جذبات نہیں بلکہ نفرت اور
خوف کے جذبات ہیں جو لوگ کسی قوم پر کسی مقصد کے لئے حکمرانی کرنا چاہتے ہیں،

وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اس کے لئے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کر لیں جس سے وہ نفرت کرے، اور اس کے لئے کوئی ایسی شخصیت یا قوم نہ پیدا کر لیں جس سے وہ ڈرے، میں ہی اگر قوموں کو متحد کرنا چاہوں تو مجھے چاہئے کہ میں ان کے لئے کسی اور سیارہ پر کوئی دشمن ایجاد کروں مثلاً چاند جس سے یہ سب قومیں ڈریں، اس بنا پر قطعاً حیرت کی بات نہیں کہ اس زمانہ کی قومی حکومتیں اپنی ہمسایہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نفرت اور خوف ہی کے جذبات کے زیر اثر ہیں انھیں جذبات پر ان سلطنتوں پر حکمرانی کرنے والوں کی زندگی موقوف ہے، اور انھیں جذبات پر قومی اتحاد کی بنیاد ملے:

واقعہ یہ ہے کہ خالص قوم پرستانہ ذہن اور اس کا طریقہ کار (TECHNIQUE) یہی ہے کہ نفرت اور خوف کو قائم رکھا جائے، انھیں دو جذبات پر گزشتہ و موجودہ قوم پرست حکومتوں کی بنیاد رہی ہے، اور انھیں دونوں جذبات نے اُن بڑی بڑی جنگوں کو پیدا کیا ہے جن کی داستان تاریخ میں نظر آتی ہے، اور جن کے آثار دنیا میں ابھی موجود ہیں، اسلام اس قوم پرستی کو جو اپنی قوم کی جاوے جا پاسداری اور دوسروں سے نفرت اور خوف کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور جس میں اصول و صداقت کا سوال نہیں، "عصبیت" اور "حمیتِ جاہلیت" قرار دیتا ہے اور ہر ایسی امداد و حمایت و جوش و حمیت اور جنگ و جدال کو حرام قرار دیتا ہے جس کی بنیاد محض قومی یا جماعتی عصبیت پر ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد فرمایا:۔

لیس منامن دھالی عصبیۃ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی جتھ بندی
ولیس منامن قاتل دلی عصبیۃ کی دھت سے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے
ولیس منامن مات علی عصبیۃ جو کسی جتھ بندی اور پاسداری کے لئے

لے ۱۵۰-51 GUIDE TO MODERN WICKEDNESS لے الہ الوداؤد۔

جنگ کرے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے

جو جتھہ بندی کی حالت میں مرے۔

جو شخص اس قوم پرستی اور جاہلی عصبیت کی جنگ میں مارا جائے اس کی موت "جاہلی"

(غیر اسلامی) قرار دی گئی ہے اور ایک حدیث میں اس کو امت سے خارج بتلایا گیا ہے۔

من قاتل تحت راية عمية جو شخص کسی اذہادھند بھنڈے کے

یغضب بعصية او يدعوا الى نیچے کسی جتھہ بندی کے جوش حمایت میں کسی

عصية او ينصر عصبية فقتل جتھہ بندی کی دعوت میں یا کسی جتھہ بندی

فقتلته جاهلية کی امداد میں جنگ کرے گا اور مارا جائے گا تو

اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

ومن قتل تحت راية عمية جو کسی اذہادھند بھنڈے کے نیچے کسی

یغضب للعصية ويقاتل پاسداری کے جوش میں یا پاسداری کی جنگ میں

للعصية فليس من امتی مارا جائے گا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

اسلام نے عالم انسانی کو دو ہی حصوں میں تقسیم کیا ہے خدا کے پیرو اور جوش کے حامی شیطان کے

پیرو اور باطل کے حامی اس نے صرف شیطان کے پیروؤں، باطل کے حامیوں زمین میں فساد

کرنے والوں اور ظلم و سرکشی اور فسق و فجور پھیلانے والوں سے نفرت رکھنے اور ان کے خلاف

جنگ کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ کسی نسل اور وطن سے تعلق رکھتے ہوں، نفرت اور جنگ کے لئے

اس کے یہاں تقسیم قومی و نسلی بنیادوں اور ملکوں اور شہروں کے حدود پر نہیں ہے بلکہ اصول عقائد

و اعمال اور خدا سے وفا داری اور بغاوت اور انسانیت کے لئے نفع و مضرت کی بنیاد پر ہے۔

اے مسلم و نسائی اے مسلم

قومی عظمت و تکبر

قوم پرستوں کا قاعدہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی کمزور قوموں میں بھی قوم پرستی کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اس کے ادب، زبان اور تہذیب کے حق میں قصیدہ خوانی اور اس کے عہد ماضی کی عظمت و شوکت میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قومیں قوم پرستی کے جذبات سے مغلوب اور نشہ قومیت سے سرشار ہو جاتی ہیں ان میں اپنے اوپر غلط اعتماد اور فخر و تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بیرونی دنیا سے قطع تعلق کر کے قومیت کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں محدود و محصور ہو جاتی ہیں ان کو کسی میں الا قوامی طاقت کسی عالمگیر رشتہ کی پروا نہیں ہوتی اور وہ اپنے وسائل اور طاقت پر پورا اعتماد کرتی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چند گھنٹوں میں کسی بڑی طاقت کا لقمہ بن جاتی ہیں اور دنیا دور سے اس کا نشانہ دیکھتی رہتی ہے اور سوائے زبانی ہمدردی کے ان کو وقت پر کوئی مدد نہیں ملتی، قومیت کے حصار کو قائم کر کے اور اپنے کو دنیا سے علیحدہ اور ممتاز قرار دے کر وہ گویا بڑی طاقتوں کو شکار کی دعوت دیتی ہیں، وسطیورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا اس جنگ میں جو کچھ انجام ہوا وہ دنیا کو معلوم ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اسلامی ممالک جو عالمگیر دعوت و تحریک رکھتے ہیں اور جن کے پاس ایسی طاقت ہے جو (اگر ان پریس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہو) یورپ کے قومی و وطنی اور سیاسی فلسفوں اور دعوتوں سے زیادہ طاقتور وسیع اور عمومی دعوت و تحریک ہے ان کا رجحان بھی محدود قومیتوں کی طرف ہے حالانکہ وہ اپنے وسائل، سامان جنگ اور تعداد کے لحاظ سے یورپ کی ریاستوں سے کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہیں ہیں اس لئے یہ توقع کرنا خوش فہمی سے خالی نہ ہو گا کہ وہ اپنے ان محدود وسائل اور قومیت و وطنیت کے حدود کے اندر کسی خطرہ کا زیادہ دنوں تک مقابلہ

کر سکیں گے۔

قوم پرست حکومتوں کا معیار عزت و عظمت

قوم پرست حکومتوں کا معیار عزت و عظمت یہ ہے کہ زمین کے بڑے بڑے رقبہ پر ان کا تسلط و اقتدار ہو، ملک کے حدود وسیع اور ذرائع آمدنی وافر ہوں، اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے اور ہمسایہ قوموں یا حریف سلطنتوں کو خوف زدہ کرنے کا ان کے پاس پورا سامان ہو، ملک کے افراد میں قومی بڑی نسلی تقویت، اپنی قدیم تہذیب اور ادب و زبان اور تاریخ ماضی پر فخر و مباہات کا جذبہ پایا جاتا ہو اور دوسری معاصر قوموں کی کمزوری اور تہذیبی و ادبی بے مائیگی پر ایمان راسخ ہو، وہ ملک سلطنت کی عزت و عظمت کی خاطر بڑے بڑے مجرمانہ و وحشیانہ اعمال کا بے تکلف ارتکاب کر سکتے ہوں، اور اپنی قوم اور اس کے افراد کو حقیر سے حقیر فائدہ پہنچانے کے لئے بڑی سے بڑی حق تلفی اور نا انصافی میں ان کو باک نہ ہو ایسی حکومت کا اخلاقی معیار خواہ کتنا ناپست ہو اس کے شہری، اخلاقی شعور، انسانیت کے احترام اصول کی پابندی سے خواہ کتنے ہی بیگانہ ہوں، اور وہ حکومت اور اس کے ذمہ دار اخلاقی حدود و قیود سے کتنے ہی آزاد ہوں وہ حکومت عزت و عظمت کے بلند معیار پر فائز اور دنیا کی ایک خاص قابل احترام اور لائق تقدیس حکومت ہے، پروفیسر جوڈن نے صحیح لکھا ہے کہ:-

”قومی عظمت کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قوم کے پاس ایسی طاقت ہو جس سے

وہ بوقت ضرورت اپنی خواہش و ارادہ کو دوسروں پر مسلط کر سکے، یہ قومی عظمت ان

قوموں کے نزدیک ٹیڈیل کا درجہ رکھتی ہے، اس کی نامقولیت اسی سے ظاہر ہے کہ یہ عموماً

اخلاقی صفات کے بالکل ضد ہے، اگر کوئی ملک ایسا ہے جو صرف سچ ہی بولتا ہے،

وعدے و فاکر تاجے اور کمزوروں کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرتا ہے تو ان قوموں کے نزدیک اس کی عزت کی سطح پست ہے، مسٹر بلڈون کے بقول عزت نام ہے اس قوت کا جس سے قوم خاص شرف و اعتبار کی مالک ہو اور نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ظاہر ہے کہ ایسی قوت جس سے قوم کو ایسا اعزاز و امتیاز حاصل ہو موقوف ہے آتش فشاں گولوں اور بموں پر ان نوجوانوں کی وفاداری اور وطن دوستی چرچ کا شہروں پر ان گولوں اور بموں کو پھینکنا محبوب مشغلہ ہے پس جس عزت کے لئے کسی قوم کی تعریف کی جاتی ہے وہ ان صفات و اخلاق کے بالکل ضد واقع ہوئی ہے جن کی بنیاد پر فرد کی تعریف کی جاتی ہے، میرے نزدیک تو قوم کو اسی قدر خوشی اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے جس قدر وہ ایسی عزت کی مالک ہو، فریب ہی دغا بازی اور ظلم سے عزت حاصل کرنا کسی انسان اور قوم کے لئے قطعاً باعث عزت نہیں ہے۔

ہدایت یا تجارت

لادینی حکومتیں دراصل ایک ترقی یافتہ منظم اور محفوظ تجارتی ادارے ہیں، حکومتیں بنیاد و اصولی طور پر نفع پہونچانے کے لئے نہیں بلکہ نفع اٹھانے کے لئے قائم ہوتی ہیں، وہ سرے سے کوئی اخلاقی پیغام اور اصلاحی مقصد نہیں رکھتیں، نہ ان کے پیش نظر ملک یا قوم کی اخلاقی و روحانی ترقی، انسانوں کی ہدایت اور انسانیت کی حقیقی خدمت و بہبود ہوتی ہے، قدرتی طور پر ان کی اصل توجہ آمدنی کے ابواب، نفع اٹھانے کی تدابیر اور سرکاری محاصل و مطالبات کی طرف ہوتی ہے، اس غرض کے لئے وہ بے تکلف اخلاق و شرافت کے اصول کو نظر انداز کر دیتی اور

اخلاقی تعلیمات و مصالح کو پس پشت ڈال دیتی ہیں جہاں کہیں اخلاقیات و ایات کا تصادم ہوتا ہے وہاں وہ ہمیشہ ایات کو ترجیح دیتی ہیں ہر مسئلہ میں ان کا نقطہ نظر معاشی و اقتصادی ہوتا ہے اس طرز کی حکومتیں بد اخلاقی و بے حیائی کی بہت سی قسموں کو کچھ قانونی قیود کے ساتھ جو برائے کام سدباب نہیں کرتی بلکہ ان کو صرف نظم و ضابطہ میں لے آتے ہیں (جائز قرار دیتی ہیں) عصمت فروشی کا پیشہ ان کی حکومت میں قانوناً جائز ہوتا ہے وہ خود وسیع پیمانہ پر اور نظم طریقہ پر سودی کاروبار کرتی ہیں مہذب ناموں سے جوئے کی اجازت ہوتی ہے ناموں کی تبدیلی اور بعض ایسے قیود کے ساتھ جو حکومت کے مفاد کو محفوظ رکھتے ہیں بہت سے اخلاقی جرائم جائز ہوتے ہیں خرابی کی نہ صرف اجازت ہوتی ہے بلکہ حکومت بعض اوقات اس کی تجارت اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور اس کے خلاف جبر و جہد کرنے والے کو سزا دیتی ہے سینما اور فلم سازی کی صنعت جو اپنی موجودہ روح اور شکل میں اُمّ الجرائم اور قوم میں بد اخلاقی کا رجحان اور شہوانی میلان پیدا کرنے کی سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہے حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے اخلاقی نقصانات کو جاننے اور دیکھتے ہوئے بھی حکومت اس کو روک نہیں سکتی ریڈیو کا سرکاری محکمہ قوم کی اخلاقی رہنمائی اور تربیت کے بجائے داروغہ ارباب نشاۃ کی خدمت انجام دیتا ہے اور قوم میں بخیدگی اور صحیح ذوق پیدا کرنے کے بجائے اس کے فاسد ذوق اور سطحی رجحانات کا ساتھ دیتا ہے بلکہ اپنے پروگرام سے تفریحی رجحان پیدا کرتا ہے اور تعلیم و تربیت کا ذریعہ بننے کے بجائے آراء تفریح بن کر رہ جاتا ہے قانون مطالبہ اور حکومت کا محکمہ احتساب جہاں سیاسیات و انتظامیات میں نہایت ذکی افسر خرد بین اور سخت گیر ہوتا ہے اور کسی ادنیٰ تنقید کو بھی بعض اوقات گوارا نہیں کرتا وہاں اخلاقیات کے بارے میں نہایت فراخ دل، فیاض اور بے نیاز واقع ہوتا ہے غیر ذمہ دار اخبار نویس اور فحش نگار ادیب اور افسانہ نگار اپنے حقیر مادی فائدے کے لئے قوم میں اخلاقی طاعون

پھیلاتے ہیں لیکن جب تک پانی سر سے نہ گزر جائے حکومت کی مشین متحرک نہیں ہوتی، اس طرز حکومت میں اخلاق کے ساتھ قوم کی صحت بھی محفوظ نہیں رہتی، بعض تجارتی ادارے اپنے مضر صحت مصنوعات اہل ملک کی صحت کو مسلسل نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اور لوگوں کو کمزور بیمار بناتے رہتے ہیں لیکن حکام کو رشوت دے کر یا حکومتی و قومی اداروں کو گرفتار مالی امداد پہنچا کر حکومت کے غائب احتساب بچتے رہتے ہیں یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ حکومت کا نقطہ نظر اور اس کا فکری محور اصول و اخلاق، ہدایت و اصلاح نہیں بلکہ مانی منفعت اور ظاہری خوشحالی ہے۔

اس طرز سیاست کا لازمی نتیجہ ہے کہ اہل ملک کے اخلاق روز بروز پست ہوتے چلے جائیں اور ایک خطرناک اخلاقی انحطاط اور اخلاقی امراض رونما ہوں اور پوری قوم میں اور اس کے ہر طبقہ میں تاجرانہ ذہنیت اور نفس اندوزی اور موقع پرستی کی ذہنیت پیدا ہو جائے اور ایک عام لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو، ہر شخص دوسرے کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے کی کوشش کرے اور اصول و اخلاق کا مسئلہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔

اس کے برخلاف جو حکومتیں منہلج نبوت پر قائم ہوتی ہیں ان کی بنیاد تجارت کے بجائے ہدایت پر ہوتی ہے، خلیفہ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک عامل سے جس نے ان کے طرز حکومت کی وجہ سے آمدنی کی تخفیف اور حکومت کے مالی نقصان کی شکایت کی تھی فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے تحصیلدار اور محضل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے اس ایک مختصر سے جملہ میں دینی حکومت کا پورا اصول سیاست اور طرز حکمرانی آگیا۔ دینی حکومت کی بڑی توجہ جمہور کے مذہب و اخلاق اور ان کے اخروی نفع و ضرر کی طرف ہوتی ہے اس کا اصل کام خراج اور محاصل کی تحصیل وصول اور آمدنی کا اعجاز

نہیں ہے، یہ سب چیزیں بالکل ضمنی اور ثانوی ہیں اور محض اصلاحی و دینی مقاصد تکمیل اور انتظام حکومت کے آئہ کار کے طور پر ہیں، وہ تمام سیاسی و مالی امور میں دینی نقطہ نظر سے غور کرتی ہے، دینی اور اخلاقی اصول و مبادی کو مادی فوائد و مصالح پر مقدم رکھتی ہے اس کے حدود حکومت میں سود، جوا، شراب، زنا، فسق و فجور بے حیائی کی قیاس اور اس کے تمام محرکات و ترغیبات اور ایسے مالی معاملات جن سے انفرادی نفع اور اجتماعی محضرت ممنوع اور خلاف قانون ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی وجہ عظیم الشان مالی خسارہ برداشت کرنا پڑے اور حکومت کو وسیع آمدنی سے محروم ہونا پڑے، وہ مختلف قسم کی اصلاحات نافذ کرتی ہے، اس کو صرف قوم کے افعال و اعمال ہی سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے رجحانات اور ذہنیت پر بھی اس کی نگاہ ہوتی ہے، اس لئے کہ اخلاقی رجحانات ہی افعال و اعمال کو وجود میں لاتے ہیں، اگر اخلاقی رجحان درست نہ ہو تو اعمال و افعال کی اصلاح اور جرائم اور بد اخلاقیوں کا سد باب کسی طرح ممکن نہیں اس لئے وہ ان تمام چیزوں پر پابندی عائد کرتی ہے جو قوم میں بد اخلاقی قانون شکنی اور فساد پرستی اور عشرت پسندی کا رجحان پیدا کرتی ہیں اور ان تمام اشخاص کو مجرم اور ملک کا دشمن گردانتی ہے، جو لوگوں میں بے حیائی اور معصیت پسندی پیدا کرتے ہیں، خواہ وہ اہل فن ہو یا ناجو اہل حرفہ، اس کو قیام امن و انتظام سلطنت کے ساتھ ساتھ اخلاقی نگرانی اور تہذیب نفس کا بھی پورا پورا اہتمام ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کی حیثیت صرف پولیس اور سچو کیڈار کی نہیں ہوتی بلکہ ایک شفیع مربی اور انا لیلین کی بھی ہوتی ہے۔

اس نوع کی حکومت کا طبعی نتیجہ وہی ہے جو قرآن مجید میں مہاجرین اولین کے تذکرہ میں ایک پیشین گوئی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے:-

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّسَّكُمْ فِي الْاَرْضِ

یہ (مظلوم) مسلمان وہ ہیں کہ اگر تم نے

أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
فَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا
عَنِ الْمُنكَرِ وَحَلَلُوا عَاقِبَةُ الْأُمُورِ
(الحج - ۴۱)

زمین پر انھیں صاحبِ اقتدار کر دیا یعنی
ان کا حکم چلنے لگا تو وہ نماز کا نظم قائم کریں
زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے نیکو کا
حکم دیں گے اور بڑائیاں روکیں گے اور تمام
باتوں کا انجام کارِ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔

تجارت و صنعت کا اخلاق کے ساتھ عدم تعاون

افرائش دولت کے شہرانی عہد میں یالارڈ میکالے کے پُر معنی الفاظ میں کم سے کم وقت
میں زیادہ سے زیادہ دو متمن بن جانے کا شوق رکھنے والے لوگوں کے اقتدار میں ایک زبردست
تجارتی مقابلہ جاری ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریبی صنعتوں، آرائش کے سامان اور لباسِ زینت
کے انواع و اقسام کا ایک سیلاب ہر روز کارخانوں اور صنعت گاہوں سے شہروں پر اُمٹا رہا ہے
بازار میں تراش خراش کے لباس، نئی نئی قطع کے جوتوں اور جوتیوں سے اور دوسرے سامانِ آرائش
سے جگمگاتے رہتے ہیں پھر فوراً یہ چیزیں پُرانی اور فرسودہ قرار پا جاتی ہیں اور برائے نام ترمیم کے ساتھ
نیا سامان ان کی جگہ لیتا ہے، زینت جن و ترقی کا معیار روزانہ بدلتا ہے اور برابر بڑھ رہا ہے
اس میں بڑا دخل کارخانوں کی اس بے ضرورت تفریحی پیداوار اور اس مبالغت و رقابت کا
ہے جو تجارتی مرکزوں اور صنعت گاہوں میں کام کر رہی ہے اور جو لوگوں کے اخلاق و معاشرت
نیز قوت خرید سے بالکل بے نیاز ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی روز بروز گراں، معیار زندگی
ہر گز نہ ہوئے دن سے بلند زندگی کے مطالبات اور فرضی لوازم زندگی روز افزوں اور
ان کی تکمیل کے لئے بڑی سی بڑی آمدنی ناکافی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قناعت ایک لفظ

بے سنی بنتا جا رہا ہے، سکون و اطمینان قلب خوابِ خیال ہو گیا ہے، ہر شخص اپنے سامنے اپنے سے بلند معیارِ زندگی رکھتا ہے، اور وہاں تک پہنچنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہے، ماحول بھی اسے اسی کا مطالبہ اور اسی کی توقع کرتا ہے، اور اس کے بغیر اس کو ذلیل سمجھتا ہے، ایک مدت اسی جدوجہد میں گزرتی ہے، جب وہ بام مقصود تک پہنچنے لگتا ہے تو وہ اور بلند ہو جاتا ہے اور ایک دوسرا بلند معیارِ زندگی سامنے آ جاتا ہے، اس طرح زندگی ایک غیر ختم شدہ جدوجہد اور ایک ایسا ایس کا میدان ہے جس کا سر اور کوئی انتہا نہیں، اس کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ زندگی میں تلخی اور کوفت بہت بڑھ گئی ہے، اور جو گھر آسانی کے ساتھ جنت کا نمونہ ہو سکتے تھے اور جہنم کی زندگی کے فطری و حقیقی لوازم سب پائے جاتے ہیں، کسی نہ کسی مہیوم اور خیالی چیز کی کمی کی وجہ سے دوزخ کا نمونہ ہیں، جہاں حقیقی عیش اور قلبی سکون غنقا ہے۔

ایک مسلمان عالم نے رومی و ایرانی تمدن کا جو نقشہ کھینچا ہے اور جو کتاب کے ابتدائی صفحات میں گزر چکا ہے، اس کو سامنے رکھ کر دیکھیے، موجودہ تمدن کا نقشہ اس سے ذرا بھی مختلف ہے، اس کا اخلاقی اثر یہ ہے کہ اخلاقی حدود و ضوابط برقرار نہیں رہے، محدود آمدنی میں غیر محدود مطالبات و تقاضوں اور فرمائشوں کی تکمیل رشوت اور غیر قانونی وسائل آمدنی کے بغیر ممکن نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رشوت (مختلف ناموں کے ساتھ) تجربانہ داد و ستد اور مخفی ذرائع آمدنی کا بازار گرم ہے، اور ان سے زندگی میں جو مشکلات اور نظام میں جو ابتری پیدا ہو سکتی ہے، وہ روز بروز روشن کی طرح عیاں ہے۔

نتیجہ عموماً زندگی کے فطری اور حقیقی ضروریات کے تقاضے کا نہیں بلکہ فرضی اور غیر حقیقی ضروریات کے مطالبہ کا ہے، اس کی بندش محض قانونی گرفت اور استیصالِ رشوت کی کوششوں سے ممکن نہیں، اس کا ذمہ دار وہ نظامِ زندگی ہے جو ایک مدت سے اخلاقی ہدایات سے محروم

اُخروی جزا و سزا کے تصور سے عاری اور وہ نظام تعلیم ہے جو اپنی کسر راہ پر تازہ ساخت کا وجہ سے اخلاقی جس اور ضمیر سید کرنے میں اتنا ہی ناکام ہے جتنا تجارتی یا جہادی کا پیشہ یا مصوٰی اور موسیقی کا فن ہو سکتا ہے اس کا ذمہ دار وہ نظام حکومت ہے جو آمدنی اور پیلو اور کے وسائل پر قابو رکھنا تو اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن تجارت و صنعت اور اخلاق کے باہمی تعاون و توازن کو ضروری نہیں سمجھتا۔

سائنسک ترقی اور عہد جدید کے اکتشافات

عہد حاضر اپنے طبعی تحقیقات اور علمی صنعتی اکتشافات و اختراعات کے لحاظ سے انسانی تاریخ کا ممتاز ترین عہد ہے اور اپنے اس امتیاز کی وجہ سے بجا طور پر اس کا مستحق ہے کہ اس کو اکتشاف و ایجاد اور برق و فولاد کے عہد کا لقب دیا جائے یورپ کی اُمّت اس باب میں سَلَم ہے اور اس کے محققین و موجدین کی ذہانت اور حتمائی قطعاً محلِ بحث نہیں۔ لیکن ہم کو اس موقع پر ایک مخصوص تنقیدی نقطہ نظر سے صنعتی کامیابیوں اور اکتشافات و ایجادات کا جائزہ لینا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ ان ایجادات کا مقصد کیا ہے انھوں نے کس حد تک اپنے مقصد کو پورا کیا اور دنیا کے لئے یہ ایجادات خیر و برکت اور باعثِ راحت ثابت ہوئیں یا انھوں نے دنیا کی مشکلات و مصائب میں کچھ اضافہ ہی کیا۔

صنعتی اکتشافات کا مقصد اور اسلامی تعلیمات

ہمارے نزدیک ان علمی تحقیقات اور صنعتی اکتشافات کا صحیح مقصد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے فطری سفر میں اپنی لاعلمی اور کمزوری کی بنا پر جو رکاوٹیں اور موانع پیش آتے ہیں ان پر قابو حاصل کیا جائے اور صحیح مقاصد کے ماتحت (جن میں زمین میں سر بلندی اور

قتلہ و فساد شامل نہیں) قدرت کی ان قوتوں اور دولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے جو اس عالم میں بکھری ہوئی ہیں۔

مثال کے طور پر انسان زمانہ قدیم میں پیدل چلتا تھا، پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ جانوروں سے فائدہ اٹھاوے، اس نے بیل گاڑیوں سے کام لیا، پھر اس نے اور سرعت پیدا کر لی چاہی تو اس نے صبار رفتار گھوڑوں کے ذریعہ دونوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کی، انسان کی فطرت میں قناعت اور سکون نہیں اور جذبہ مسابقت بھی اس کو کسی ایک منزل پر ٹھہرنے نہیں دیتا اس کی ضروریات بھی بڑھتی گئیں اور راحت و سرعت کا معیار بھی بلند ہوتا گیا اور تدریج وہ سواریاں وجود میں آتی رہیں جن میں سے ہر ایک پہلے کے مقابل میں زیادہ تیز ہے بحری سفر میں اس نے بادبانی کشتیوں سے دخانی جہازوں تک ترقی کی اصل و نقل کے بری و فضائی آلات و وسائل بھی اس نقطہ تک پہنچ گئے جو زمانہ سابق کے لوگوں کے خواب خیال میں بھی نہ تھے، اگر صحیح مقاصد کے ماتحت ان ہولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے غیر ضروری مشقت اور وقت اور قوت کے غیر ضروری استعمال سے بچ کر ان کو اور کسی بہتر مصرت میں صرف کیا جائے تو یہ خدا کی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سفر کی اس راحت و مہولت اور سرعت کو بطور انعام کے ذکر کیا ہے اور انسانوں پر اپنا ایک یہ احسان بتلایا ہے کہ وہ خدا کی دوسری مخلوقات کے ذریعہ سفر اور باربرداری کی بڑی بڑی مشقتوں سے بچ جاتے ہیں اور اس کی اپنی راحت و رحمت کی ایک نشانی اور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے فرمایا:-

وَالْأَنْعَامُ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ اس نے چار پائے پیدا کئے، ان میں تمہارا
فَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ
لے گرم کرنے والی پوشش ہے ہر طرح کی کے فائدے اور بھی ہیں ایسے جانور بھی ہیں

تَسْرِعُونَ ۝ وَتَحْمِلُ أَوْتَكَالَكُمْ إِلَىٰ
بَلَدٍ لَّكُمْ تَكُونُوا بِالْغِيَا إِلَّا لِبَيْعٍ
الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ
وَالْخَيْلِ وَالْبِخَالِ وَالْحَمِيرِ
لِتَرْكَبُواهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(انحل - ۵-۸)

جی کا تم گوشت کھاتے ہو اور ان میں تمہارا
نگاہوں کے لئے خوشنالی ہے جب تم شام
کے وقت انہیں پس لاتے ہو اور جب صبح کو
چھوڑ دیتے ہو اور یہی جانور ہیں جو تمہارا
بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لے جاتے ہیں کہ
تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے مگر بڑی کم
جانکا ہی کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار
بڑی ہی شفقت رکھنے والا اور بڑی ہی رحمت
رکھنے والا ہے اور گھوڑے، غمراہ اور گدے
پیدا کر دیئے ہیں کہ تم ان سے ساری کام آؤ
اور ایسے ان میں خوشنالی اور رزق بھی ہے
وہ اور بہت سی چیزیں پیدا کرتے ہیں جن کی
تمہیں خبر نہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَخَلَقْنَاهُمْ
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَفَعْنَاهُمْ مِنْ
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ
مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا
(بنی اسرائیل - ۷۰)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور شرف
اور تری دونوں کی قوتیں اس کے تاج کی دیں کہ
اسے اٹھائے پھر لی ہیں اور اچھی چیزیں اس کی
روزی کے لئے تھیا کر دیں نیز جو مخلوقات
ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اُسے
بڑی ہی پوری برتری۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا ۖ
وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلُكِ وَالْأَنْعَامِ
مَا تَرْكَبُونَ ۖ لَسْتُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِ
تُمْرَّدُونَ لَوْ أَنفَعَتْكُمْ إِذَا اسْتَكْبَرْتُمْ
عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي
سَمِعْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ
وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝
(الزحرف: ۱۲-۱۴)

اور جس نے سب چیز کے جوڑے بنائے اور
تہا جسے واسطے کشتیاں اور چوپائے بنائے
جس پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ کر بیٹھو
ان کی پیٹھ پر پھر اپنے رب کا احسان
یاد کرو جب اس پر بیٹھ چکے اور کہو پاک
ذات ہے وہ جس نے اس کو ہم سے قرب کیا
کر دیا اور ہم اس کو قابو میں نہ لاسکتے تھے
اور تم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

حضرت سلیمانؑ پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ غَدُوًّا ۖ
شَهْرٌ وَرَوَّاحًا شَهْرٌ ۖ
(سورة با: ۱۲)

اور سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کیا جس کی
منزل اس کی ایک ہینہ کی راہ اور شام کی
منزل ایک ہینہ کی۔

فَتَحْنُوْنَا لَهُ الرِّيحَ يَجْري بِأَمْرِ ۖ
رُحَاءَ حَيْثُ أَصَابَ ۝ (سورة ص: ۳۶)

پھر ہم نے ہوا ان کے تابع کی ان کے حکم
سے چلتی نرم جہاں پہنچتا چاہتے۔

لیکن ان نعمتوں اور ہولتوں سے فائدہ اٹھانے میں ایک خدا شناس اور خدائے اس
کی نفیات میں بڑا فرق ہے، مومن کو اس کی ہدایت ہے اور اس سے اس کی توقع کی گئی
ہے کہ وہ ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے وقت اس بات کو ملحوظ و متحضر رکھے کہ یہ محض اللہ کا
انعام اور اس کی بخشش ہے اس نے اس آزاد اور بے مہار جانور (یا بے حس و حرکت لہجے اور
لکڑی کو) اس طرح اس کا تابع فرمان اور آلہ کار بنادیا کہ وہ اس کے حکم و ارادہ سے بے جبری

بِأَمْرِ رُحَاءَ حَيْثُ أَصَابَ“ رواں رواں ہے اگر اس کی بخشی ہوئی عقل و تدبیر اور قوت و طاقت نہ ہوئی تو یہ اس کے بس کی بات نہ تھی لَسْتُ اَعْلٰی ظُهُودٍ ثُمَّ تَذَكُّرُ اَنْجَحَةً رَّبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرْنَا هٰذَا اَوْ مَا لَنَا لِهٰذَا مُقَرِّنٌ لِّهٖ“ اور عین اس حالتِ استفادہ میں یہ پیش نظر ہے کہ وہ قوت و قدرت کے باوجود اشیاء کے اصل خالق اور عالم کے فرمانروا کے حضور میں حاضر ہونے پر مجبور ہے اور اس کو ایک ن اس کا حساب دینا ہے کہ اس نے ان نعمتوں سے کیا فائدہ اٹھایا ان کو کہاں استعمال کیا اور ان کا کیا حق ادا کیا، چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا: ”وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ“ مومن ان نعمتوں کو محض اللہ کا فضل و انعام اور شکر و ناشکری کا امتحان سمجھنا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے الفاظ ہیں هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ فَاَنْتَ لَیْسَ لَیَّ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ يَّكْفُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَفُورٌ کَرِیْمٌ“ یہ میرے رب کا احسان ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں جو کوئی شکر کرے گا تو اپنے واسطے اور اگر کسی نے ناشکری کی تو میرا رب تو بے نیاز و کریم ہے) مومن اور غیر مومن کا ایک فرق یہ ہے کہ مومن ان آلات اور قوتوں کو ان کے محل پر استعمال کرتا ہے اور ان سے اللہ کے دین اور نظامِ حق کی اعانت و نصرت کا کام لیتا ہے، جو ان اشیاء کی پیدائش کا اہل مقصد ہے فرمایا: ”وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ فِیْرِ بِأَمْرِیْ شَدِیْدٌ وَمَنْ اَفْعَ لِلنَّاسِ وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّتَصَّرُ کَ وُرْسَلًا بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ غَفُورٌ“ (اور ہم نے تو بپیدا کیا جس میں بڑی قوت اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں) اور اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو جان لے جو (اس کے ذریعہ) اللہ کی اور اس کے پیغمبروں کی بن دیکھے مدد کرتے ہیں اور بے شک اللہ (خود) قوی اور غالب ہے) خدا ناس خدا تر کا انسان خدا کی بخشی ہوئی طاقت اور انعام کو مجرموں کی مدد کا ذریعہ نہیں بنانا، حضرت موسیٰ نے فرمایا:

رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۰۱﴾ اے رب جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا پھر کسی بھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا (پس صحیح دین ہی ہے جو خدا کی شناخت اور خدا کا خوف پیدا کرتا ہے جو تمام مخلوقات کے اصل خالق اور عالم کے اصل فرمانروا کی معرفت پیدا کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسان محض ان قوتوں اور دولتوں کا امین ہے اس کو اس کے حضور میں پیش ہونا ہے، اور ان قوتوں اور دولتوں کے مصرف و استعمال کا جواب دینا ہے، دین ہی ہے جو انسان کو طاقت کے نشیہ میں متوالا اپنے اختیارات اور تصرف کی قوت دیکھ کر بے خود اور مدہوش ہونے نہیں دیتا، دین ہی ہے جو ان چیزوں کا جائز و صحیح محل استعمال اور مفید مصرف بتلاتا ہے، وہی ان چیزوں کو کارآمد بنی نوع کے لئے مفید اور دنیا کے حق میں باعث خیر و برکت بناتا ہے، دین ہی ہے جو انسان کی عقل اس کی قوت اور اس کے اخلاق کے درمیان توازن و تناسب قائم رکھتا ہے، دین ہی ہے جو انسان کے ذاتی فوائد و مصالح کو اجتماعی فوائد و مصالح کے ساتھ مربوط و متناسب رکھتا ہے، دین ہی ہے جو انسان میں اپنی قوت و اختیارات کے شاہد و احساس کے وقت ضبط و اعتدال اور فخر و استکبار کے بجائے عجز و نیاز اور بندگی کی شان پیدا کرتا ہے، قرآن مجید نے دونوں طرح کے نمونے پیش کئے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے عین جاہ و جلال میں فرمایا:-

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَهَلَيْتِي
مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَأَلِمْتُ الْعَمَلُ
وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِي فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي
بِالصَّالِحِينَ ۝

(یوسف - ۱۰۱)

میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں
جو تیرے نیک بندے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ نے جب اپنی قوت و حشمت اور رعب و دبدبہ ملاحظہ فرمایا تو بے ساختہ ان کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے :-

نَبِّ اَوْزِعْنِيَاَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
اَلَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى الْاَلَدِيْ
فَلَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَلَا ذُلًا
يُرِيحُمَكَ فِىْ عِبَادِكَ الْغٰلِبِيْنَ

اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے
احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے
ان باپ پر کیا اور یہ کہ ایسے نیک کام کروں
جو تجھے پسند ہوں اور مجھ کو اپنی ہر پالی سے
(النمل - ۱۹)

اس کے برخلاف جو لوگ دین کی دولت سے محروم اور خدا کو بھولے ہوئے تھے ان کو اپنی طاقت اور دولت پر ناز تھا، اور وہ اپنے سے بلند و بالا کسی ہستی کو نہیں سمجھتے تھے :-

فَاَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ
يَغْبِرُوْا الْحَقَّ وَقَالُوْا اَمْنٌ اَمْسَدُ
مِنْ اَنْتُمْ عَدَاوَلَمْ يَزِدْ اِنَّ اِلٰهَهُ
الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَسَدُّ مِنْهُمْ
قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ

اور قوم عاد کا قصہ یہ ہے کہ انھوں نے
ملک میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کون ہے
ہم سے زیادہ طاقت میں کیا دیکھتے نہیں کہ
الہ جس نے ان کو بنایا وہ ان سے زیادہ
ہے طاقت میں اور وہ ہماری نشانوں
(الحج السجده - ۱۵) کے منکر تھے۔

زمانہ ماضی کے ایک بڑے دولتمند کا واقعہ سنایا ہے کہ اُس سے کچھ معقول لوگوں نے کہا کہ اپنی دولت پر زیادہ ناز نہ کرو، اپنے مال و دولت سے آخرت کا سامان کرو اور اللہ کے احسان کا بدلہ احسان سے دو اور زمین میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو :-

اِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اِلٰهَكَ

لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝ وَابْتَغِ فِيمَا
 آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسِ
 نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَخْرِ
 كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ
 الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُسْرِفِينَ ۝ (القصص ۷۶، ۷۷)

اترانے والے نہیں بھالتے اور جو تجھ کو اثر
 نے دیا ہے اس سے پھلا گھر کمالے اور اپنا
 حصہ دنیا سے بھول (یعنی حصہ موافق
 کھا، پہن اور برت) اور بھلائی کر جیسے
 اثر نے بھلائی کی تجھ سے اور ملک میں فساد
 ڈالنا نہ چاہ اثر کو فساد کرنے والے نہیں۔

قارون نے اس کا جواب دیا کہ اس مال و دولت کے سلسلے میں میں کسی کا شرمندہ احسان
 و ممنون منت نہیں سمجھتا میری عقل و دانائی اور علم و ہنرمندی کا ثمرہ ہے۔ قَالَ إِنَّمَا أَكُونُ ثِقَةً
 عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدَ رَبِّي (کہا یہ تو مجھے اپنے ایک خاص علم کی بنا پر ملا ہے۔)

اپنی طاقت کے زعم و احساس اور اپنے اوپر کسی اور، سستی..... اور بالاتر
 طاقت کے انکار کا نتیجہ وہ نشہ قوت ہے جو انسان کو معنوں بنا دیتا ہے، اور جس کو کوئی
 اخلاقی ہدایت و تعلیم، کوئی جذبہ انسانیت اور کوئی مصلحت قابو میں نہیں رکھ سکتی، افراد اس کے
 آہنی پنج میں مجبور و بلا اختیار رہتے ہیں اور کمزور قومیں اس کے پاؤں کے نیچے سبزہ کی طرح پامال
 ہوتی رہتی ہیں قوم عاد سے اس کے پیغمبر نے کہا "وَإِنَّا بَاطِلُونَ بِطُغْيَانِكُمْ" (اور جب تم کسی پر
 ہاتھ ڈالتے ہو تو اس کو بڑی سختی سے پکڑتے ہو) سرکشی اور تکبر فتنہ و فساد، مرد آزادی اور آدم کشی
 اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلًا شَرًّا لِّبَنِيهِمْ ۖ

كَانَ يَفْتَقَرُ مِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۚ وَكَانَ مِنَ الْمُسْرِفِينَ (بے شک
 فرعون نے ملک میں سر اٹھایا اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہوں میں بانٹ دیا، ایک گروہ کو
 بالکل کمزور کرنا چلا جا رہا تھا ان کے لوگوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا)

بے شک وہ مفسدوں میں تھا۔

صحیح دین کے گہرے اثرات اور اخلاقی تربیت کے بغیر جب قوتِ علم اور صنعت ترقی کرتی ہے تو اس کے طبعی نتائج وہی ہوتے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے۔

یورپ میں قوت و اخلاق اور علم و دین کا عدم توازن

بد قسمتی سے یورپ میں قوت و اخلاق اور علم و دین کا توازن صدیوں سے بگڑا ہوا ہے۔ نشأتِ جدیدہ کے بعد سے مادی قوت اور ظاہری علم بڑی سرعت سے ترقی کرتے رہے اور دین و اخلاق میں تنزل و انحطاط واقع ہوتا گیا، کچھ مدت کے بعد ان دونوں میں کوئی تناسب باقی نہیں رہا اور ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جس کے نراز و کالیک پلڑا آسمان سے باتیں کرتا ہے اور دوسرا تختِ الشریٰ میں ہے یس ایک طرف اپنے صنعتی کمالات و عجائبات اور اپنے خوارقِ عادات کے محاذ سے نیز مادہ اور طبعی قوتوں کی تسخیر میں بافوق البشر معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف اپنے اخلاق و اعمال، اپنے حرص و طمع، سنگ دلی اور بے دردی میلاں کی سطح چوپایوں اور درندوں کی سطح سے بلند نہیں اس کے پاس زندگی کے تمام وسائل ہیں لیکن اس کو جینا نہیں آتا، اس کو زندگی کے انتہائی تکنیکی علوم و مسائل معلوم ہیں لیکن وہ انسانی زندگی اور تمدن و اخلاق کے بالکل ابتدائی اصول و مبادی سے ناواقف ہے اس کا علمی و صنعتی بلند پروازیوں اور اخلاقی پستیوں میں قطعاً کوئی تناسب نہیں ہے، طبعی علوم نے جو زبردست طاقت اس کو بخشی ہے اس کے استعمال کا وہ سلیقہ نہیں رکھتی، پروفیسر جوڈ نے خوب کہا ہے کہ علومِ طبعی نے ہم کو وہ قوت بخشی جو دیوتاؤں کے شایانِ شان تھی، لیکن ہم اس کو بچوں اور وحشیوں کے دماغ سے استعمال کر رہے ہیں ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے:-

”ہماری حیرت انگیز صنعتی فتوحات اور ہمارے شرمناک اخلاقی پچپن کے درمیان
 جو تفاوت ہے اس سے ہمارا ہر موڑ پر سابقہ پڑتا ہے ایک طرف ہماری صنعتی
 ترقیوں کا حال یہ ہے کہ ہم ٹھیکے ٹھیکے سمندر پار سے اور ایک براعظم سے دوسرے
 براعظم کے لوگوں سے بے تکلف باتیں کر سکتے ہیں سمندر کے اوپر اور زمین کے
 نیچے دوڑتے پھرتے ہیں ریڈیو کے ذریعہ سیلون میں گھر ٹھیکے لندن کے بڑے گھنٹے
 (BIG BEN) کی آواز سناتے ہیں بچے ٹیلی فون کے ذریعہ ایک دوسرے سے
 باتیں کرتے ہیں برقی تصویریں آنے لگیں بے آواز کے ٹائپ رائٹر چل گئے ہیں
 بغیر کسی درد و تکلیف کے دانت بھرے جاسکتے ہیں کھیتیاں بجلی سے پکائی
 جاتی ہیں ربر کی سڑکیں بنتی ہیں ایک سرے کے ذریعہ ہم اپنے جسم کے اندر دفنی ہندو کو
 جھانک کر دیکھ سکتے ہیں تصویریں بولتی اور گاتی ہیں لاسکی کے ذریعہ مجرموں اور
 قاتلوں کا پتہ چلایا جاتا ہے برقی موجوں سے بالوں میں پیچ و خم پیدا کیا جاتا ہے
 آبدوز کشتیاں قطب شمالی تک اور ہوائی جہاز قطب جنوبی تک اڑا کر جاتے ہیں
 لیکن اس سب کے باوجود ہم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے بڑے بڑے شہروں میں
 کوئی ایسا میدان بنادیں جس میں غریبوں کے بچے آرام و حفاظت کے ساتھ
 کھیلیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سالانہ دو ہزار بچوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں
 اور نوے ہزار زخمی ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں ایک ہندوستانی فلسفی سے اپنے تمدن کے عجائبات کی تعریف
 کر رہا تھا، اسی زمانہ میں ایک موٹر چلانے والے نے (PENDIN SANDS) میں
 تین یا چار رسولین کی سافٹ ایک گھنٹہ میں طے کر کے ریکارڈ قائم کیا تھا یا کسی جہان

نے اسکو سے نیویارک کی مسافت مجھے یاد نہیں میں گھنٹہ میں یا پچاس گھنٹہ میں
طے کی تھی، جب میں سب کہہ چکا تو ہندوستانی فلسفی نے کہا ہاں یہ صحیح ہے کہ تم
ہو میں چڑیوں کی طرح اڑتے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرتے ہو لیکن ابھی تک
تم کو زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا ہے

علم و صنعت اور اخلاق و انسانیت کے درمیان عظیم فاصلہ موجود مغربی تہذیب نے
پیدا کر دیا ہے، اور موجودہ تہذیب اپنا مقصد پورا کرنے اور انسانیت کی صحیح خدمت انجام
دینے میں جس طرح ناکام رہی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے دوسرا مغربی فاضل ڈاکٹر الکسس کیل
ALEXIS CARREL اپنی کتاب MAN THE UNKNOWN میں لکھتا ہے :-

”موجودہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل
کرے لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے یہ انسان میں
ایک اٹنی ہیجان اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں ان کے
اثر سے انسان صبر و ضبط سے خالی ہو جاتا ہے اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے لگتا
ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان
پیدا ہی نہیں کر سکتی جن میں فی خلق، ذکاوت اور جرأت ہو، ہر ملک کا اقتدار
طبقہ میر جبر کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے ذہنی اور اخلاقی قابلیت میں نمایا
انخطا د نظر آتا ہے، ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی
امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس سے وابستہ کی تھیں اور وہ
ان لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہی جو ذہانت اور جرأت کے مالک ہوں اور

تہذیب کو اس دشوار گزار راستہ پر سلامتی کے ساتھ لے جا سکیں جس پر آج وہ ٹھوکریں کھا رہی ہے واقعہ یہ ہے کہ افراد انسانی نے اس تیزی کے ساتھ ترقی نہیں کی جس تیزی کے ساتھ ان اداروں (INSTITUTIONS) نے ترقی کی ہے جو انسانی دماغ کا نتیجہ ہیں یہ دراصل سیاسی رہنماؤں کے ذہنی اور اخلاقی نقائص کا نتیجہ ہے اور ان کی اس بہالت کا جس نے موجودہ اقوام کو خطرہ میں مبتلا کر دیا ہے، طبعی علوم اور صنعتی فنون نے انسان کے لئے جو ماحول تیار کیا ہے وہ انسان کے مناسب حال نہیں ہے اس لئے کہ وہ برجستہ ہے کسی سابق نقشہ یا غور و فکر پر مبنی نہیں اور اس میں انسان کی شخصیت کے ساتھ مطابقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا یہ ماحول جو محض ہماری ذہانت اور ایجادات کی تخلیق ہے ہمارے قدم قدامت اور ہماری صورت کے مطابق نہیں ہم سرور نہیں ہیں ہم ایک روز افزوں اخلاقی اور عقلی انحطاط میں مبتلا ہیں جن قوتوں میں صنعتی تمدن پھلا پھولا اور اپنے عروج کو پہنچا ہے وہ پہلے سے بہت کمزور ہیں اور وہ بڑی تیز رفتار کے ساتھ وحشت و بربریت کی طرف بڑھ رہی ہیں لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ان کو اس وقت اس باغی دشمن انسانیت ماحول سے کوئی قوت بچا نہیں سکتی جو طبعی علوم نے ان کے گرد حصار کی طرح کھینچ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری تہذیب نے پچھلی تہذیبوں کی طرح زندگی کے لئے ایسی شرطیں عائد کر دی ہیں جو (بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر) زندگی کو ناممکن العمل بنادیں گی، ہم باوریت کا جتنا علم رکھتے ہیں اس کے مقابل میں زندگی کا علم اور یہ کہ انسان کو کس طرح زندگی گزارنی چاہئے بہت کم رکھتے ہیں اور ہمارا علم اس بارہ میں

ابھی تک بہت سچھے ہے اور اس کم علمی کا نقصان ہم بھگت رہے ہیں۔
 ایجادات و اکتشافات میں جس تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اس سے فائدہ
 نہیں اٹھایا جا رہا ہے، طبعی علوم، فلکیات اور علم الکیمیا کے اکتشافات کو زیادہ اہمیت
 دینے کے بجائے فائدہ نہیں، راحت، تفریح، جمال، حساست اور تکلفات زندگی میں اضافہ و
 ترقی سے کیا فائدہ، جب ہمارا ضعف اس سے فائدہ نہ اٹھانے دے اور ہم اس کو
 صحیح راستہ پر نہ لگا سکیں ایسے نظام زندگی کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے سے کیا فائدہ
 جس سے اخلاقی پہلو بالکل خارج کر دیا جائے اور عظیم قوتوں کی بہترین خدمات کمال دی جائیں
 ہمارے لئے مناسب بات یہ تھی کہ تیز رفتار جہازوں، زیادہ آرام دہ موٹروں، زیادہ
 ارزاں ریڈیو، اور زیادہ عمدہ رسد گاہوں کے بجائے اپنے آپ کی طرف زیادہ توجہ
 کریں، میکینیکی، طبیعی، اور کیمیائی علوم کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ ہم کو ذہانت بخش دیں
 اور اخلاقی نظام، اعصابی توازن اور امن و سکون عطا کریں۔

آلات و وسائل کا غلط استعمال

حقیقت یہ ہے کہ مصنوعات، ایجادات اپنی جگہ پر بالکل معصوم اور غیر جانبدار ہیں وہ
 انسان کے ارادہ اور اس کے عقل و اخلاق کے تابع ہیں وہ اپنی ذات سے نہ خیر ہیں نہ شر، انسان ہی
 ان کو خیر اور شر بناتا ہے، بلکہ بعض بد اخو خیر ہوتی ہیں لیکن انسان غلط استعمال اور اپنی طبیعت
 و تربیت کی خرابی سے ان کو شر بنالیتا ہے اس لئے سب سے زیادہ اس کے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ان
 آلات اور مصنوعات کے استعمال کرنے والے کس قسم کے اخلاق و سیرت اور کس قسم کے مقاصد رکھتے ہیں۔
 مغربی قومیں مدت دراز سے یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ لذت و راحت، مادی انتفاع، سرگنڈی

اور غلبہ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور قابل حصول مقصد نہیں ہے، طبعی طور پر انھوں نے اپنی ساری قوت علم اور ذہانت کو ان مقاصد کے حصول میں صرف کیا اور ایسے آلات و وسائل ایجاد کئے جن سے یہ مقاصد زیادہ آسانی اور سرعت کے ساتھ حاصل ہو سکیں، رفتہ رفتہ وسائل خود مقاصد بن گئے، اور اختراع و ایجاد اپنی جگہ پر خود ایک بڑا مقصد قرار پا گیا، اور جس طرح بچوں کو کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اس طرح ان کو ایجادات و اختراعات سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے، یورپ میں معیار بدلتے رہے ہیں کچھ مدت پہلے یہ خیال غالب تھا کہ تمدن نام ہے راحت کا اور راحت زندگی کا سب سے بڑا آئینہ دل تھا پھر مختلف محرکات و اسباب کی بنا پر اور کچھ حصول راحت کے لئے سرعت و تیز رفتاری کی کوشش کی گئی اور زندگی کے ہر شعبہ میں سرعت پیدا کرنے کا مقابلہ شروع ہوا، لوگ اس میں ایسے محو ہوئے کہ رفتہ رفتہ یہ سمجھنے لگے کہ تمدن نام ہی ہے سرعت کا، اب سرعت زندگی کا آئینہ دل بن گیا، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے:-

”ڈزریلی (DESRAILLI) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کا اعتقاد تھا کہ تمدن نام ہے راحت کا، لیکن جہاں تک ہمارے زمانہ کی سوسائٹی کا تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ تمدن نام ہے سرعت کا، سرعت زمانہ موجودہ کے نوجوان کا دیوتا ہے، اس کے آستانہ پر وہ سکون، راحت، امن اور دوسروں کے ساتھ مہربانی کو بڑی بے دردی کے ساتھ بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔“

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا مقاصد ہیں جن کے لئے یہ آلات و وسائل استعمال ہو رہے ہیں، ان سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور اس کو اپنے نوع انسانی کے لئے کس حد تک مفید و کارآمد بنایا جا رہا ہے، اور انسان کی حالت ان قوتوں اور وسائل کی موجودگی میں چن چن کر

پہلے کے لوگوں سے کہاں تک بہتر ہے اس کا جواب ایک مغربی عالم اور مصنف نقاد کی زبان سے مناسب ہوگا، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے۔

”بلاشبہ ہم بڑی سرعت و تیز رفتاری سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کر سکتے ہیں لیکن یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ جن مقامات کا ہم سفر کرتے ہیں وہ بہت کم اس قابل ہیں کہ ان کی طرف سفر کیا جائے اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاحوں کے لئے زمین سمٹ گئی ہے اور اس کی طنائیں کھینچ گئی ہیں، قومیں ایک دوسرے کے قریب ہو گئی ہیں اور ان کے پاؤں ایک دوسرے کی دہلیز پر ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوموں کے آپس کے تعلقات پہلے سے زیادہ ناخوشگوار و ناخفہ ہیں وہ وسائل جہ سے ہم اپنے ہمسایہ قوموں سے براہ راست واقف ہو جاتے ہیں انھوں نے اٹا دینا کو جنگ کی آگ میں جھونک یا ہم نے آواز پہنچانے کا اگر ایجاد کیا اور اس کے ذریعہ اپنی ہمسایہ قوموں سے باتیں کیں لیکن اس کا انجام یہ ہے کہ آج ہر قوم ہوا کی پوری طاقت کے ساتھ اپنی ہمسایہ قوم کو چھوڑنے اور دق کرنے کا کام لے رہی ہے وہ اس کوشش میں رہتی ہے کہ وہ دوسری قوم کو اپنے سیاسی نظام کی برتری کا قائل و معتقد بنا دے“

ہوائی جہاز کو دیکھو جو فضا کے آسانی میں منڈلا رہا ہے، انہیں خیال ہوگا کہ اس کے موجد اپنے علم و مہارت و صنعت کے لحاظ سے، فوق البشر ستیاں تھیں اور جنھوں نے اس پر پہلے پہلے پرواز کی تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی بلند ہمتی، عزم اور بُرات بڑی قابلِ داد اور لائقِ تحسین ہے لیکن اب ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے تحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہوئے اور مستقبل میں بھی استعمال ہوں گے،

وہ مقاصد کیا ہیں؟ فضاءِ آسمانی سے برابری انسانوں کے جسموں کی ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا، زہریلی گیسوں کا پھینکا اور ان کمزوروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جن کے پاس اس مصیبت سے حفاظت کا کوئی سامان نہیں! یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں یا شیطین کے۔

دیکھنا ہے کہ ٹیڈ ہکس اس کے متعلق کیا رائے قائم کرتا ہے کہ ہم دھاتوں اور سونے کو کس طرح استعمال کرتے تھے، وہ لکھے گا کہ ہم نے ایسی ترقی کر لی تھی کہ لاسکی کے ذریعہ سونے کی اطلاعات دے سکیں، وہ ویسی تصویریں پیش کرے گا جو دکھائی دیں گی کہ میک کے لوگ کس صفائی اور مشاقی کے ساتھ سونے کا وزن اور شمار کرتے تھے، وہ اس خارق عادت طریقہ کا ذکر کرے گا جس سے ہم روزانہ سونے کو ایک دارالسلطنت سے دوسرے دارالسلطنت کی طرف منتقل کرتے رہتے تھے، کوڈرش اجمام کے قانون کو توڑتے تھے، وہ قلم بند کرے گا کہ نیم وحشی صنعتوں میں بڑے ماہر اور جری تھے لیکن اس بین الاقوامی تعاون میں ناکام تھے، جو سونے پر کنٹرول رکھے اور اس کو صحیح طور پر تقسیم کرے، ان کو صرف اتنی فکر تھی کہ وہ قیمتی دھاتوں کو امکانی سرعت کے ساتھ دفن کریں وہ سونے اور دھاتوں کو افریقہ میں زمین کے شکم سے بڑی ہمارت کے ساتھ نکالتے تھے، اور لندن، نیویارک اور پیرس کے محافظ خانوں میں دفن کرتے تھے۔

ایجادات و اکتشافات کی ہلاکت آفرینی

مختلف اسباب و حالات کی بنا پر جن کی کسی قدر توضیح گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے، مغربی قوموں میں خیر کی طرف میلان اور بھلائی کا رجحان بہت کم ہو گیا ہے اور اخلاق و تمدن

کے صحیح اصول و مبادی کا سرِ نشہ ان کے ہاتھ سے مدت ہوئی پھوٹ گیا، غیر ذمہ دار ادب نے دلوں میں کجی اُٹھانے فلسفہ نے طبیعتوں میں انحراف پیدا کر دیا اور ذوقِ فاسد ہو گئے اس بنا پر جس طرح سے سستی اور وبائی امراض میں صدمہ سے صدمہ غذا مرضی کے موڑ میں پہنچ کر سموم اور فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح علوم اور صنعتیں ایجادات و اکتشافات اور علمی ترقیاں یورپ میں خود اہل یورپ کے لئے اور عام انسانیت و تہذیب کے لئے وبال جان بن گئی ہیں، سٹرائٹن نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا:-

”جب تک کچھ کیا جائے اور خبر لی جائے اس دنیا کے باشندے اس صدی کے پچھلے حصے میں غاروں میں زندگی گزارنے والے دنیا کے قدیم حشیوں کا طرز زندگی اختیار کر لیں گے اور اسی وحشت و بربریت کا دور شروع ہو جائے گا جو ہزاروں سال پہلے دنیا میں قائم تھا، کیسی عجیب بات ہے کہ تمام ممالک ایک ایسے ہتھیار سے بچنے کے لئے کروڑوں روپیہ صرف کر رہے ہیں جس سے میں تو بے سببائف مگر اس کو قابو میں رکھنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں، میں بعض اوقات تعجب سے سوچتا ہوں کہ اگر کسی دوسرے یا دوسے کوئی سیاح اور زائر اس زمین پر آئے تو وہ ہماری اس دنیا کو دیکھ کر کیا کہے گا وہ دیکھے گا کہ ہم سب اپنی ہی بربادی اور ہلاکت کے وسائل تیار کر رہے ہیں اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اس کے طریقہ کی اطلاع بھی دے رہے ہیں۔

جس وقت سٹرائٹن نے یہ الفاظ کہے تھے اس وقت ان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس جنگ کے دوران ہی میں خدا ناثان اِنسانی صحت و صنعت کی ہلاکت خیزی اور آدم کشی اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ خود سائنس دان بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ کئی سال کی منظم جدوجہد اور کروڑوں روپیہ صرف بالآخر امریکہ ذراقی بم (ATOMIC BOMB) کے ایجاد میں کامیاب ہو گیا جس پر اس جنگ کی شکست و فتح کا

انحصار تھا اور ۱۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو ۵ بجے اس قوت و وسعت کا پہلا امتحان لیا گیا۔
 بے جان آہنی برج اور بے حس فضا کے آسانی کے بعد اس کا دوسرا تجربہ فی رُوح دشمن پر
 کیا گیا جس کو ہیبت زدہ کر کے شکست دینے کے لئے مغرب کی حکمت و صنعت نے اپنی بہترین
 قابلیت صرف کی تھی، ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کا بدقسمت شہر ہیروشیما اس کا پہلا نشانہ بنا اس
 گرتے ہی عظیم نشانہ شہر تودہ خاک بن گیا نہ کوئی جاندار باقی رہا نہ بے جان آن کی آن میں انسان
 حیوان عمارتیں سب معدوم تھیں، دھماکے کی شدت ہو کا دباؤ اور دھواں قیامت خیز تھا، گرد و غبار
 کا مچلتا، اُبلتا اور کھوتا ہوا میلوں اونچا ایک پہاڑ تھا، اور اس پہاڑ کے نیچے جہنم کی سی آگ تھی
 جس نے ہر چیز کو خاکستر کر دیا، اس طیارہ کو جس نے بم گرایا تھا، اسے گرتے ہی جلد سے جلد اپنی سلامتی کے
 لئے وہاں بھاگنا پڑا اور نہ تباہ ہو جانا، دھماکا اتنا ہیبت تھا کہ بم گرانے والوں کا پتہ پانی تھا، حیرت
 ہیبت اور خوف کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے ”یا خدا“ کی آوازیں نکل رہی تھیں، لیکن جب یہاں سے
 واپس آئے تو اتحادی حلقوں میں نعرہ ہائے مسرت بلند ہو رہے تھے اور ہر شخص شاد و مسرور تھا۔
 اسٹورٹ گلڈر (STUART GILDER) اپنے ایک مضمون میں ایٹم بم کی خطرناک
 اور ہلاکت آفرینی کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”اگرچہ پوری جزوی تفصیلات کا علم نہ تھا لیکن بہر حال ایٹم بم بنانے والے رائسدا
 اتنا ضرور جانتے تھے کہ وہ جس آدھب کو استعمال کرنے جا رہے ہیں اس کے ثانوی
 نتائج یہ ہوں گے کہ انسانیت فنا ہونے سے اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکے گی، اس کے ثانوی
 نتائج کی اگر تفصیل معلوم کرنی ہے تو شہر ہیروشیما کی وہ رپوٹیں جو اخبار ایکے نامہ نگاروں کو

لے ہیروشیما کی مینسلپی کے صدر نے ۲۰ اگست ۱۹۴۵ء کو اعلان کیا کہ ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو ہلاک ہونے
 والوں کی تعداد ۲ لاکھ دس ہزار اور ۲ لاکھ ۴۰ ہزار کے درمیان تھی۔ (پی ٹی)

ٹی نہیں ملاحظہ ہوں وہ نامہ نگار اس ذرا قیام کے پلگ (ATOMIC PLAGUE)

کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

بہت سے لوگ جو بظاہر نہ تو بم کے پھٹنے سے متاثر ہوئے تھے اور نہ اس کی آگ و حرارت مر گئے اور برابر رہے ہیں اور ان کی اس موت کا سبب یہ ہے کہ ان کا خون تحلیل ہو جاتا ہے، اول اول خون کے سفید ذرات تباہ ہوتے ہیں پھر سرخ ذرات کی باری آتی ہے ان کے بال گر جاتے ہیں اور وہ جتنے دن بھی زندہ رہتے ہیں ان کے اعضا سولہنے ہی رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مر جاتے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فضائیں کچھ ریڈیائی مواد ایٹم بم کے پھٹنے کے ذریعہ رہ جاتے ہیں اور انسانی کھال میں جذب ہو کر یا بذریعہ تنفس پھیپھڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس کتاب کو نقل کرنے کے بعد یہی مضمون نگار اسٹورٹ گلڈر (STUART GILDER) لکھتا ہے:-

”یہ خبر ساری دنیا کو لرزائینے اور ڈرائینے والی ہے دنیا اب تک نہ تو اس خوفناک بم سے واقف تھی اور نہ ریڈیائی تاثیر رکھنے والی دھاتوں سے لیکن سائنسدان تو تیس سال قبل سے جانتے تھے کہ یہ ایک ایسا ہتھیار ہوگا جس کا توڑ اور تریاق کہیں نہیں اور یہ ساری نوع انسان کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ جاپانیوں نے ان اثرات سے بچنے کے لئے خانہ ساز نقابیں استعمال کیں غالباً یہ وہ نقابیں تھیں جن کو اہل جاپان شدید مرضی سے بچنے کے لئے استعمال کرتے تھے لیکن یہ اتنی ہی بے اثر نکلیں جتنے حبش کے فوجیوں کے وہ کپڑے جو انھوں نے اس وقت اپنی ناک کے گرد پلیسٹ لٹے تھے جب کہ موسمی کے بمبارجہازوں نے ان پر زہریلی گلیہیں برسائیں تھیں۔

ذراتی بم پھینکنے میں ہوا باز شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ اس بم کے گرنے کے بعد
خبار اور دھواں نو میل تک ہوا میں پھیل گیا پروفیسر (PLESCH) کی رائے ہے کہ
جس جگہ بم پھٹے اس کے قرب جوار میں سو میل کے علاقہ کے رہنے والوں کی سائنٹفک
طریقہ پر جانچ پڑتال کرنی چاہئے اور ان کی جسمانی حالت کو بغور دیکھنا چاہئے کہ
کہیں ان پر اس کا اثر تو نہیں ہو گیا۔

یہ امر ذرا بھی متبعد نہیں کہ دنیا ایک دن صبح اٹھ کر اخباروں میں خبر پڑھے گی
کہ وہ لوگ جو جاپان سے ہزار ہا میل فاصلہ پر رہتے ہیں ان میں وہی علامات پھیل
گئی ہیں جو ذراتی بم کے پلگ میں ہوتی ہیں، اگر ایک چھوٹا سا ذراتی بم وہیل تک کی
ہوا کو گرد و غبار سے سمو کر سکتا ہے تو یہ سمجھنا بالکل مطابق عقل ہے کہ اس سے
بڑا بم اس سے کہیں زیادہ وسیع رقبہ کو متاثر کر دے گا۔



باب ششم

مغربی عہدِ اقتدار میں دنیا کے معنوی خسار

یہاں مشرقی ایشیائی اقوام کے مادی خساروں سے بحث نہیں، مغرب کے دورِ فتوحات میں مشرقی اقوام کو اپنے کن طویل و عریض ممالک سے دستبردار ہونا اور مغربی طاقت یا دانا ئی کے مقابلہ میں پسپا ہونا پڑا یہ بحث اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے اور اس کی تفصیل ان مختصر اوراق میں سیمیٹی نہیں جاسکتی، ہمیں اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ بلکہ اشارات میں یہ دکھانا ہے کہ مغرب کے اقتدار کے اس سیلاب میں جو تمام روئے زمین پر پھیل گیا ہے اور اس کے اثرات سے پہاڑوں کی چوٹیاں اور وادیوں کی گہرائیاں آزاد قوموں کے ضمیر بلکہ ہوا اور پانی بھی محفوظ نہیں، دنیا کو کیا معنوی روحانی اور اخلاقی خرابی برداشت کرنے پڑے؟ اس عالمگیر انقلاب میں سب سے بڑا خسارہ مسلمان ہی کو برداشت کرنا پڑا ہے کہ جاہلیت کا تضاد و اختلاف اسی کے نظامِ زندگی سے ہے، اس لئے قدرتی طور پر جاہلیت کے غلبہٴ اقتدار میں اسی کو سب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا چاہیئے۔

حادثہٴ مذہبی کا فقدان

اس دنیا کا انجام کیا ہے، کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے، اس کی

کیا نوعیت ہے اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں اور وہ کہاں سے معلوم ہو سکتی ہیں؟ اس کے بعد کی زندگی کو پر راحت بنانے کے لئے کیا اصول و تعلیمات ہیں اور ان کا ماخذ کیا ہے؟ ریح انسانی کو ابتری راحت اور قلب کو دائمی سکون پہنچانے کا راستہ کیا ہے؟ اور وہ کہاں سے دریافت ہو سکتا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جنہوں نے مشرقی انسان کو سیکڑوں ہزاروں برس بے چین اور صورتِ سوال بنائے رکھا اور جو اس کے انتہائی مادی استغراق اور خود فراموشی میں بھی اس کے قلب کی گہرائیوں سے بار بار اٹھتے رہے اور جواب مانگتے رہے، مشرق نے اپنے کسی دور میں بھی ان فطری سوالات کو ٹالا نہیں اور اپنے دل کی یہ آواز سُنی اُن سنی نہیں کی بلکہ اپنی زندگی کی تمام مشغولیتوں اور دماغ کی ساری کاوشوں میں ان کو پہلی جگہ دے دی وہ اپنی تہذیب اور علوم کی ہزاروں سال کی تاریخ میں برابر ان سوالات کے حل کرنے اور ان کا تشفی بخش جواب تلاش کرنے کے ادھیڑ بن رہا بعد الطبعی فلسفہ، علم کلام، تصوف، اشراق و روحانیت، مجاہدہ و ریاضت، علم و حکمت اور دوسرے مشرقی علوم و تجربات اس کے حل ہی کی مختلف کوششیں تھیں، اس نے اس کے لئے غلط راستے بھی اختیار کئے اور غلط وسائل بھی استعمال کئے اور اس کو اس میں کامیابی سے زیادہ ناکامیابی ہوئی لیکن اس کے اس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑا کہ اہل مشرق کی زندگی میں یہ سوالات ہمیشہ موجود رہے اور ان کو اولیٰ اہمیت حاصل رہی۔ اس موقع کے لئے اگر ہم فلسفہ ہی کی زبان استعمال کریں تو ہم کہیں گے کہ اہل مشرق میں جو اس ظاہری کے علاوہ ایک اور حاستہ بھی رہا ہے جس کو ہم حاستہ مذہبی کہہ سکتے ہیں، جس طرح دوسرے جو اس اپنا عمل کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے ان کے محسوسات حاصل ہوتے ہیں، اس طرح اس حاستہ کے بھی کچھ محسوسات ہیں جو مشرقی زندگی کا لازمہ رہے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی عہد میں یہ سوالات بنیاد پر ہوئے تھے اور اہل علم و اہل فکر ان پر عرصہ تک طبع آزمائی کرتے رہے لیکن مغربی تمدن اور فلسفہ زندگی کے باطنی خواص زمانہ کے ساتھ ساتھ جس قدر ابھرتے گئے اور زندگی میں مغرب کا جس قدر تغلب اور انہماک بڑھا اسی قدر ان سوالات کی اہمیت کم ہوتی گئی اور وہ علمی زندگی میں پیچھے پڑتے رہے، فلسفہ و ابعاد الطبیعات کے علمی تعلیمی حلقوں میں اب بھی ان پر انظار خیال ہوتا ہوگا لیکن زندگی سے یہ سوالات کس قدر خارج ہو چکے ہیں اور ان کے سامنے سے علامت استفہام مٹ چکی ہے ان کے بارہ میں وہ خلش و کھٹک اور وہ ذوق جستجو جس میں ہزاروں سال اہل مشرق کو مشغول رکھا جاتا رہا اور یہ کسی ایمان شریعہ و اطمینان قلب کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اہل مغرب کی زندگی میں عرصہ دراز سے اپنی اہمیت کھو چکے ہیں اور دوسرے مشاغل و مسائل کے لئے جگہ چھوڑ چکے ہیں اس زمانہ کے مشغول انسان نے ان مسائل میں کامل بے تعلقی اور بے نیازی اختیار کر لی ہے اس کو ان سوالات پر غور کرنے کی بالکل مہلت نہیں اس کی طرف سے ان سوالات کے جواب کا کوئی پہلو اختیار کیا جائے اس کو اس سے کوئی محسوس نہیں اس کے لئے صرف یہ زندگی اہم ہے اور اسی کے متعلق ہر آیت و تفصیل اس کو مطلوب ہیں۔

قدیم مشرقی اور جدید مغربی میں یہ ایک عظیم الشان نفسیاتی فرق ہے کہ مشرقی مذہبی حاستہ رکھتا تھا اور مغربی اپنی تہذیب کے ارتقا کے ساتھ ساتھ مذہبی کھو چکا ہے اور جب کسی شخص کا کوئی حاستہ باطل ہو جائے تو اس کے سارے محسوسات جو صرف اس حاستہ سے تعلق رکھتے ہیں اس کے لئے معدوم ہو جاتے ہیں جو شخص قوتِ سامعہ سے محروم ہے اس کے لئے عالمِ اصوات معدوم ہے اور یہ پوری بولتی ہوئی دنیا ایک ہر خوشاں ہے جو شخص قوتِ باصرہ سے محروم ہے اس کے لئے عالمِ الوان معدوم اور رنگوں کا فرق بے معنی ہے اسی طرح جو شخص حاستہ مذہبی سے محروم ہے اس کے لئے وہ محسوسات و وجدانات اور اثرات معدوم ہیں جو صرف حاستہ مذہبی کا نتیجہ ہوتے ہیں اس کے لئے آخرت، عذاب، ثواب، جنت، دوزخ

خدا کی رضامندی و نارضامندی، تقویٰ و طہارت، نجات و ہلاکت ابدی وغیرہ وغیرہ سب بے معنی الفاظ ہیں اس کے لئے کسی ایسی دعوت میں قطعاً کوئی کشش اور کچپی نہیں جس کا تعلق اس کے محسوسات اور نقد لذتوں اور منفعتوں کے سوا کسی اور چیز سے ہو۔

دین کی دعوت دینے والوں کو ہر دور میں اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے زمانہ دعوت میں جن لوگوں میں سب سے زیادہ دقت پیش آئی ہے اور جن لوگوں پر ان کی انقلاب آفریں دعوت ان کے خارہ شکات اور آہن گداز مواظبان کا سوز و درد مندی بالکل بے اثر ثابت ہوئی ہے یہ وہی لوگ ہیں جو حاتم مذہبی سے محروم ہو چکے تھے اور جن کی دل کی انگلیٹھیاں اس طرح سر دھو چکی تھیں کہ ان میں کسی طرح گرمی نہیں پیدا کی جاسکتی تھی، جو مذہب اور اس کے تخلقات کے متعلق طے کر چکے تھے کہ ان کے بارے میں نہ کچھ سننا ہے نہ غور کرنا ہے جنھوں نے اپنے زمانہ کے داعیوں کی تپھر کو موم کر دینے والی تقریریں کر بڑی سرد مہری سے کہا کہ **إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ** (ہم تو محض دنیاوی زندگی کے قائل ہیں جلیے اور مرنے کے سوا اور ہے کیا، مرنے کے بعد کون زندہ ہوگا؟) یا جن کی نظر مادی سطح سے حقیقت تک نفوذ کرنے کے قابل نہیں ہوتی اور جنھوں نے پیغمبر کی عام فہم تقریر سننے کے بعد جواب نہیں کی زبان میں کی گئی تھی، بڑی سادگی سے کہا **مَا نَفْقَهُ كَيْدُكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّكَ إِذَا لَمْ تَلْهَدْ فَنَبَأًا مِّنْ رَبِّكَ** (تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم کو ہم میں کوئی قوت حاصل نہیں۔)

مغربی تہذیب کے اس عروج کے زمانہ میں ہر قوم میں بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی دنیاوی مشغولیت و انہماک یا دنیا کی محبت و حرص نے ان کی زندگی میں مذہب کے لئے کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا، بڑی تلاش و جستجو کے بعد بھی مذہب کی دعوت دینے والے کو ان کے دل و دماغ میں کوئی ایسا چھوٹے سے چھوٹا منفذ نہیں ملتا جس سے دینی اور اخلاقی دعوت ان میں

نفوذ کر کے جس طرح کسی شخص کو موسیقی کے لئے کان اور شاعری کے لئے ذوق لطیف نہ ملتا ہو اس کے لئے موسیقی کے سارے کمالات اور دنیا کی پوری وجہ آفریں شاعری بے اثر و بے سود ہے اسی طرح جو مذہبی حالت سے محروم ہو چکا ہو اس کے لئے پیغمبروں کی پوری دعوت نامہوں کی وعظ و تلقین، علم و حکمت، قصص و امثال سب ضائع ہوا یہ دلوں کی زمین کا سب سے بخر حصہ ہے جس کو کوئی بارش سیراب نہیں کر سکتی۔ ع

یہاں آگے رو دیتا ہے ابرنسیاں

جن لوگوں کو اس طبقہ سے خطاب کرنے اور اس کو دین و اخلاق کی دعوت دینے کا کبھی موقع ملا ہے ان کو قرآن مجید کی بہت سی آیات کے معنی سمجھ میں آگئے ہوں گے اور وہ تمام کلامی اشکالات جو علیٰ زندگی اور میدان دعوت علیہ بیٹھ کر ختم اللہ علیٰ قلوبہم وعلیٰ سمعہم وعلیٰ ابصارہم غشاقتہ“ اور اس کے ہم معنی آیات کے متعلق پیش آتے ہیں خود بخود حل ہو گئے ہوں گے اور حقیقت فرآئی مجسم نظر آئی ہوگی وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَسْتَعْطِبُ مِنَ الْمَرْءِ لَا يُمْسِكُ إِلَّا ذَعَاءً أَوْ يَتَمَتَّعُ بِهِمْ كَمَتَمِّتِهِمْ لَئِنْ لَمْ يَأْتِ بِدَلِيلٍ لَّيُنَاجِيَنَّ الشَّقَاءَ أَذِنًا أَوْ يَتَمَتَّعُ بِهِمْ كَمَتَمِّتِهِمْ لَئِنْ لَمْ يَأْتِ بِدَلِيلٍ لَّيُنَاجِيَنَّ الشَّقَاءَ أَذِنًا (البقرة - ۱۷۱)

اس زمانہ کا اصلی مرض دراصل دین کے بارہ میں بے حسی و بے طلبی اور مذہبی سوالات کے بارہ میں کامل بے تعلقی اور بے نیازی ہے جس کا علاج سب سے زیادہ شمس ہے اور جس کی موجودگی میں کوئی مذہبی دعوت و تلقین کارگر نہیں ہو سکتی مذہب اخلاق کی دعوت کو فسق و فجور اور معصیت و غفلت کے تاریک دور اور انکار و مخالفت کے پُر شور سے پُر شور عہد میں وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو مذہب کے بے تعلقی و بے نیازی کے اس خاموش و پرسکون دور میں پیش آئے ہیں جہاں سرے سے بیاس اور پانی کی طلب ہی نہ ہو وہاں پانی کا اہتمام اور خضر کی رہنمائی سب بے ضرورت ہے اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمُتَوَاتِرَ وَلَا تَسْمَعُ الصَّمَّةَ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ

ایک مغربی یونیورسٹی کے معلم فلسفہ و علم النفس نے اس حقیقت کا خوب اوروک کیا ہے اور اس فرق کی صحیح تحلیل کی ہے جو قدیم و جدید نفسیات میں پایا جاتا ہے اس نے اس ایک جملہ میں ایک کتاب کا مضمون سمیٹ لیا ہے:-

”مذہبی سوالات پہلے پیدا ہوتے تھے، ممکن ہے ان کا تشفی بخش جواب نہ ملتا ہو لیکن اس زمانہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سوالات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے“

ذوقِ خدا طلبی کا عالم گیر فقدان

اسلامی تمدن و حکومت کے عالم گیر اثرات کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ اس کے اثر سے پوری دنیا میں (جو اسلام اور مسلمانوں کے زیر اثر تھی) خدا طلبی کا عام ذوق پایا جاتا تھا، ہزاروں لاکھوں اشخاص دین کی طلب اور مردانِ خدا کی تلاش میں دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہنچتے تھے، دنیا داری اور مادیت کے پھیل جانے کے بعد دینی رجحان اور خدا طلبی کا مرکز ان حضرات کی ذات اور ان کے مقامات تھے، جنہوں نے غفلت اور مادیت کے سمندر میں انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے جویرے قائم کر رکھے تھے، جہاں وہ لوگوں کو مادیت کے اس بھنور سے نکال کر ان کی دینی تربیت کرتے تھے، اور ان میں طوفان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت و قوت پیدا کرتے تھے، بعد کی صدیوں میں ان کو صوفیہ و شائع کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ان حضرات کی طرف رجوع ان آخری صدیوں میں دینی رجحان اور عام مسلمانوں کے ذوقِ خدا طلبی کا ایک حد تک پیمانہ ہے، جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ لوگوں میں اس زمانہ میں مادیت و دنیا داری سے کس حد تک گریز اور دین کی کہاں تک طلب پائی جاتی تھی۔

عالمِ اسلامی کے مرکزی شہروں میں تقریباً ہر جگہ ایسے شخص موجود تھے جن کی ذات بزرگداشت

میں روشنی کا مینار تھی، لوگ پروانوں کی طرح اس روشنی پر گرتے تھے، دنیا کے دور دراز گوشوں سے طالبینِ خدا وہاں جمع رہتے تھے، وہ مسلمانوں کی ایک بڑی بین الاقوامی آبادی ہوتی تھی جہاں ایک وقت میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے مسلمان پائے جاتے تھے اور اسلام کی وسیع دنیا وہاں سمٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

ہمارا ملک ہندوستان جو اسلامی دنیا کے ایک سرے پر واقع ہے، دینی ذوق و شوق اور خدا طلبی کا ایک بڑا مرکز رہا ہے، یہاں ہر دور میں مسلمان سلاطین کی سلطنت کے پہلو بہ پہلو دینی و روحانی حکومت کے آزاد مرکز قائم رہے، جہاں سیکڑوں ہزاروں اشخاص اپنے زمانہ کی تمام مادی ترغیبات سے آزاد اور حکومت و سیاست کے انقلابات سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۰ھ) کی روحانی نوآبادی بتی غیاث پور اس کی ایک اچھی مثال ہے جس نے عین مرکز حکومت (دہلی) میں آٹھ باجوڑ سلاطین (غیاث الدین بلبن ۶۸۶-۶۹۴ھ سے لے کر غیاث الدین تغلق ۷۲۰-۷۲۵ھ تک) کے عہد حکومت میں تقریباً پچاس برس تک اپنی خود اختیاری اور بے نیازی قائم رکھی اور جہاں سب سے لے کر اودھ تک کے طالبینِ خدا چلے رہے تھے۔ اگر تمام سلاسلِ طریقت کے بزرگوں کے مرکزوں کی آبادی اور ان کی طرف لوگوں کے رجوع کی تفصیل لکھی جائے (جس سے اس زمانہ کے دینی طلبہ رجحان اور دینی عزت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے) تو اس کے یہ اوراق متخل نہیں اس لئے نمونہ کے طور پر صرف ایک سلسلہ

لے حضرت نظام الدین غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ۷۶۹ھ میں دہلی تشریف لائے کچھ عرصہ تک مختلف محلوں میں قیام رہا پھر بتی غیاث پور (حالِ بتی نظام الدین) میں منتقل قیام اختیار کیا ۷۸۵ھ تک مختلف سلاطین آپسے لٹنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی، تقریباً ۶۰ برس کی مدت تک آپ او آپ کے اہل زاویہ بالکل کیسویہ۔ ۷۸۵ھ شیخ حسن علاء سنہری۔ ۷۸۵ھ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی۔

(سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ) کے چند بزرگوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق اور ان کی طرف اہل زمانہ کے رجوع کا محل ذکر کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں جو اہمیت اور دنیا داری کے عروج کا زمانہ تھا ذوقِ خردِ ظہری کا کیا حال تھا اور دین کی کشش کہاں کہاں لوگوں کو کھینچ کر لاتی تھی۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجددِ ثالثؒ (م ۱۰۳۴ھ) کے متنبین کی فہرست پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان و افغانستان کے کتنے شہروں اور قصبوں کے کتنے کثیر التعداد اشخاص اور مہذبہ انگیزی کے کتنے بڑے بڑے امیر اور ارکانِ دولت ان کے حلقہٴ ارادت و بیعت میں داخل تھے اور کتنی دور سے انھوں نے سرہند آکر استفادہ کیا تھا۔

ان کے حلیل القدر خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ (م ۱۰۵۳ھ) کی خانقاہ میں یکایک ہزار آدمی روزانہ ہوتے تھے، جو دونوں وقت خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے ان کی سوار کی ساتھ ہزاروں ہزار آدمی اور سیکڑوں علماء ہوتے تھے، تذکرہ آدمی میں ہے کہ ۱۵۰۰ میں جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو سادات و مشائخ اور دوسرے طبقوں کے دس ہزار آدمی آپ کے ہمراہ تھے، طالبین کا اتباع ہر وقت رہتا تھا کہ شاہجاں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس نے کچھ رقم بھیج کر کہلوا یا کہ آپ پرچ فرض ہو گیا ہے آپ حرمین تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔

مجدد صاحب کے نامور خلیفہ اور صاحبزادہ حضرت خواجہ معصومؒ (م ۱۰۷۹ھ) کے ہاتھ پر نو لاکھ انسانوں نے بیعت و توبہ کی اور سات ہزار آدمی خلافت سے مشرف ہوئے۔

ان کے صاحبزادہ شیخ سیف الدین سرہندیؒ (م ۱۰۹۶ھ) کی خانقاہ (دہلی) میں طالبین کے ہجوم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صاحبِ ذیل الرضات کے بیان کے ... مطابق ایک ہزار چار سو آدمی دونوں وقت ان کے دسترخوان پر اپنی فرمائش اور خواہش کے موافق کھانا کھاتے تھے۔

لے نزہۃ النواظر جلد پنجم ۱۵۰۰ ایضاً

امرا اور اہل ثروت کا بزرگان دین سے جو تعلق (دینی محبت و احترام کی بنا پر) تھا، اس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی (م ۱۱۵۱ھ) جب مکان سے مسجد تشریف لے جاتے تو امرا اور اہل بیت میں دو شالے اور دو مال بچھا دیتے کہ آپ کا پاؤں زمین پر نہ پڑے کسی مریض کی عیادت یا کسی اور کام کے لئے کہیں تشریف لے جانا ہو تا تو آپ کی سواری یا بادشاہوں کی طرح نکلتی اور آپ کے جلو میں امرا اور اہل دولت کی پالکیاں اور سواریاں ہوتیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد تجارت میں انقلاب حکومت کچھ پہلے تک فی وق پورے طور پر موجود تھا، حضرت شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں) کے عہد میں دہلی کی خانقاہ مجددیہ طالبین کا بہت بڑا مرکز تھی، سر سید احمد خاں مرحوم آثار الصنادیق میں لکھتے ہیں:۔

”میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا شل ہندستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے، حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔“

شاہ رؤف احمد مجددیؒ درالمعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں جو ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۵ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے:

”سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، خوار، قزقار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امرتسر، سنبھل، آرام پور، بریلی، لکھنؤ، جالندھر، بہرائچ، گورکھپور“

لے درالمعارف ارشاد رحمانی، نزہۃ الخواطر ۷ آثار الصنادیق باب چہارم۔

عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونہ وغیرہ،

اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ ریلیں تھیں نہ آمد و رفت کی وہ بہولتیں جو آج حاصل ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسی دور میں انگریزی عہداری سے کچھ پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ

(۱۲۵۶ھ) اور ان کے حلیل القدر رفیقوں، مولانا عبدالحی برہانویؒ (م ۱۳۴۲ھ) اور مولانا

اسمعیل شہیدؒ (ش ۱۳۴۶ھ) اور ان کے مخلص مبلغوں نے مسلمانوں کو خدا اور رسول کی طرف رجوع

کی دعوت دی اور ”فِیْضُ الْحَالِیِّ اِلَیْهِ“ (خدا کی طرف بھاگو) کی صدا بلند کی اور غفلت و معصیت اور

خلاف شرع زندگی کے خلاف جدوجہد شروع کی، مسلمانوں نے جس ذوق و شوق کے ساتھ اس دعوے

پر لبیک کہی اور جس طرح پروانہ دار اس جماعت کے امیر کے گرد جمع ہوئے جس عالیٰ وصلگی اور فراخ دلی

کے ساتھ اس کے وفود کا خیر مقدم کیا اور اپنی دینی محبت کو واضح کاشیوں یا پھر جس طرح ہندوستان میں

اسلام کے سارے باغوں کے بہترین پھولوں کا عطر کھینچ کر ان کے پاس پہنچ گیا (جو ۱۳۴۶ھ کے آخر

میں بالاکوٹ کی ٹٹی میں مل گیا) اس سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس منزل کے دور میں بھی

مسلمانوں میں دین کی کتنی طلب اور خدا طلبی کا کیسا ذوق اور نشہ اور کسی مالی ہمتی اور کتنی اچھی

صلاحیت و استعداد تھی۔

مسلمانوں کے اس دینی ذوق کا اندازہ ان تبلیغی سفروں کی روداد سے ہوگا جو سید احمدؒ

نے بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ دو آب کے قصبات اور شہروں میں اور پھر اودھ میں کئے۔

مسلمانوں کے ذوق و اشتیاق کا مزید اندازہ سید صاحب کے سفر حج سے ہوگا جو آپ نے

۱۳۳۶ھ میں کیا، اس پورے سفر میں ہندوستان کا وہ مشرقی خطہ جو اب تین صوبوں (صوبہ متحدہ

بہار اور بنگال) پر مشتمل ہے اور اس قافلہ کی گزرگاہ تھا، مسلسل جنبش اور حرکت میں تھا، ہر جگہ

لے در المعارف ص ۱۵۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ طبع ثالث

دین کے طالب مسلمان پر والوں کی طرح کرتے تھے، معصیت اور غفلت کی زندگی سے توبہ کرتے تھے، اور خدا سے نیا عہد و پیمان باندھتے تھے، دیہاتوں اور گاؤں کے لوگ سیکڑوں کی تعداد میں حق جو حق آتے تھے اور بیعت و توبہ کرتے تھے، اہل شوق اپنے مواضع اور مقامات پر لے جاتے تھے، متوسط الحال لیکن بلند ہمت مسلمان پورے قافلہ کی (جس میں کلکتہ پہنچتے پہنچتے ساڑھے سات سو آدمی ہو گئے تھے) اور ان صدہا مسلمانوں کی جو قرب جوار سے جمع ہو جاتے تھے، دل کھول کر کئی کئی دن ضیافت کرتے تھے، مسلمان رؤساء شاہانہ اولوالعزمی سے دین کے کام میں اپنی دولت صرف کرتے تھے، شیخ غلام علی حصارئیس آباد نے بارہ پندرہ دن میں مجموعی طور پر سیس ہزار روپے صرف کئے ان کے دسترخوان پر دونوں وقت سیکڑوں آدمی کھانا کھاتے تھے، بعض لوگوں کا تخمینہ تھا کہ ایک ہزار روپیہ روزانہ کھانے پر صرف ہوتا تھا۔

لوگوں کے رجوع اور اہل طلبہ کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ پورے پورے شہروں میں تھوڑے آدمی ایسے ہوں گے جو توبہ و بیعت سے اور اس قافلہ کے دیہی برکات سے محروم رہ گئے ہوں گے، الہ آباد، مرزا پور، بنارس، غازی پور، عظیم آباد، پٹنہ اور کلکتہ میں مجموعی طور پر کئی لاکھ مسلمانوں نے بیعت و توبہ کی، دین کی عمومی اہمیت اور طلبہ کا اندازہ اس سے ہو گا کہ بنارس میں اسپتال کے مریضوں نے بھی پیغام بھیجا کہ ہم معذور ہیں وہاں تک ہمارا آنا دشوار ہے، اگر آپ بشر فی الشہر یا شریفہ ارزانی فرمائیں تو ہم بیعت کریں، آپ ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ شریفہ لے گئے اور ان مریضوں نے بھی توبہ و بیعت کی۔

کلکتہ میں دو مہینے قیام رہا، روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے شرف ہوتے روز بروز ہجوم بڑھتا جاتا تھا، اکثر بیعت کا یہ حال تھا کہ صبح سے دوڑھائی پہر رات گئے تک مردوں اور

لے مخزن احمدی (فاذلی) از مولوی محمد علی صاحب مرحوم (م ۱۳۶۶ھ) علیہ ایضاً

عورتوں کا ہجوم رہتا، سید صاحب کو سوائے ناز پڑھنے کھانا کھانے اور ضروریات بشری کے کچھ فرصت نہ ملتی، علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص سے بیعت لینا محال تھا، ایک وسیع مکان میں سب جمع ہو جاتے آپ تشریف لاتے، سات آٹھ دستاریں کھول کر آپ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتے لوگ ان کو جا بجا سے تمام لیتے اور آپ بیعت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین فرماتے دن میں سترہ اٹھارہ بار یہی عمل ہوتا اور ہزاروں آدمی روزانہ اس طرح بیعت سے مشرّف ہوتے تھے۔

نماز فجر کے بعد سید صاحب نے ۱۵-۲۰ روز تک عطا فرمایا، دو دو ہزار امرا اور علما و صدور پیش ہر روز آتے تھے اور عراب کا تو کچھ شمار نہ تھا، مولانا عبدالحی صاحب جمہ و شرف نے کو نماز فجر کے بعد سے شام تک عطا فرماتے تھے اور لوگ پروانہ وار جمع ہو جاتے تھے روزانہ ۱۰-۱۵ ہندو مسلمان ہوتے تھے۔ اصلاح و دین داری، توبہ و انابت کی اس عمومی فضا کا اثر یہ ہوا کہ کلکتہ میں یکے بعد دیگرے کبھی موقوف ہو گئی، دوکانداروں نے جا کر سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا غدار داکرتے ہیں اور دکانیں ہماری بند ہیں جب تک ایک بزرگ اپنے قافلہ کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید بن گئے اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں انھوں نے کئی مسکرات (انشاد و چیزوں) سے توبہ کی ہے اب کوئی ہماری دوکانوں کی طرف ہو کر بھی نہیں نکلتا۔

دین اور اہل دین کی محبت کا یہ حال تھا کہ جب محتاج کا یہ قافلہ جو سات سو آدمیوں پر مشتمل تھا کہ معظمہ سے واپسی میں مرشد آباد کے قریب یوان غلام مرتضیٰ کے دولت خانہ پر مقیم ہوا تو دیوانہ صاحب نے بھرے بازار میں اعلان کر دیا کہ سید صاحب کے قافلہ کا جو آدمی اس بازار سے کچھ خریدے یا کسی دستکار سے کام لے تو اس کی قیمت و اجرت میرے ذمہ ہے سید صاحب نے ان کو سمجھایا کہ آپ اس قدر زبردبار کیوں ہوتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ کسی مسلمان کے گھر کوئی حاجی آجاتا ہے تو اس کی بڑی سرفرازی

لہ وقائع احمدی (قلمی) ص ۵۷۱ ایضاً

ہوتی ہے، میں اپنی قسمت پر کچھ ناز کروں کم ہے کہ اتنے محتاج نے مجھے سرفراز فرمایا۔

پھر جب سید صاحب نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی تو مسلمانوں نے گرم جوشی کے ساتھ قبول کی، کاشنکار مل چھوڑ کر تاجر دکانیں بند کر کے، ملازم اپنے آقا کو سلام کر کے، امر اپنے محلوں سے نکل کر علماء اور شاخ مسند درس و ارشاد چھوڑ کر ساتھ ہو گئے، اور کسی نے پلٹ کر اپنے گھر کو نہ دیکھا یہاں تک کہ ان سرفروشنوں کی آخری جماعت نے بالاکوٹ کی تنگ اور سنگ لاش گھاٹی میں اتنی تھپوس اور چٹانوں کے درمیان (جن میں مسافر کا چلنا بھی آسان نہیں) اپنے سے دس گنا حریف کے مقابل میں جان دی اور مرتے مرتے بھی گھر کو یاد نہ کیا۔

یہ ساری تفصیل اس لئے لکھی گئی ہے کہ اس کا اندازہ کیا جائے کہ مسلمانوں کے برائے نام اقتدار کے بالکل آخری دور میں اور ان کے نازل و انحطاط کے شاہ کے زمانہ میں بھی لیکن مغربی استیلا و تغلب کے عہد سے پہلے مسلمانوں میں کتنی دینی طلب اور قدراور کس قدر دین کا ذوق و احساس اور کس قدر عالی ہمتی اور بلند حوصلگی تھی۔

انگریزیveldاری کے ابتدائی دور میں بھی جب کہ مغربی تہذیب و تعلیم اور اخلاق و سیاست کا اثر ہندوستان کی عام زندگی پر نہیں پڑا تھا، پہلے دور کے اثرات موجود تھے، اگرچہ ان کا دم واپس تھا، اور حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) جیسے بزرگ جنھوں نے دونوں دور اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، اپنے زمانہ کی دینی ویرانی پر حسرت کرتے تھے اور بڑے درد سے فرماتے تھے: ع

جو بچتے تھے دولے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

لیکن اگرچہ یاد خزاں چلنے لگی تھی مگر خزاں کا دور دورہ نہیں ہوا تھا، خدا طلبی کا ذوق موجود تھا

لے منظورة السعداء از مولوی سید جعفر علی نقوی (م ۱۳۸۸ھ)

اہل الشریعہ تعلق اور اصلاح و تربیت زندگی کا ایک ضروری شعبہ سمجھا جاتا تھا، اہل علم و اہل دین کو چھوڑ کر عام کاروباری مسلمان اور دنیا دار امراء بھی اس خیال سے خالی اور اس شوق سے محروم نہ تھے، بڑے بڑے مرکزی شہروں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے قصبہ دارگاؤں بھی مردانِ خدا سے معمور تھے، خدا کی طرف بلانے والے اور اللہ کا نام سکھانے والے مسلمانوں کی آبادیوں اور شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں اس طرح تسلسل کے ساتھ پائے جاتے تھے کہ شکل سے کوئی کو وہاں کے وجود سے خالی ہوگا، آج سے تیس چالیس برس پہلے کے ہندوستان پر نظر ڈالئے یا سمرقند کو گئے سنئے ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک چراغوں کی ایک قطار نظر آئے گی۔

رفتہ رفتہ یہ چراغ سحر ایک لیک کے کچھ شروع ہوئے، دیئے سے دیا جلنا تو عرصہ سے موقوف ہو گیا تھا، یہ سبہ دیئے بھی گل ہو گئے، موسم نے رفتہ رفتہ پورا اثر کیا، فصل خزاں میں درختوں کو ہلاتے اور سوکھے پتے گراتے کس نے دیکھا ہے، لیکن موسم اور ہوا کی تاثیر ہے کہ پتے اور پھول سوکھ سوکھ کر خود جھڑ جاتے ہیں، انگریزی علمداری کی طرف سے کبھی یہ اعلان نہیں ہوا کہ خانقاہیں بند کر دی جائیں اور اصلاح و ارشاد کی بساطتہ کر دی جائے اس کے برعکس اس زمانہ میں سفر کی بڑی سہولتیں پیدا ہو گئیں، اور دور دراز کے مقامات پر پہنچنا پہلے سے بہت آسان ہو گیا، مگر دلوں سے وہ طلب اور شوق ہی نکل گیا جو سمرقند و بخارا سے طالبین کو سپاہ پادری لایا کرتا تھا، اس نے اس درخت پر نشین کبھی نہیں چلایا اور اس کو کبھی آگ نہیں دی، مگر جو کو پانی نہ پہنچنے اور موافق ہوا اور فضا نہ پانے کی وجہ سے اس کی شاخیں خود کھسکی چلی جا رہی ہیں اور پھلنا پھولنا اس نے عرصہ سے چھوڑ دیا ہے۔

زندگی میں خدا طلبی کا کوئی خانہ اور چھوٹے سے چھوٹا گوشہ بھی نہیں رہا، قلب و روح کی جگہ بھی عمدہ اور فخر نے پر کر دی، زندگی کی تمام بلند اور لطیف حقیقتیں او جھل ہو گئیں اب مدت

ہاتھ غیب کی زبان پر ہے

نہ ڈھونڈھا اہل دل کو اب کہ جوشِ قلمِ فنا
متلّع دروجن میں تھی وہ کشتیاں ڈلو چکا

دنیا طلبی کا بحران

خدا طلبی کے بجائے اب یہ دنیا طلبی کا دور ہے اور اس سے کہیں زیادہ زور شور کے ساتھ آیا ہے اس مغربی تہذیبِ اقتدار کے دور میں دنیا طلبی اور شکم پیری کا جو طوفان آیا ہے اس کے لئے بحرانِ دنیا سے کم الفاظ کفایت نہیں کرتے مال و دولت کی ایک نہ ٹٹنے والی بھوک اور ایک نہ بجھنے والی پیاس ہے جس کو جو عجب البقر کہئے یا استحقاق کا مرض ہر طرف مہل من متزید کی صدا بلند ہے زندگی کی تھوس اتنی بڑھ گئی ہے اور جیاراتِ بلند ہو گیا ہے کہ مسافر طبع کو کسی منزل پر قرار اور طاہرِ حرص کا کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی ہی بڑی تھوڑا اور اونچی سی اونچی سطحِ تشفی کے لئے کافی نہیں۔

مغربی تہذیبِ اقتدار کے اس دور میں درحقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے بالاشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہے عالمِ خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے خوش فکر مصنفین جو چاہیں کھینچیں اعلیٰ زندگی میں اس وقت صرف ایک قوتِ محرکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ پیٹ ہے یا جیب ہے۔

سر جوڈ کا قول صرف یورپ ہی کے متعلق صحیح نہیں ہے بلکہ ساری مغرب زدہ دنیا کے متعلق صحیح ہے۔

جو نظریات اس زمانہ پر ستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ

اور معاملہ کو پیٹ یا جیک کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے؟

کسی زمانہ کے ذوق اور رجحان عام اور حقیقی مسئلہ زندگی کا صحیح اندازہ ان کتابوں نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں تصنیف کی جاتی ہیں (اگرچہ عام ذوق و رجحان کے اثرات سے کتابیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں اور وہ کئی کئی پردوں سے بھی جھلکتا ہے) لیکن بعض اوقات یہ مصنفین اپنے انفرادی ذوق یا قوم کی کسی مختصر جماعت کے رجحان کے نمائندے ہوتے ہیں اور بعض اوقات واقعات کے بجائے اپنی خواہشات کو واقعات کے طور پر پیش کرتے ہیں یا زمانہ کے ذوق اور رجحان کا حقیقی اندازہ روزمرہ کی زندگی نے تکلف گفتگو، مجالس کے موضوع سخن اور لوگوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے بقول اکبر مرحوم۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو

کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

اس اصول پر پیل کے طویل سفروں میں صبح و شام کی سیر میں چائے اور کھانے کی میز پر پارک اور سیگاہوں کے سبزہ آؤر نشستوں پر اجابہ رفقاء کی بے تکلف گفتگو کے موقع پر کان لگا کر سنئے کیا موضوع ہے؟

تنخواہوں کی کمی بیشی، افسروں کی رضامندی و ناراضماندی، حکام کا تبادلہ اور ان کے مزاج و معاملہ پر تنقید، تجاروں کا منافع ٹھیکہ رس کے احکامات، بینکوں کے حسابات شرح سود، کمپنیوں کے حصص، انشورنس کمپنی پالیسی، فیشن اور پروڈیونٹ فز، سبکدوشی کے بعد ملازمت کے امکانات، فتوحات کے واقعات، خوش قسمتوں پر رشک، بے نعمتوں پر تأسف، اور اسی قبیل کی باتوں کے سوا آپ کو شیش کے باوجود بھی کوئی موضوع گفتگو نہیں پائیں گے۔

یا پھر سیاسی حالات اور ان پر تبصرہ لیکن کسی اخلاقی نقطہ نظر سے نہیں کبھی نظام فاسد پر

اخلاقی تنقید اور کسی نظام صراح کی تمنا کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

مغربی اس بارہ میں امام ہے اور ہندوستان کے ہندو اس معاشی ہمراہ دست میں اس کے قدم بہ قدم اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اس کے نقش قدم پر ہے۔

اخلاقی تغیر و زوال

شرق میں جب اول مغربی تاجر پھر فاتح آئے ہیں تو یہاں عرصہ سے اخلاقی انحطاط شروع ہو چکا تھا، مشرقی اور اسلامی تہذیب کی خصوصیت یا تورو تہیزل تھیں یا ان میں افراط و تفریط اور تحریف شروع ہو چکی تھیں لیکن پھر بھی بعض ایسے اخلاقی خصائص پائے جاتے تھے، او اس میں ایسی ترقی ہو چکی تھی جس کا تصور بھی اس زمانہ میں شکل ہے، مشرقیوں نے بعض اخلاق و خصائل کو ترقی دیتے دیتے ایک مستقل فن بنا دیا تھا، اور اس میں ایسی نزاکت و نفاست پیدا کی تھی جو مغرب میں صرف ادب و شاعری اور فنون لطیفہ کا حصہ ہے۔

اسلامی مشرق میں افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات اتنے مستحکم دیرپا اور عین تھے، جو اس زمانہ کے تصور سے بالاتر ہیں اولاد کی محبت والدین کے ساتھ والدین کی شفقت اولاد کے ساتھ خورد کی تعظیم بزرگ کے لئے بزرگ کی تواضع و شفقت، عورت کی عفت، آبی ازدواجی و فاداری، ملازم کی نیک حلالی اور امانت داری، نوجوانوں کی اخلاقی انتقامت، شرفا کا معاملہ و سلوک، تعلقات و ملاقات، اوقات و معمولات، لباس و معاشرت میں کامل یکسانی اور وضع داری، دینوں کے لئے ایثار و قربانی اور ہمدردی اس میں سے ہر ایک ایسا وسیع عنوان ہے جس کے ماتحت ایسے واقعات ہیں جن کو زیادہ زمانہ گزر جانے کے بعد آسانی سے باور نہیں کیا جائے گا لیکن ابھی ان کے باور کرنے کے اسباب و قرائن موجود ہیں۔

اولاد کی اطاعت و سعادت مندی اسلامی مشرق میں بھی کچھ عرصہ پہلے تک (اور شاید کبھی نہیں اب بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی پوری تفسیل تھی جو آپ نے ایک شخص سے فرمایا تھا کہ "انت و مالک لابیک" (تم اور تمہاری ملکیت و دولت سب تمہارے باپ کی ہے)

والدین کی محبت اور ادائے حقوق کا جذبہ ان کی ذات اور ان کی زندگی تک محدود نہ تھا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ان کے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ سلوک و اعتنائے تحائف و ہدایہ کے ذریعہ اظہارِ محبت و تعلق، سعادت مند اولاد کے گویا اخلاقی فرائض اور سعادت مندی کے لوازم میں سے تھا، اور یہ بھی دراصل نبوت کی اسلامی اخلاقی تعلیم کا نتیجہ اور پرتھا کہ من ابنا البرصلة البرجل اهل و دایہ بعد ان یوفی (سب سے بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی انسان کا اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ اس کے انتقال کے بعد حسن سلوک ہے۔)

والدین کا تعلق اولاد کے ساتھ صحیح خیر خواہی اور مشرقی ایشیاء و قربانی کا نمونہ ہوتا تھا وہ اس کے لئے اپنے لذائذ، خواہشات اور راحت قربان کرتے تھے، اور اس کی صحیح تعلیم و تربیت اپنا اصلی فرض سمجھتے تھے، اور اس کی تعلیم اخلاقی تنبیہ اور استادوں کی سرزنش و تادیب کے موقع پر اپنا دل پیچہ کا بنا لیتے تھے، ایسے موقع پر بچہ کی جانب اری اور استاد کے فعل سے آرزوگی معیارِ شرافت سے بہت گری ہوئی بات سمجھی جاتی تھی جس کے لئے کوئی شریف باپ تیار نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ غیر تعلیم یافتہ والدین بھی بعض اوقات استاد کی زیادتی پر استادوں ہی کی تائید اور بچہ کی کوجرو تنبیہ کرتے تھے، فقرہ عام طور پر والدین کی زبان زد تھا کہ "استاد کا حق باپ سے زیادہ ہے۔"

اسلامی معاشرے میں بڑے اور چھوٹے کا تعلق "من لم یحرمہ صغیرنا ولم یوقر کبیرنا" (فلیس مثلاً جو اپنے خردِ شرافت نہ کرے اور جماعت کے بزرگ کی توقیر نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے)

لے صحیح مسلم

نہیں ہے) کی تصویر تھی۔

مشرقی اخلاق و تہذیب کا جو ہر و صندوق داری و استقامت اور زندگی کی کیانی ہے اس پچھلے دور میں اس برسرِ منزل سوسائٹی میں بھی اس بارہ میں عجیب و غریب مثالیں ملتی ہیں جو شخص جو کام شروع کر دیتا تھا، برسوں کرتا رہتا تھا، جو معمول مقرر کر لیتا تھا، اس میں بوسم کے تغیرات، صحت کے آثار چڑھاؤ اور معمولی موافق اور کسکندی سے فرق نہیں آنے دیتا تھا جس سے جس طرح معاملہ شروع کر دیتا تھا، آخر دم تک نباہتا تھا، خواہ اس پر کچھ بن جائے اور حالات میں کچھ بھی تغیر ہو جائے۔

اس دور میں خاندانی اور قبائلی زندگی میں فرد کی عزت و توقیر کا معیار اور تعلقات کی وابستگی شرط تہاد دولت و ثمنول نہ تھی، ایک خاندان میں مختلف افراد خاندان مختلف معاشی سطح کے ہونے کوئی دولت مند ہونا، کوئی تنگ دست و پریشان حال لیکن خاندانی اجتماعات و مجالس میں یہ مجال نہ تھی کہ مالی حیثیتوں کے فرق کی بنا پر ایک خاندان کے لوگوں کے درمیان تفریق یا مختلف معاملہ کیا جاتا اگر کبھی ایسی غلطی ہو جاتی تو اس پر سارا خاندان احتجاج اور بعض اوقات مقاطعہ کرتا، ایک تنگ دست بشریٹ زادہ دوسرے مرقہ الحال بھائی سے آنکھیں چار کر کے باتیں کرتا اور وہ اس کے علوئے خاندانی جو ہر شرافت یا ایاقت یا قربت کی بنا پر مساویانہ سلوک کرتا، اس میں بھی بڑا اہتمام تھا کہ غربت و عسرت کا اظہار قریب ترین متعلقین کے سوا کسی پر نہ ہونے پائے۔

اسلامی ماحول کے دور آخر تک شریف و با اصول انسان کا ضمیر اس کی عزت آبرو اور مذہبی عقیدہ کی طرح ایک ایسی ناقابلِ فروخت چیز سمجھی جاتی تھی جس کا دنیا میں سودا نہیں ہو سکتا تھا اور جو بڑی سے بڑی قیمت پر فروخت نہیں کیا جاتا تھا ۱۸۵۷ء کے آگے سچے مسلمان شرفا کی تہذیبی نظریں ملیں گی کہ انھوں نے اپنا خون گوارا کیا لیکن ضمیر کا خون کرنا پند نہیں کیا اور اس لئے گولی کھائی یا پھانسی پر چڑھے کہ جھوٹ بولنا منظور نہ تھا، اور جان بخشی کے لئے ضروری تھا کہ وہ جھوٹ بول کر اپنی صفائی

پیش کریں، اور ہنگامہ میں شرکت سے انکار کریں جو ان کے نزدیک خلافت و اقتدار و خلافت میراث تھی۔
 قومی و ملی باتوں میں بھی وہ اس طرح سچے ثابت ہوتے تھے جس طرح شخصی خانہ دانی معاملات میں
 قومی عصبیت و جانبداری کی وہ ہوا جو مغربی قوم پرستی کے دور میں چلی ہے اس وقت تک نہیں چلی تھی
 وہ قوم کے معاملات میں بھی جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا، اسی طرح گناہ سمجھتے تھے جس طرح اپنے ذاتی
 معاملات میں احکام شریعت کو وہ شخصی اور قومی تمام امور و مسائل کے لئے عام سمجھتے تھے، اور
 قرآن مجید کی حسب ذیل ہدایات ان کے پیش نظر تھیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَصْفَاءَ
 بِالنِّسْبِ شُهَدَاءَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ عَلَى
 أَنْفُسِكُمْ وَأُولَ الَّذِينَ وَلَدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ
 اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور شہرے
 گواہی دینے والے رہو خواہ تمہیں گواہی خود اپنے
 خلافت اور اپنے والدین اور اقرباء کے خلافت
 دینی پڑے۔ (النساء-۱۳۵)

وَلَا يَجْرِمُ ظُلْمُ شَتَانٍ قَوْمٍ عَلَى آثٍ
 لَا تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ وَأَهْوَأَ أَقْرَبُ
 لِلنَّاسِ وَأَنْتُمْ أَهْوَأُ
 نہ یاہو ظلم اور شہر کا گناہ کرو۔
 کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آدھ نہ کرے
 کہ تم اس کے معاملہ میں انصاف کا دامن ہاتھ
 سے چھوڑ دو انصاف کا گواہی خدا ترسی سے
 (المائدہ-۸)

وَإِذَا حُكِمَ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَكُونُوا
 بِالْعَدْلِ
 وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا
 جب لوگوں کے درمیان حکم اور ثالث ہو
 عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔
 جب بات کہو انصاف سے کہو چاہے کسی
 قربت و راء کے خلافت پڑے۔ (الانعام-۱۵۳)

انگریزی عملداری کی ابتدا کا واقعہ ر ضلع مظفر نگر کے قصبہ کا نڈھلہ میں ایک جگہ پر

ہندو مسلمانوں کا تنازع ہوا کہ یہ ہندوؤں کا معبد ہے یا مسلمانوں کی مسجد انگریز محسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مسلمانوں سے تخیلہ میں پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے انھوں نے کہا کہ ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہندوؤں سے پوچھا تو انھوں نے کہا یہ بڑی آزمائش کا موقع ہے معاملہ قوی ہے لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے شاید وہ اس موقع پر بھی سچی ہی بات کہیں یہ بزرگ مفتی الہی بخش صاحب (تمیز حضرت شاہ عبدالعزیز خلیفہ تھریا شہید) کے خاندان کے ایک بزرگ تھے محسٹریٹ نے ان کے پاس چپراسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا انھوں نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا کبھی منہ نہیں دیکھوں گا محسٹریٹ نے کہلوایا کہ آپ میرا منہ نہ دیکھیں لیکن تشریف لے آئیں معاملہ اہم ہے اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصل نہیں ہو سکتا وہ بزرگ تشریف لائے اور پٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا اور دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس بارہ میں کیا علم ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کی نگاہیں ان کے چہرے پر نہیں اور کان ان کے جواب پر لگے ہوئے تھے جن پر اسلیم قومی معاملہ کا فیصلہ ہونا تھا ان بزرگ نے فرمایا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ جگہ ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں عدالت کا فیصلہ ہو گیا جبکہ ہندوؤں کو مل گئی مسلمان مقدمہ ہار گئے لیکن اسلام کی اخلاقی فتح ہوئی صداقت اور اسلامی اخلاق کے ایک مظاہرہ نے چند گز زمین کھوکھوت سے غیر مسلم انسانوں کے ضمیر اور دل و دماغ جیت لئے بہت سے ہندو اسی روز ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

ضمیر کے علاوہ علم و دانش اور دماغی قوت و ذہانت بھی ایک ایسی مقدس اور قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی جس کو برسرِ ناکس کے ہاتھ اونے پونے فروخت نہیں کیا جاتا تھا جو لوگ اس بارہ میں بلند مقام پر تھے وہ تو کسی قیمت پر بھی ان کو فروخت کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو اللہ کا

بیش قیمت عطر اور امانت سمجھتے تھے، خصوصاً کفر و فسق کی بلا واسطہ یا بالواسطہ اعانت و تقویت میں اس کو صرف کرنا یا کسی غلط نظام کا آلہ کار بننا تو بہت بڑی خیانت اور دین فرشتی سمجھتے تھے۔

اسی ذہنیت اور سیرت کے ایک بزرگ مولانا عبد الرحیم صدار پوری (۱۲۳۴ھ) تھے۔
 روسیلکھنڈ کے انگریز حاکم سر ہاکنس نے ان کو بریلی کا جج کی تدیس کے لئے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ کی (جوس ۵۷ء سے پہلے حیثیت وہ رکھتا تھا، جو اس وقت ہزار بارہ سو کی بھی نہیں ہے) پیشکش کی اور وعدہ کیا کہ تھوڑی مدت میں اس مشاہرہ میں اضافہ اور ترقی ہو جائے گی، انھوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپے ماہوار ملتے ہیں وہ بند ہو جائیں گے، ہاکنس نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے پچیس گنا زیادہ پیش کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اس خیر رقم کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے انھوں نے اس کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے گھر میں سیری کا ایک درخت ہے اس کی سیری میٹھی اور مجھے مرغوب ہے، بریلی میں وہ سیری کھانے کو نہیں ملے گی، ظاہر میں انگریز اب بھی ان کے دل کی بات نہیں پاسکا، اس نے کہا کہ رام پور سے آنے کا انتظام ہو سکتا ہے آپ بریلی میں بیٹھے ہوئے بھی اپنے گھر کی سیری کھا سکتے ہیں مولانا نے فرمایا ایک بات یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو رامپور میں درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہو جائے گا اور میں ان کی خدمت کے محروم رہ جاؤں گا، انگریز کی منطق نے اب بھی مار نہیں مانی، اس نے کہا کہ میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں وہ بریلی میں آپسے اپنی تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کریں آخر اس سمان عالم نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا جس کا انگریز کے پاس کوئی جواب نہ تھا مولانا نے فرمایا کہ یہ صبح صحیح ہے تعلیم پر اجرت لینے کے متعلق میں قیامت میں اللہ کو کیا جواب دے دوں گا، ہندوستان کے فلاح نے اب اپنی شکست تسلیم کر لی اور مولانا عبد الرحیم صاحب نے نواب احمد علی خاں والی رامپور کے دس روپیہ ماہوار پر اپنی زندگی گزار دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

لے نہتہ انخواطرح ۱

اس اخلاقی بلندی اور کردار کا مقابلہ اس زمانہ کی دانش فروشی سے کیجئے اس زمانہ کے اہل دانش نے اپنے علم، بیاقت اور ذہانت کو نیلام پر چڑھا رکھا ہے کہ جو زیادہ بولی بولے گا اس کے ہاتھ فروخت کر دیں گے، اگر کوئی اسلامی ادارہ ٹوٹے رہا ہے اور کسی نصرانی ادارے نے ایک سو پانچ لکائے تو اس کی طرف منتقل ہو گئے اور اگر کوئی یہودی اسٹیٹ قائم ہو جائے اور وہ پانچ بڑھا کر بول دے تو اس کے ہاتھ بک جائیں گے، مناسب موضوع اور ذوق کی بھی کوئی شرط اگر حالات اجازت دیں تو محکمہ تعلیم کا اوی برائے نام ترقی پر پولیس کے محکمہ یا جہاز رانی کے صیغہ کی طرف بخوشی منتقل ہو سکتا ہے ایک فاضل جس نے کسی علمی مقالہ پر ڈاکٹریٹ حاصل کیا اور جو تحقیقی مقالے لکھا کرتا تھا آپ اس کے متعلق سن سکتے ہیں کہ نہایت معمولی اضافہ کی بنا پر وہ کسی ایسے فوجی یا سیاسی محکمہ کی طرف منتقل ہو گیا ہے جس سے اس کو کوئی ذہنی اور علمی مناسبت نہیں۔

آج کسی انشا پرداز کو اس میں ذرا تکلف نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی قلم سے ایک مجاہد اعظم کی سیرت لکھے پھر اسی قلم سے کسی قوم فروش کی منقبت لکھے۔

بعض شائقین کتب جب کوئی نادر بیش قیمت کتاب خریدتے تھے تو وجد و سرور میں آکر شہر چڑھتے تھے، برائے نام ترسیم کے ساتھ یہ شعراب بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

حمادے چند دام جاں خریدم

بے نازاں کو بس ارزاں خریدم

اور ”جان“ کے بجائے ”اگر ایمان“ پڑھا جائے تو بھی واقعہ کے محاذ سے کیا غلط ہے۔!

روابط و تعلقات اور حقوق باہمی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان کی بنیاد عام حالات میں اکثر غیر مادی اور خالص عقلی و روحانی یا قلبی ہوتی تھی اور ان میں خود غرضی اور نفسانیت کا شائبہ کم سے کم ہوتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض ایسے تعلقات اور روابط پائے جاتے تھے اور ان کی

جز میں قلب و دماغ میں اتنی گہری ہوتی تھیں جن کی کوئی مادی اور ناجوانہ توجہ یکم نہیں استاد و شاگرد کا ایسا تعلق تھا جس کے سامنے اس زمانہ میں باپ بیٹے اور محب و محبوب کا تعلق گرد ہے عصر جدید کا ذہن شاید اس پر ہمیشہ حیرت کرے کہ ہندوستان کے مشہور عالم اور جہاں استاد لانا نظام الدین لکھنوی (رحمۃ اللہ علیہ) صاحب درس نظامی کی خبر وفات سن کر ان کے ایک شاگرد مید کمال الدین عظیم آبادی کا صدمہ سے انتقال ہو گیا اور دوسرے شاگرد سید ظریف عظیم آبادی کے روتے روتے آنکھیں خراب ہو گئیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔

یورپ میں لذتیت اور افادیت کے دو اخلاقی فلسفے اور مکتب خیال پھلتے پھوٹتے رہے ہیں مشرقی اور اسلامی اخلاقیات پر دونوں اثر انداز ہیں مشرق کا اسلامی فلسفہ اخلاق دونوں سے بہت بلند ہے، غرض اور نفسانیت، خط نفس اور ارتقاء کے خیال سے بھی پاک ہے۔

سترہویں صدی عیسوی سے افادیت کا غلبہ ہوتا گیا، مغرب کے علمائے اخلاق نے دکنے کی چوٹ پر کہنا شروع کیا کہ اخلاق میں جسے جس چیز کا فائدہ ظاہر نہ ہو وہ قابل اعتنا نہیں ہے لیکن اس فائدہ کی تشخیص تعین کے لئے جو ذہن میزان کا کام دیتا افسوس ہے کہ وہ برابر اودہ پرستانہ بنا جا رہا تھا اس کی ساخت اور افتاد روز بروز ایسی ہوتی جا رہی تھی کہ کسی غیر مادی نفع کے تصور سے وہ قاصر تھا، اور اس بارہ میں اس کی جس اور ذکاوت محض داؤد میں تھی نتیجہ تھا کہ اخلاق کی تحدید تصریف افادہ و ارتقاء سے کی گئی یہ نازک کام جس حکم و ثالث کے سپر ہوا وہ اپنی طبعی افتاد و مزاج کی وجہ سے کسی غیر مادی نفع کے تسلیم کرنے کے قابل ہی نہ تھا، اسی طرح ارتقاء کی تحدید قدرتی اور غیر شعوری طور پر پائی ہو گئی اور عملاً فلسفہ اخلاق کا کسی ایسی چیز سے مرکب نہ رہا جس کا کوئی مادی محسوس نفع نہ ہو ورنہ رفتہ رفتہ یہ مادی ذہنیت اور افادیت ساری زندگی پر چھا گئی۔

لے ترجمہ انوار طریق ۶ بہ حوالہ رسالہ قطبیہ۔

یورپ کے ادبیات میں پہلی صدیوں میں جن الفاظ کا استعمال سب سے زیادہ ہوا ہے اور جو الفاظ یورپ کے لئے آج بھی سب سے زیادہ کشش رکھتے ہیں ان میں ایک لفظ فطرت بھی ہے لیکن جن چیزوں کے مقابل میں جن موقوع پر یہ لفظ بولا جاتا ہے ان سے صاف تعین ہوتا ہے کہ فطرت سے مراد فطرت حیوانی ہے جو ہر قسم کے لطیف احساسات، اخلاقی ضمیر اور قلب سلیم اور عقل سلیم دونوں سے آزاد ہوتی ہے، ہر قسم کی پابندیوں اور حدود سے گھبراتی ہے جس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ کھائے پیئے اور آزاد رہے، اس کے لئے حقوق و مطالبات اور انسانی ذمہ داریاں نہیں ہیں انیسویں صدی میں انسان کی اصل قدیم کے متعلق جو تحقیق کی گئی اور جس کو عام طور پر تسلیم کیا گیا وہ ہر شعبہ زندگی میں اثر انداز ہوئی اخلاق پر بھی اس کا محسوس و غیر محسوس اثر پڑا۔

اس کے بعد اب اس دور میں یورپ میں میکا کی عہد شروع ہوا، انسان کا تصور خالص جماداتی ہو گیا اور وہ تھوڑی سی لچک اور زندگی بھی جاتی رہی جو حیوانی تصویروں پائی جاتی ہے۔ مسلمان یورپ میں محمد اسد صاحب نے یورپ کے اس اخلاقی تغیر پر گہرا اور خبیہ تبصرہ کیا ہے، اگر مغرب کا ذہنی و سیاسی اتہار مشرق پر اسی طرح قائم رہا اور خود یورپ میں کوئی بڑا انقلاب نہ آیا تو آج مغرب کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے، کل مشرق کے متعلق بھی وہی صحیح ہوگا اور اس کے آثار بھی سے نظر آئے ہیں ہر شعبہ زندگی کی طرح مشرقی اخلاق جدید مغربی سانچہ میں ڈھلتے جا رہے ہیں جو حلقے مغربی تعلیم و تہذیب سے پورے طور پر متاثر ہیں ان کے اخلاق مغربی فلسفہ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں محمد اسد صاحب لکھتے ہیں:-

(یورپ میں) انسانوں کی ایک ایسی قطع پیدا ہو گئی ہے جس کی اخلاقیات علمی افاد کے سوال کے اندر محصور ہے اور جس کے نزدیک خیر و شر کا بلند ترین معیار رادکلیاں ہیں

اے ملاحظہ ہو عنوان ”ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا اثر“

مغرب کے معاشرتی زندگی موجودہ زمانہ میں جس گہری تبدیلی سے گزر رہی ہے اس میں
 نئی اخلاقی افادیت روز بروز زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی جا رہی ہے وہ تمام
 محاسن جو سوسائٹی کے مادی مفاد پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً صنعتی
 قابلیت، وطن پرستی، قوم پرستانہ احساس، جماعت ان کی عظمت بڑھتی جا رہی ہے
 اور ان کی قیمت میں بعض اوقات غیر معقول طریقہ پر مبالغہ کیا جاتا ہے اگر کے مقابل
 میں وہ محاسن جن کی ابھی تک محض اخلاقی حیثیت سے قیمت تھی مثلاً محبت، پدری یا
 ازدواجی وفاداری وہ بڑی سرعت کے ساتھ اپنی اہمیت کھو رہے ہیں اس لئے کہ
 وہ سوسائٹی کو کوئی نمایاں مادی فائدہ نہیں پہنچاتے اس زمانہ کی جگہ جس میں خاندانی
 روابط کا استحکام ہی خاندان اور قبیلہ کی خیر و فلاح کے لئے ضروری تصور کیا جاتا
 تھا، مغرب جدید میں اس زمانہ نے لے لی ہے جو وسیع تر عنوانات کے تحت اجتماعی
 تنظیم کرتا ہے، ایک ایسی سوسائٹی میں جو بنیادی طور پر سختی ہے اور جس کی تنظیم بڑی
 تیز رفتاری کے ساتھ خالص میکاٹکی خطوط پر کی جا رہی ہے ایک فرد کا بتاؤ اپنے والد
 کے ساتھ کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا جب تک کہ یہ افراد اس عام معیار شرافت کے
 حلقہ کے اندر ایک دوسرے سے بڑاؤ کرتے ہیں جو سوسائٹی نے افراد کے باہمی بڑاؤ کے لئے
 مقرر کر دیے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپین باپ کا اقتدار اپنے بیٹے پر براہم ہوتا جا رہا ہے
 اور بیٹے کے دل میں اپنے باپ کی طرف سے عزت و احترام کا جذبہ رو بہ زوال ہے
 ان دونوں کے باہمی تعلقات تیزی کے ساتھ قابو سے باہر ہوتے جاتے ہیں اور عملاً
 ایک ایسی شینی سوسائٹی کے ذریعہ ان تعلقات کا خون ہو رہا ہے جس میں افراد کے
 باہمی حقوق کے منسوخ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ خاندانی

رشتہ داری کے پیدا کئے ہوئے حقوق بھی ختم ہوتے جاتے ہیں؛

پست ہمتی و تن آسانی

اسلامی مشرق میں انسان کی ترقی اور کمال کا معیار بہت بلند تھا، اس کے لئے دین و دنیا اور علم و عمل کی جامعیت بہت سے متفرق انسانی صفات انسان اور انسانی کمالات بہت سے ایسے منتشر شعبوں کا اجتماع ضروری تھا، جن میں اس زمانہ کی پست ہمتی اور کوتاہ نظری تضاد سمجھی ہے اور کسی فرد انسان میں ان کے بیک وقت اجتماع کے تصور سے اکثر قاصد صریحاً پوری دنیا سے اسلام میں سے صرف ہندوستان کے مسلمان سلاطین اور ان کے امراء و وزراء کی سیرت پر ایک نظر ڈال لیجئے آپ کو عالی ہمتی، بلند حوصلگی، کمالات و خصوصیات کے تنوع، قبائے شاہی کے اندر درویشی، ہمتی سیاسی کے انہماک و تن دہی کے ساتھ عبادت کی مشغولیت و سرگرمی، علمی ذوق و مطالعہ کے ایسے نادر نمونے ملیں گے جن کی نظیر عام انسانی تاریخ میں ملنی آسان نہیں اور جن کی تصدیق میں اس زمانہ کا تنگ ظرف ذہن اور انسانی ترقی و کمال کا محدود تصور بار بار دقتیں محسوس کرے گا۔

سلطان شمس الدین التمش کی سلطنت کی وسعت اور اس کی ملکی سیاسی مصروفیت کا حال تاریخ ہندوستان کا ہر طالب علم جانتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ محاذ ہے کہ اس کی انتظامی مشغولیت شاہانہ ضروریات و مطالبات جنگوں اور سفروں کی کثرت اس کی مذہبی پابندی اور معمولات میں مطلق حاجت نہ تھی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کی کبھی عصر کی سنتیں اور کبیرہ اولیٰ فوت نہ ہوئی ہو، جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو سلطان آگے بڑھا اور اس نے نماز پڑھا لی۔

ISLAM AT THE CROSS-ROADS THE TRAGEDY OF EUROPE ۱۷

سلطان غیاث الدین بلبن، ناصر الدین محمود، فیروز تغلق کی مذہبی زندگی اور مذہبی پابندی کا حال کوئی چھپا ہوا واقعہ نہیں۔

سلاطین گجرات بالخصوص دین و دنیا کی جامعیت اور جنیدی دار دشیری کا بہترین نمونہ تھے، محمود شاہ اول (م ۵۹۷ھ) اور اس کے بیٹے مظفر شاہ حلیم (م ۹۳۲ھ) کے حالات اس کی بہترین شہادت ہیں۔

مؤرخ ہندوستان مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب ”مظفر شاہ حلیم کے حالات ذکر و یادایام“ میں لکھتے ہیں:-

”محمود شاہ کے بعد اس کا فرزند رشید نعم الخلف نسیم السلف کا صحیح مصداق مظفر شاہ تاج و سریر کا مالک ہوا، علوم و فنون میں یہ علامہ محمد ابن محمد الایچی کا شاگرد تھا اور حدیث علامہ جمال الدین محمد بن عمر کجری سے پڑھی تھی، قرآن مجید حفظ کر لینے کا شرف ایسی عمریں اس کو نصیب ہوا تھا جس کی نسبت شیخ سعدی فرماتے ہیں

— درایام جوانی چنان کہ افتد دانی، اس فضل و کمال کے ساتھ تقویٰ اور عزمیت کی دولت بھی اس نے خدا وادائی تھی، تمام عمر نصوص احادیث پڑھیں رہا، ہمیشہ با وضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، رونے عمر بھر نہیں چھوڑے، شراب ناب کو کبھی منہ سے نہیں لگایا کبھی کسی پر بے جا سختی نہیں کی، بد زبانی سے اپنے منہ کو گندہ نہیں کیا، عجیب تر بات یہ ہے کہ اس پیکر تقدس میں سہ گری اور ملک داری کی صفتیں بھی علیٰ وجہ الکمال مجتمع تھیں، مالوہ کی فتوحات عظیمہ تاریخوں میں پڑھئے اور ان سے اس کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ کیجئے، جس وقت محمود شاہ دوم مالوہ کی غفلت و سہو تدبیری سے اس کے وزیر مندلی رائے نے زام حکومت کو اپنے ہاتھ میں کرکھو شاہ کو

بے دخل کر دیا اور شعائر اسلام کو ٹا کر رسوم کفر کی ترویج شروع کر دی مظفر شاہ حلیم
 علیہ الرحمہ کی رگ حمیت کو جنبش ہوئی اس نے افواج قاہرہ کے ساتھ مالوہ کی جانب
 نہضت فرمائی اور کوچ در کوچ کرتا ہوا مانڈو پہونچا اور اس کا محاصرہ کر لیا مندی رائے
 نے یہ سمجھ کر کہ وہ خود تاب مقاومت نہیں لاسکتا مانا سا لگا کویش بہا تھاائف کا پلوع نے کہ
 اپنی مدد کے واسطے بلایا وہ ہنوز سانگ پور تک نہیں پہونچا تھا کہ مظفر شاہ حلیم نے اس کی
 مدارات کے لئے اپنی فوج مظفر موج کا ایک مقبول حصہ آگے کو روانہ کر دیا جس سے رانا کو
 آگے بڑھنے کی جرات نہ ہو سکی اور قبل اس کے کہ مندی رائے کو اطراف و جوانب سے
 ملک پہونچے قلعہ کو مستحضر کیا۔

جانِ سخن یہ ہے کہ تسخیر قلعہ کے بعد جس وقت مظفر شاہ حلیم اندر داخل ہوا اور امراء
 ہم نکاح شایان مالوہ کے سامان تجل اور خزان و دفائن کو ملاحظہ کیا اور اس ملک کی
 سرسبزی و شادابی کی اطلاع پائی تو انھوں نے جبارت کر کے مظفر شاہ کی خدمت میں
 عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جزا درجہ شہادت کو پہونچ چکے ہیں،
 یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قدر نقصان اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالے
 کر دیا جائے جس کی سوئے بدیر سے مندی رائے نے اس پر قابو پایا تھا بادشاہ نے یہ سنتے ہی
 سیر موقوف کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہم رکاب
 لوگوں میں سے کسی کو قلعہ کے اندر نہ جانے دے، محمود نے باصرہ تمام اس بات کی التجا کی
 کہ بادشاہ چند روز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں، مگر مظفر شاہ نے اس التجا کو قبول فرمایا
 اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد و غزائے محض خداوند برحق کی رضا مندی حاصل
 کرنے کو کیا تھا مجھ کو امراء کی تقریر سے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا کوئی خطرہ فاسد

میرے دل میں پیدا ہوا اور میرا خلوص نیت برباد ہو جائے میں نے محض پر کوئی احسان نہیں کیا
بلکہ محض وہ کام چھ پرٹھا احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

انتقال کے قریب علماء و ارکان دولت کی ایک مجلس میں بادشاہ نے تحدیث بالنعمة کے طور پر
بیان کیا کہ میں خدا کے فضل و کرم سے قرآن کے حفظ کے ساتھ ہر آیت سے متعلق ضروری مسائل
و احکام اباب نزول اور اصول تجوید کا علم رکھتا ہوں اپنے استاد علامہ جمال الدین محمد بن
عمر محرق سے جن احادیث کی سند لی ہے وہ مع متن و سند راویوں کے حال کے مجھے حفظ میں فقہ
میں مجھے بفضلہ تعالیٰ وہ درک حاصل ہے کہ حدیث "من یرح الله به خیر ایقظہ فی الدین"
(جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے) کا مصداق
بننے کی امید رکھتا ہوں اور اب چند مہینوں سے حضرات صوفیہ و مشائخ کے طریق پر تزکیہ نفس
میں مشغول ہوں اور من تشبہ بقوم فهو منهم کی بنا پر ان کے برکات کی امید رکھتا ہوں تفسیر
معالم التنزیل ایک باختم کر چکا ہوں دوبارہ پھر شروع کی ہے نصف تک پہنچ گیا ہوں باقی
امید ہے کہ انشاء اللہ شرجت میں ختم کروں گا۔

جمعہ کی نماز کے قریب تحضار کی کیفیت شروع ہوئی لوگوں کو حکم دیا کہ ناز پڑھنے جائیں خود
ظہر کی نماز پڑھی اور کہا کہ ظہر کی نماز میں نے تمہارے یہاں پڑھی ہے عصر کی نماز انشاء اللہ شرجت
میں پڑھوں گا انتقال کے وقت حضرت یوسفؑ کی یہ دعا زبان پر تھی جو اس درویش بادشاہ کے
بالکل حسب حال تھی:-

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ
وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْآحَادِيثِ
پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور
باتوں کا مطلب و تفسیر کا تائیلیم فرمایا

علامہ ابن عربی کی ضخیم تفسیر جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّتَ
وَلِيٌّ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَكَّلْ
مُسْلِمًا وَاَلْحِقْنِی بِالصَّالِحِیْنَ ۝
(یوسف - ۱۰۱)

وزیرین کے بنانے والے! تو ہی میرے کارساز
ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایسا کچھ
کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمائندگی کی
حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل
ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

شیر شاہ سوری (م ۹۵۲ھ) کے اوقات و معمولات کی فہرست جو مؤرخین نے بیان نہیں
محمود کر دی ہے ملاحظہ ہو، اس زمانے میں متوسط درجہ کے مشغول انسان کے لئے بھی ان کا التزام
مشکل ہے، چہ جائیکہ اس مصروف ترین بادشاہ کے لئے جس کو پانچ برس کی مدت میں ایک صدی کا کام
کرنا تھا اور جس کو بظاہر اپنی انتظامی و سیاسی مشغولیت سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ہونی چاہئے تھی۔

شیر شاہ تہائی رات رہتی کہ بیدار ہو جاتا، غسل کرتا اور نوازل پڑھتا، نماز فجر سے پہلے اٹھا

ختم کرتا پھر مختلف صیغوں کے حسابات دیکھتا اور دن کے اہم کاموں کے متعلق حکام و

اہل کاران سلطنت کو ہدایت دیتا اور روزانہ کا نظام عمل بتلاتا تاکہ دن کو معاملات کے

اس کو پریشان نہ کریں اس سببے فایغ ہو کر نماز فجر کے لئے وضو کرتا اور تہجد کے ساتھ

نماز فجر پڑھتا، پھر اذکار و اوراد میں مشغول ہو جاتا، اپنے میں حکام سلام کے لئے حاضر

ہوتے بادشاہ نماز اشراق سے فایغ ہو کر لوگوں کی ضروریات معلوم کرتا اور گھوڑے

علاقے جاگیریں، اور مال جس کو جیسی ضرورت ہوتی دیتا، پھر اہل مقدمہ اور ادوخواہوں

کی طرف توجہ ہوتا اور ان کی داد رسی اور حاجت براری کرتا، پھر افواج شاہی اور اسلحہ

کا معائنہ کرتا اور فوج کے لئے امیدواروں کی قابلیت کا اندازہ کر کے ان کے تقرر

کا حکم دیتا، پھر ملک کی روزانہ آمدنی اور الیہ کا معائنہ کرتا، پھر ارکان سلطنت اُمراء و

سلطنتوں کے سفر اور وکلا حاضر ہوتے ان سے گفتگو کرتا، پھر حکام اور اہل کاروں کی عرضیاں گزرتیں ان کی سماعت کرتا اور حکم لکھواتا، پھر دوپہر کا کھانا تناول کرتا علماء و شائخ بھی دسترخوان پر ہوتے، پھر ظہر کی نماز تک دو گھنٹے اپنے ذاتی کام انجام دیتا اور قیلو کہ کرتا، پھر ظہر کی نماز جامع سے پڑھتا، اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا اس سے فارغ ہو کر پھر امور سلطنت میں مشغول ہو جاتا، سفر و حضر میں اس نظام الاوقات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی، کہا کرتا تھا کہ بڑا آدمی وہ ہے جو اپنا پورا وقت ضروری کاموں میں صرف کرے۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے تفصیلی حالات پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ دنیا دار بادشاہ جو کابل و قندھار سے لے کر دکن تک حکومت کرتا تھا اور اس پوری وسیع سلطنت کی بذات خود نگرانی کرتا تھا، اپنی عالی ہستی اور عزم کی قوت سے اننا وقت نکال لیتا تھا کہ تمام مہمات ملکی کے ساتھ اول وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتا تھا، مسکن و نفل کی پابندی کرتا تھا، سخت گرمی میں رمضان کے پورے روزے رکھتا تھا، اور رات کو تراویح پڑھتا تھا، رمضان کے عشرہ اخیر میں مسجد میں اشکاف کرتا تھا، دو شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو ہر ہفتہ روزہ رکھتا تھا، ہمیشہ با وضو رہتا تھا، اذکار و ادعیہ ماثورہ کا پابند تھا، روز صبح قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا، اور تمام ملکی و سیاسی مشاغل اور انتشار طبیعت کے ساتھ پوری کجی سے حضرت خواجہ سیف الدین (نبیو) حضرت یحیٰ الف ثانی (۳) سے ایسا استفادہ باطنی کرتا تھا کہ وہ اپنے والد الزما (حضرت خواجہ محمد مصوم) کو اس میں آثار ذکر کے ظاہر ہونے کی اطلاع دیتے ہیں روزانہ کی مصروفیتوں کے ساتھ اور اتنا وقت نکال لیتا تھا کہ فتاویٰ عالمگیری کو جو اس کے حکم سے علماء زرتیب دے رہے تھے روز کار و روز سنا تھا اور مشورہ دیتا تھا۔

مالگیر کی تخت نشینی کا زمانہ کتنا پر آشوب اور ظالم خیز تھا، اسی زمانہ میں اس کو سلطنت کی
از سر نو تنظیم کرنی پڑی، اٹھے ہوئے فتنوں کو دبا نا پڑا لیکن یہ مالگیر ہی کی عزیمت تھی کہ اس زمانہ
میں حبس کو سراٹھانے کی مہلت نہ تھی اس قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے وقت نکال لیا اور اپنی کتاب
”اربعین“ کی جس میں اس نے چالیس حدیثیں جمع کی تھیں شرح لکھی، مالگیر کا شعر ہے۔

غم عالم فرا داں است و من یک غنچہ دل دارم

چناں در شیشہ ساعت کنم ریگ بیاباں را

لیکن اس نے اس ”شیشہ ساعت“ میں جس طرح اس ”ریگ بیاباں“ کو بند کیا
وہ اس کی مندرجہ بالا خصوصیات سے ظاہر ہے۔

امراء اور وزرا میں دیکھئے تو آپ کو عبدالرحیم بیرم خان خاناں جلالت الملک حداد شاہ
نظامی، میرالدین محمد بن محمد الایچی اختیار خاں، افضل خاں اور مسند عالی عبدالعزیز آصف خاں
جیسے جامع کمالات بزرگ نظر آتے ہیں ان میں سے صرف دو (عبدالرحیم خان خاناں اور
آصف خاں) کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عبدالرحیم خاں نے درسی کتابیں مولانا محمد امین انجمنی اور قاضی نظام الدین بن خانی
سے پڑھیں اور حکیم علی گیلانی اور علامہ فتح اللہ شیرازی سے علمی استفادہ کیا، پھر جب گجرات میں قیام
کا موقع ملا تو علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ گجراتی سے مزید تحصیل علم کی، ان اساتذہ وقت کے
علاوہ اس کا دربار اہل کمال اور ماہرین فن کا مرکز تھا، ان سے برابر علمی مذاکرہ و استفادہ جاری
رہتا تھا، یہاں تک کہ تمام علوم و فنون میں تبحر پیدا کر لیا، اکثر اصنافِ علم و ادب میں ذوقِ سلیم
ناقدانہ نظر اور فیصلہ کن رائے رکھتا تھا، زبانِ دانی میں دیکھئے تو اس کو ہفت زبان کہنا صحیح ہوگا
عبدالرزاق خوانی، آثار الامراء میں لکھتا ہے کہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں میں بہت اہل کمال

رکھتا تھا، ان سب زبانوں میں فصاحت و طلاقت سے گفتگو کرتا اور بے تکلف آباد فرماتا۔
 ان علمی کمالات کے ساتھ فنون جنگ اور سپہ گری میں مکتاے روزگار اور شجاعت مہادری
 میں نامدار تھا، گجرات و سندھ اور دکن کی فتوحات اس کی شجاعت و خوش تدبیری کی یادگار ہیں۔
 اخلاق و کرم کے لحاظ سے دیکھیے تو تمام مؤرخ اس کے حُسنِ خلق، نرم خوئی، بُرد باری،
 خاکساری اور تواضع کے متناخواہ ہیں۔

داد و دہش اور سخاوت کی حیثیت سے دیکھیے تو سید غلام علی بلگرامی شہادت دیتے ہیں کہ اگر
 عبدالرحیم خان خاناں کے انعامات اور صلے ترانہ کے ایک پرے میں رکھے جائیں اور تمام
 شاہانِ صفویہ کے انعامات اور زرِ پاشی ایک پرے پر ہو تو عبدالرحیم کا پیرا بھاری ہے گا۔
 علمی ذوق و مطالعہ کے انہماک کا عالم یہ تھا کہ عین میدانِ جنگ میں گھوڑے کی پیٹھ پر کتاب کے
 اجزائے ہاتھ میں کھلے ہوئے ہوتے، نہانے کا وقت بھی کتاب سے خالی نہ ہوتا، خدام کتاب کھولے ہوئے
 سامنے کھڑے ہوتے، نہانے کے ساتھ ساتھ کتاب کا مطالعہ جاری رہتا۔

دینی رجحان اور طبیعت کی صلاحیت کا اندازہ اس سے ہو گا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی
 نگاہ و التفات اور نظرِ انتخاب سے مخلوق کا تھا اور ان خوش قسمت افراد میں شامل تھا جن کو حضرت مجددؒ
 کے مکتوبِ ابرہہ و محمد علیؒ ہونے کا شرف حاصل تھا، مجدد صاحب کے مکتوبات سے اُن کے قلبی تعلق
 اور گہری ارادت کا پتہ چلتا ہے۔

آصف خاں وزیرِ گجرات کا حال پڑھئے تو جامعیت و بالکالی کی ایک دوسری تصویر نظر آئے گی،
 عبدالعزیز نام تھا، حمید الملک کے بڑے بیٹے تھے، کچھ کتابیں والد سے پڑھیں، حدیث و فقہ
 قاضی برہان الدین نہروالے سے حاصل کی، علومِ حکمیہ میں ابوالفضل کا ذرونی اور ابوالفضل استرآبادی
 لے خزانہ عامرہ۔

کے شاگرد تھے، علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت ہوئی تو دوبار شاہی میں پہنچے بہادر شاہ کے زمانہ میں وزارت ملی، محمود شاہ کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے عہدہ پر سرفراز ہوئے باوجود ان مناصبِ جلیلہ کے درس و تدریس اور مذاکرہ علمی کا مشغلہ آخر وقت تک قائم رہا۔

بعض سیاسی انقلابات کی وجہ سے ایک عرصہ تک آصف خاں نے مکہ معظمہ میں قیام کیا، وہاں علماءِ حرمین اور بلا دوا مصارعے بالکمال ان کے علمی و ملی کمالات، دینی استقامت و عزیمت اور عبادت کی مشغولیت دیکھ کر انگشتِ بزدان رہ گئے، علامہ عصر ابن حجر کی نے تو ان کے فضائل و مناقب میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، (اور غالباً کسی ہندی کے مناقب میں ایک مسلم الثبوت عالم کی یہ پہلی تصنیف ہے) جس میں ان کے فضل و کمال، تقویٰ و تقدس کی بڑی مدح سرسائی کی ہے۔

علماءِ حرمین کی شہادت ہے کہ جواری و خدام اور جاہ و شتم کے باوجود ان کی زندگی مکہ معظمہ میں بالکل زاہدانہ تھی، قرآن کے دس پارے تہجد میں پڑھتے، ابن حجر کی شہادت ہے کہ مکہ معظمہ کے دس سالہ قیام میں مسجدِ حرام میں ان کی کوئی جماعت فوت نہیں ہوئی، ان کی قیام گاہ مطاف کے محاذی تھی، کبھی نوافل، ذکر و تسبیح، ہر اوقاف مطالعہ کے علاوہ ان کو کسی حال میں نہیں دیکھا گیا، اونچی اونچی کتابوں کا درس اور علماء سے علمی مذاکرہ بحث و تحقیق کا سلسلہ براہِ جاری رہتا، علماءِ حرم بڑے شوق سے ان کی علمی مجالس میں شریک ہوتے، اعلیٰ درجی اور دینی فنون کی منتہیانہ کتابوں کے اشکالات پر فاضلانہ و محققانہ گفتگو و تحقیق ہوتی۔

علمی سرپرستی اور قدردانی کا یہ عالم تھا کہ ابن حجر کی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آکر رہے تھے تو عجیب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہو گئی تھی، علماء و فقہا ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، علم کا چرچا بڑھ گیا تھا، اور مکہ والوں نے تحصیلِ علم میں بڑی کوشش کی تھی، طلبہ ہر طرف سے سمنڈے تھے، اور انھوں نے حصولِ علم پر تنقل و توجہ کی اور دقائق علمی کی

اس عزم سے جستجو و تلاش کی کہ آصف خاں کے سامنے ان کو پیش کریں اور روح پیدا کریں، اور مشکلات فن کو محفوظ کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے ان کا تقرب حاصل کریں یہ سب اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اہل علم پر احسان و کرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ جس کی نظیر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے موقوف تھی یہاں تک کہ کہ معظمہ میں ہر گلی کوچہ میں ان کو اس طرح دعائیں دی جاتی تھیں جس طرح بلیک کی صدائیں ایام حج میں بلند ہوتی ہیں۔

آصف خاں کے فضائل و کمالات کی دُور دُور ایسی شہرت ہوئی کہ سلطان ترکی نے ان کی ملاقات کی آرزو ظاہر کی، اور شریف مکہ کے توسط سے شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ قسطنطنیہ بلایا، اور بڑی توجہ و اعزاز کے ساتھ اس جامع کمالات ہستی سے گفتگو کی۔

ایک رفیق سفر نے جس نے کہ معظمہ سے قسطنطنیہ تک آصف خاں کے ساتھ سفر کیا تھا بیان کیا کہ اس پورے سفر میں آصف خاں نے کبھی کسی شخصیت پر دل نہیں کیا، ہمیشہ اسی طرح عزیمت پر عمل کرتے رہے جیسے اقامت میں کرتے تھے، خسرو پاشا حاکم مصر نے آصف خاں کے لئے ایک خلعت بھیجی اور فیرے باصرہ عرض کیا کہ بادشاہ کی خوشی کے لئے آپس کو ایک مرتبہ بدن پر ڈالیں تاکہ کہنے کو ہو جائے آصف خاں نے معذرت کی کہ یہ قباریشی ہے، میں اس کو کسی طرح بدن پر نہیں رکھ سکتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر بادشاہ مظفر شاہ حلیم و اورنگ زیب اور ہر امیر و وزیر و علما و خاں خانان اور آصف خاں نہیں تھا لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ انسان کی عظمت و کمالات کا معیار اس زمانہ میں عام طور پر بہت بلند تھا، اس کی بڑائی اور کامیابی کے لئے بہت سی ایسی صفات اور کمالات ضروری سمجھے جاتے تھے، جو بعد کے زمانہ میں خصوصاً مغرب کے مادی اقتدار کے دور میں عظمت کی شرائط سے خارج ہو گئے ہیں وہ معیار لوگوں کی نظر کے سامنے ہر وقت رہا کرتا تھا، عوام بھی اس کی توقع کرتے تھے اور اہل ہمت بھی اپنے تئیں ان کا ایسا پابند سمجھتے تھے کہ

ہمیشہ ان کی جدوجہد میں رہا کرتے تھے، اور کبھی اس بارہ میں اپنے کو معاف نہیں کرتے تھے دنیاوی عظمت و ترقی کا بلند سے بلند ذریعہ ان میں دین کی طرف سے دوں ہمتی نہیں پیدا کرتا تھا، دنیاوی مشاغل کا ہجوم اور شدت، انہماک، حکومت، ریاست و وزارت کی ذمہ داریاں، مذہبی فرائض بلکہ سنن و نوافل کی طرف سے بھی ادنیٰ غفلت پیدا نہیں ہونے دیتی تھیں عیش و عشرت کے وسائل اور دولت، تن آسانی اور راحت طلبی پیدا نہیں ہونے دیتی تھی دوسری چیزوں اور شعبوں کے انحطاط کے ساتھ اس عالی ہمتی اور جامعیت میں کبھی تنزل ظاہر ہوا، اور وہ نمونے جو ہر زمانہ میں بہ کثرت نظر آتے تھے، خال خال نظر آنے لگے لیکن پھر بھی وہ معیار باقی تھا، اور دماغوں و ردوں پر اس کی حکومت تھی، اپنے اپنے دور کے عالی ہمت اور صاحب عزم افراد اس معیار پر پورا اترنے کے لئے کوشاں رہتے تھے، اور اس کے لئے اپنی راحت و لذت، اور خواہشات قربان کرتے تھے، شہدائے انقلاب کچھ پہلے اور اس کے بعد ہندوستان کے اہل وجاہت و اہل علم پر نظر ڈالئے، آپ مفتی صدر الدین خاں، نواب قطب الدین خاں، نواب وزیر الدین مرحوم والی، کوٹک، نواب کلب علی خاں والی، رامپور، مدار، انہماک، منشی جمال الدین خاں، وزیر ریاست بھوپال، نواب سید صدیق حسن خاں ایسے جامع اوصاف بزرگ ملیں گے جن میں ریاست، لمارت، اور علم و فضل کے ساتھ زاہدوں کا زہر، عابدوں کی سرگرمی، طالب علموں کا انہماک، شوق مطالعہ، اور پاسبیوں کی چستی جمع تھی، اور یہ اس کا نتیجہ تھا کہ زندگی کا نمونہ اور معیار (آئیڈیل) بلند تھا، اور ہر زمانہ میں دل و دماغ پر آئیڈیل ہی کی حکومت ہوتی ہے۔

مغرب کے مادی و معاشی دورِ اقتدار و تہذیب میں انسانی زندگی کا قابلِ تقلید نمونہ اور مثالی تصویر پسٹ ہو گیا، صرف اچھا کھانا، اچھا پہننا، سوسائٹی میں ممتاز و ممتاز بننا، اور ہم چشموں میں جاہ و اعزاز حاصل کرنا آئیڈیل بن گیا، پیڑیوں کی سیرت نظروں سے اوجھل ہو گئی،

دین و دنیا کی جامع اور ذہنی، علمی و روحانی و انتظامی کمالات اور کسبِ حلال کی صفت سے متصف ہستیوں کا ذہنی اثر و تسلط ہٹ گیا اور وہ شخصیتیں ذہن پرچھا گئیں اور نمونہ و مثال اور زندگی کی کامیابیوں کا فہمی بن کر آنکھوں اور تصور کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئیں جو اخلاقی و ذہنی حیثیت سے سخت ناقص، اعمال و کردار کے لحاظ سے بے حد پست، علمی کمالات اور حقیقی صفات سے محروم، اخلاقی سطح کے لحاظ سے بتذل و رعامی، گھٹیا درجہ کے انسان یا معاشی جانور اور روپہ پیدا کرنے کی بے شعور و بے دردمشینیں ہیں تن آسانی اور راحت پسند اتنی غالب آ گئی اور فخری مشاغل نے زندگی کی اتنی بڑی جگہ گھیر لی کہ عبادتِ دینی فرائض کی ادائیگی اور روحانی ضروریات کی طرف توجہ کرنے کے لئے گنجائش نہیں رہی اس وقت ترقی یافتہ اور مہذب طبقہ کے نظامِ اوقات پر نظر ڈالئے گا تو قدیم اسلامی تہذیب کے ان نمائندوں کے نظامِ اوقات میں اور بیسویں صدی عیسوی کے اس نظامِ اوقات میں اتنا بڑا فرق نظر آئے گا کہ ایک قوم اور ملک کے افراد نہیں معلوم ہوں گے اور درمیان میں برسوں نہیں بلکہ صدیوں کی مسافت اور سمندروں اور ملکوں کا فاصلہ معلوم ہوگا۔



باب ہفتم

عالم اسلام زندگی کے میدان میں

گذشتہ اسلامی قیادت کے اثرات

گذشتہ صفحات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی سحی میں جبے نیاتیزی کے ساتھ ہلاکت کے غار کی طرف جاری تھی اور رئے زمین پر کوئی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے دنیا کو ایک ایسی جماعت کی قیادت عطا فرمائی جو آسانی کتاب اور الہی شریعت و قانون رکھتی تھی جس کا ہر قدم خدا کی بخشی ہوئی روشنی میں اٹھتا تھا اور اُجالے میں پڑتا تھا جو دنیا میں حق و انصاف کی علم بردار تھی جو حکومت و قیادت کے منصب پر نبوت کی مستحکم اخلاقی تربیت اور دین کی مکمل تہذیب نفس کے بعد فائز ہوئی تھی، جو کسی قوم کی خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کی نمایندہ نہ تھی جس کو انسانیت کا معتدل ترین مزاج اور توازن ترین طبیعت عطا ہوئی تھی۔

اس جماعت کے وجود نے نوع انسانی کی مجموعی ہلاکت کے راستے میں فوری روک ٹاک کام دیا اور بتدریج انسانیت کو صدیوں تک کے لئے ان تمام فتنوں و اضطرابات سے محفوظ کر دیا جو عالم پر محیط تھے اس نے صحیح منزل کی طرف انسانوں کو ساتھ لے کر بڑھنا شروع کیا اس کے اقتدار میں انسانیت کو متوازن ترقی ہوئی اور انسان کی تمام ظاہری و باطنی قوتوں نے

ہم آہنگی اور تناسب کے ساتھ نشوونما اور ترقی حاصل کی اور ایک ایسا ماحول قائم ہوا، جس میں انسان کے لئے سہولت اپنے کہاں انسانی تک پہنچنا ممکن ہوا۔

اس جماعت کے اثر و نفوذ سے زندگی کا دھارا اور دنیا کی سمت بدل گئی، ایک وسیع پیمانہ کی خود کشی، اور عالمگیر خدافرا موشی و خودفرا موشی سے ہمگیر خدایپرستی اور خود شناسی کی طرف رخ ہو گیا، انسانوں کا مزاج، ذہن اور قلب بدل گیا غلط اخلاقی قدیس اور جھوٹے پیمانے تبدیل ہو گئے، اعلیٰ اخلاقی نمونے میاں رکام دینے لگے، زندگی اور نظام حکومت کے لئے خاص دینی و اخلاقی تعلیمات نے میزان کا درجہ چال کر لیا، اس کے دور تمدن میں تجارت و صنعت کے ساتھ اخلاق و فضیلت کو بھی عروج ہوا اور فتوحات کی وسعت اور تمدن کی ترقی کے ساتھ اخلاق و روحانیت نے بھی یکساں فروغ پایا، دینی رشتہ، مقاصد کے اتحاد اور صلح و محبت نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دیا جس میں نہ باہم زور آزمائی تھی نہ رشتہ کشی، خدایپرستی و پاکیزگی کی راہ جو جاہلیت کی حکومت اقتدار میں کانٹوں سے بھری اور مدت کے ٹنسان پڑی تھی، بے خطر شاہ راہ بن گئی جس پر بے روک ٹوک قافلے جاتے تھے، خدا کی اطاعت جو پہلے مشکل تھی اب آسان اور نافرمانی جو پہلے آسان تھی اب مشکل ہو گئی، دین کی دعوت میں مقناطیس کی کشش اور اخلاقی تربیت و اصلاح میں برائیت کی طاقت پیدا ہو گئی جس نے لاکھوں نفوس کو بہیمیت کی زندگی اور اخلاق کی پستی سے اٹھا کر روحانی اور اخلاقی ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا، انسانی جوہر و کمالات علم و ذہانت اور طبیعت کی جولانی نے جو عرصہ سے ضلالت میں محال صرف ہو رہی تھی، صحیح رخ اختیار کر کے دنیا کو حقیقی ترقی دی غرض انسانیت کا قافلہ منزل مقصود سے قریب ہوا اور اس کا اگلا حصہ منزل پر پہنچ گیا۔

مغربی قیادت اور اس کے اثرات

لیکن قبل اس کے کہ کچھ پچھلے سفر منزل پر پہنچیں، دفعۃً قافلہ بظہر معلوم ہوا کہ قیادت

تبدیل ہو گئی، کاروان سالار کو اس لئے قیادت سے بک دوش ہونا پڑا کہ اس نے قافلہ کی ٹھٹھا کا پورا سامان نہیں کیا تھا، ایک اجنبی مسافر نے جس کو قافلہ میں کوئی نہیں پہچانتا، تلوار کے زور اور قوت کی دلیل سے زمام قیادت لے لی ہے۔

اس بے بس انسانی قافلہ کو نیا قافلہ سالار ایک ایسے راستہ کی طرف لے چلا جس میں سخت نشیب و فراز اور پیچ و خم ہیں جس پر دن کی روشنی میں رات کا اندھیرا ہے، قافلہ کے رہو بار بار ٹھوکر کھاتے، منہ کے بل گرتے اور فریاد کرتے ہیں لیکن قافلہ سالار قوت کے نشہ اور جلد پہنچنے کی عجلت میں قافلہ کو سرپٹ لئے جا رہا ہے۔

یہ تمثیل نہیں واقعہ ہے، دنیا کی زمام قیادت مسلمانوں کے بعد مغرب کی ان قوموں نے اپنے ہاتھ میں لی، جن کے پاس ابتداء سے حکمت الہی کا کوئی سرمایہ اور علم صحیح کا کوئی صاف حشر نہ تھا، نبوت کی روشنی وہاں دراصل پہنچنے ہی نہیں پائی، حضرت مسیح کی تعلیمات کی ایک شعاع جو وہاں پہنچی بھی وہ تحریف و تاویل کے اندھیروں میں گم ہو گئی، انھوں نے اس آسمانی روشنی کی خانہ پری یونان و روم کے دفتروں کی سیاہی سے کی، جاہلی یونان و روم کا پورا جاہلی نکر ان کے میراث میں آیا، اور نسلی طور پر ان کے تمام فطری، ذہنی، اخلاقی اور مزاجی خصائص ان میں منتقل ہوئے، محسوسات پرستی، روحانیت سے بُدانتیت و لطف اندوزی و طینت کا غلو، غیر مدنی شخصی آزادی کا شوق یونان سے، اور صنعت ایمان، جارحانہ قوم پرستی، طاقت کی تقدیس اور استعمار (شہنشاہیت) کی روح روم سے منتقل ہوئی، مسیحی تعلیمات کے بچے کچھے سرمایہ کو (جو شاید اصل سے ایکل درس کی بھی نسبت نہیں رکھتا تھا) رومی مہنت پرستی اور سینٹ پال اور قسطنطین کی منافقت نے ڈبویا اور اگر کچھ

لے مسلمانوں کی مادی کمزوری اور اسباب قوت سے غفلت کو کوتاہی کی طرف اشارہ ہے جس کی تکوینی طور پر اس عالم اسباب میں یہ سزا تھی کہ ان کو دنیا کی قیادت سے دست کش ہو جانا پڑا۔
لے مغربی اقوام لے بجلی کی روشنی میں۔

باقی رہا تو علماء مذہب کی تحریف و تاویل نے کھویا، رہبانیت کے جنون نے مادہ پرستی کے رد عمل کو پیدا کیا، ارباب کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری نے اہل مذہب کی طرف سے بے اعتمادی اور نفرت پیدا کی، حکومت و کلیسا کی کشاکش نے قومی مزاج میں برہمی اور عدم توازن پیدا کیا اور دین و سیاستیں تفریق کی مذہب عقلیت کی خونی کش کش اور اہل دین کے جھوڑا فحشی اور ارباب کلیسا کے لرزہ خیز مظالم نے برائے نام مذہب کے خلاف نسل اور بورژوازی عداوت کا بیج بویا، خام کار روشن خیالوں کی عجلت پسندی اور تعصب نے مذہب کا آخری تسبیح بھی کاٹ دیا، اور مذہب کے لیے سبے فوائد سے بھی محروم کر دیا آخر کار ساری مغربی قوموں پر مادہ پرستی کا دور آیا اور سارے مغرب پر خدا فراموشی اور اس کے طبعی نتیجے کے طور پر خود فراموشی کا عالم چھا گیا، زر پرستی مذہب بن گیا، مادیت نے استغراق نے خالص اقتصادی وحدۃ الوجود کا فلسفہ پیدا کر دیا جس کا نفور ہے لا الہ الا الخبز اور لا موجود الا البطن:

دوسری طرف زندگی کا صحیح مقصد و مشغلہ اور عالمگیر پیام نہ ہونے کی وجہ سے جابجا قوم پرستی اور وطن پرستی زندگی کا مقصد اور قومی مشغلہ بن گیا، قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے دوسری قوموں سے نفرت و خوف کے جذبات ظہور پذیر ہوئے اور ایک طرف سارے مشرق کو مغرب کے مقابل میں حریف کیمنپ سمجھا گیا، دوسری طرف اندرونی قومیت کی حد بندیوں نے سارے مغرب کو چھوٹے چھوٹے گھروندوں میں تبدیل کر دیا اور ہمسایہ اور ہمسایہ کے درمیان ایک خط کھینچ دیے جن کے باہر انسان کا تصور نہیں کیا جاسکتا، استعمار یا امپیریلزم نے ساری دنیا کو بردہ فروشی کی ایک منڈی (جہاں قوموں کا سودا ہوتا ہے) اور سلطنتوں کی رقابتوں نے دنیا کو لوہار کی بھٹی بنا دیا جہاں ہر وقت آگ کا کھیل ہے اور لوہے کو تپا کر اور پیٹ کر اپنے کام کے ہتھیار بنائے جاتے ہیں۔

اخلاقی و دینی تعلیمات سے محرومی اور صدیوں کی بے تربیتی کے ساتھ علم و صنعت تحقیق و اکتشافات کی ترقی سے قوت و اخلاق میں کوئی توازن باقی نہیں رہا، انسانوں نے

پرنڈوں کی طرح ہوا میں اڑنا اور پھیلنے کی طرح پانی میں پیرنا سیکھ لیا لیکن آدمیوں کی طرح زمین پر چلنا بھول گئے، بے قید اور بے شعور عقل و علم نے ہر رہزن اور قفل شکن کو قفل شکنی کا آلہ اور ہر بدست کو تلوار مہیا کی، سائنس نے بیسویں صدی کے شریر اور نادان بچوں کو کھیلنے کے لئے دھاردار اور خطرناک اوزار تقسیم کئے جن سے وہ اپنے کو بھی زخمی کر رہے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی بالآخر خاندان سے ہرے ٹکس نے ذرا آتی اور میڈرجن بم کی شکل میں انسان کے ہاتھ میں خود کشی کا ہتھیار دے دیا۔

ان لادینی قوموں کے عہد اقتدار میں انسان اس مذہبی حاشہ سے محروم ہونے لگا جو دوسرے انسانی حواس کے ساتھ مشرق کی ہزاروں سال کی زندگی میں لازمہ زندگی رہا ہے خدا طلبی کے عمومی ذوق کی جگہ دنیا طلبی کے بحران نے لے لی، اخلاق و معنویت اور حقیقی انسانی صفات و کمالات میں سخت انحطاط اور تنزل ہوا، غرض لوہے اور دھات کو ہر طرح ترقی ہوئی اور آدمیت کو ہر طرح زوال ہوا۔

عالمگیر جاہلیت

اس وقت کوئی ایسی طاقت و رقوم یا جماعت جو ان مغربی قوموں سے عقائد و نظریات کا اختلاف رکھتی ہو اور ان کے جاہلی فلسفہ اور مادی نظام زندگی کی مخالف ہو منظر عام پر نہیں آ سکی۔ ایسی قوم یا جماعت اس وقت نہ یورپ میں پائی جاتی ہے نہ افریقہ اور ایشیا میں یورپ کے جوس ہو یا ایشیا کے جاپانی یا ہندوستان کے باشندے سب اس جاہلی فلسفہ اور اس مادہ پرستانہ نظام حیات کے قائل و معتقد ہیں یا ہوتے جا رہے ہیں باقی وہ سیاسی اختلاف اور قوموں کی سیاسی کشمکش جو اس وقت مختلف فلسفوں یا جنگوں کی صورت میں نظر آ رہی ہے وہ محض اس بات کی کشمکش ہے کہ اس مادہ پرستی کی منزل مقصود کی طرف لے جانے کا منصب قیادت کس کے ہاتھ میں ہے؟ ایک قوم کی غیرت قومی اس کی روادار نہیں کہ دوسری قوم ایک مدت دراز سے دنیا کی قیادت پر فائز زندگی کے مسائل و فوائد سے منتفع اور دنیا کے بازاروں و منڈیوں اور نو آبادیوں پر قابض

ہے، حالانکہ وہ قوت، علم، نظام، اور صلاحیت میں اس سے کسی طرح پیچھے اور کمتر نہیں رہا یہ کہ وہ خود کسی اور منزل کی طرف بڑھنا اور دوسری قوموں کو لے جانا چاہتی ہے زمین میں اس کا انتظام قائم کرنا چاہتی ہے اور دنیا کا رخ بے دینی اور مادیت سے دین و روحانیت کی طرف، بد اخلاقی سے اخلاق کی طرف، اور نفس و شیطان پرستی سے خدا پرستی کی طرف پھیرنا چاہتی ہے تو اس غریب کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ یہ کہی اس کا ارادہ ہے

اشتراکی روس اور سرمایہ دار مغربی ممالک کا فرق

رہا اشتراکی روس جس کا نظام بظاہر موجودہ مغربی قوموں سے جدا معلوم ہوتا ہے تو وہ محض جاہلی مغربی تہذیب کا ایسا پھل ہے جو پک گیا ہے، اس میں اور دوسرے مغربی ملکوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ اس نے منافقت اور فریب کا نقاب اپنے چہرے سے ہٹا دیا ہے اور جس فلسفہ اور اخلاق و اجتماعی نظریات کو مغربی قوموں کے مفکر، مصنف، فلسفی اور ادیب اور سیاسی اصدیوں سے لکھ لے ہیں اور وہ قومیں ان کو دل سے مان رہی ہیں، اس فلسفہ اور ان اصول و نظریات کو روس نے ایک مرتبہ تجربا کر کے اپنے ملک میں نافذ کر دیا ہے اور عملاً اس کو کر کے دکھایا ہے اشتراکی رہنما اس رفتار پر قانع نہ تھے، جس رفتار سے یورپ کی قومیں محاذِ لازمہ ہیت (پہریم کی آزادی) اور ہیما نہادیت کی طرف بڑھ رہی تھیں انھوں نے تیز رفتاری کے ساتھ منزل کی طرف قدم اٹھائے اور اس منزل پر پہنچ کر اب وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اقوامِ عالم کو اس منزل پر لے آئیں جس پر وہ پہنچ چکے ہیں۔

لے خدا کا شکر اور اس کی قدرتِ مطلقہ کا ایک نمونہ ہے کہ ان سطور کے لکھنے کے چند سال بعد قیاس و توقع اور اندازوں کے بالکل برخلاف روس میں انقلاب ہو گیا، اور وہاں کی سلطانی آبادی کو بڑی حد تک مذہبی آزادی، اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت، ریح و زبارت اور اسلامی ممالک کے سفروں کی آزادی مل گئی جس کی (باقی صفحہ ۳۲۰ پر)

ایشیائی اور مشرقی قومیں

ایشیائی اور مشرقی قومیں اور سلطنتیں مختلف رفتار کے ساتھ تہذیب و سیاست کی اس منزل کی طرف گامزن ہیں جس پر وہ مغربی قوموں کو دور سے دیکھ رہی ہیں، تہذیب و اخلاق و اجتماع کے وہی اصول و نظریات اور زندگی اور کائنات کے متعلق وہی نقطہ نظر اختیار کرتی جا رہی ہیں جو ان مغربی قوموں کا شعار بن چکا ہے، ان کے افراد کی سیر مغربی اقوام کے افراد سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، ان کو مغربی اقوام غالب سے صرف اتنا اختلاف ہے کہ وہ سیاسی بیداری اور قوم پرستی کی بنا پر غیر ملکی حکومتوں کی بیاد اور تالیقی پر اب راضی نہیں اور اس کو گوارا نہیں کرتیں کہ مغربی قوموں کی بڑی بڑی سلطنتیں اور شہنشاہیاں قائم رہیں، ان غالب قوموں کے افراد اپنی سلطنتوں کے اندر دسوخ کی وجہ سے مادی فوائد اور ثمرات سے متمتع ہوں اور شوکت و عظمت اور عیش و عشرت کی زندگی گزاریں، ان مظلوم مشرقی قوموں کو خود اپنی سر زمین میں یہ فوائد حاصل نہ ہوں ان کو دراصل ان مغربی قوموں کے فلسفہ زندگی اور نظام سیاسی سے بنیادی اور اصولی اختلاف نہیں، پورے پورے قوم پرست لٹریچر میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں ملے گا، ان مشرقی اور ایشیائی قوموں کو صرف اس سے اختلاف ہے کہ یہ نظام سیاسی ان کے ملک میں غیر ملکی چلائے ہوئے ہے، وکاست یا تفصیلات و اجزائیں کچھ تغیر و ترمیم کے ساتھ ہی نظام اپنے ملک میں خود چلانا چاہتے ہیں، گویا شطرنج کی بساط نہیں الٹنا چاہتے بلکہ صرف کھیلنے والے بدلنا چاہتے ہیں، پھر ان میں سے بہت سی قوموں کی خود اپنی قدیم جاہلیت ہے جس کے ساتھ ان میں سے بہت سی قوموں نے جاہلیت فرنگ بھی اختیار کر لی ہے اور اب جب کہ بھی ان کو اقتدار حاصل ہوگا

اباۃ ۳۱۹ (کا) چند سال پہلے چین گئی کرنی بھی مشکل تھی بِقَلْبِ اللَّهِ الْبَلْبِ وَالْهَارِ، اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ“ اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو قائم رکھے اور بڑھائے۔

وہ ان دونوں جاہلیتوں کے بہترین عناصر و اجزا برائے کار لائیں گے۔

مسلمان جاہلیت کا حلیف

طرز تشابہ ہے کہ جاہلیت کا قدیم نسلی حریف (مسلمان) بھی اس زمانہ میں دنیا کے بہت سے گوشوں میں جاہلیت کا حلیف بن گیا ہے اس کو اس نے اپنی دوستی اور وفاداری کا اطمینان لایا ہے اور دنیا کے بعض حصوں میں اس نے ان مغربی جاہلی قوموں کے لئے رضا کارانہ خدمات انجام دی ہیں جاہلیت کی اس سے بڑھ کر کیا کامیابی ہو سکتی ہے کہ بعض مسلمان قومیں اور سلطنتیں اور بعض مسلمان جماعتیں ان قوموں اور سلطنتوں کو اپنا حامی و سرپرست اور حق و انصاف کا علمبردار سمجھنے لگی ہیں جو اس زمانہ میں جاہلی تحریک کی علمبردار ہیں اور جنہوں نے جاہلیت کے تیرہ مہم میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ہے عام مسلمان دنیا کی قیادت کا خیال ہی چھوڑ چکے ہیں اور اسلامی جیش کے قائم رہنے کے بجائے جاہلیت کے گرد کاررواں بننے پر قائل ہیں اور اس پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔

افراد میں جاہلی مغربی اخلاق اس طرح سرایت کرتے جا رہے ہیں جس طرح درختوں کے رگ و نشہ میں پانی اور تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے، اسلامی ممالک میں مغربی مادیت اپنی پوری شان کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے خواہشاتِ نفس کی اندھا دھند پیروی زندگی کی نہ سمجھنے والی پیاس اور نہ مٹنے والی بھوک اس قوم میں بھی پیدا ہوتی جا رہی ہے جس کے نزدیک آخرت کی زندگی اہل زندگی ہے مغربی علوم اور تہذیب کے اثر سے آخرت کا خیال روز بروز کمزور ہو جاتا جا رہا ہے اور دنیا کی اہمیت اور کشش بڑھتی جا رہی ہے اعزاز و فخر و جاہ کے حصول میں اور سر بلندی اور سرفرازی کی کوشش میں بلند حوصلہ اور ترقی پسند مسلمان یورپ کے ترقی یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر ہے اصول و اخلاق پر فوائد اور مصلحتوں کو ترجیح دینے کا مرض پھیل گیا ہے مادی قوموں کی تقلید میں ظاہر و باطنی فحاشی اور کھلے مظاہر کی گرویدگی بڑھ گئی ہے انسانوں کی بندگی قوت اور دولت کے سامنے سرفرازی کی

اور شاہ پرستی میں کہیں کہیں یہ موجد اور بجا ہدایت مُشرک اور غلام طینت قوموں سے زیادہ ممتاز نظر نہیں آتی۔

امیت کی شعاع

یہ سب کچھ ہے مگر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہی امیت کی شعاع نظر آتی ہے، دوسری قومیں آسمانی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیم و حکمت کے سرمایہ کو کھیر کھوچکی ہیں اور صدیوں پہلے ان کے سفینوں و ران کے سینوں میں یہ روشنی گل ہو چکی ہے، ماضی و حال کو مربوط رکھنے والے رشتہ کے ایک تاریک زمانہ کا تہ کاٹ چکا ہے، ان قوموں کی مذہبی اصلاح کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ان میں دینی تجدید و احیاء کی دعوت کوئی وسیع انقلاب برپا نہیں کر سکتی اور کوئی بڑی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی، گو سالہ کے اس نین مردہ میں کوئی سامری، مذہبی اور اخلاقی زندگی کی نئی روح نہیں پھونک سکا، مادہ پرستی، دولت و قوت پرستی پورے طور پر ان پر حاوی ہو چکی ہے، جاہلیت کے قطع کئے ہوئے لباس یکے بعد دیگرے ان کے جسم پر چسپت ہو سکتے ہیں مگر دین کا لباس ان کے قامت پر راست نہیں آتا، جاہلیت کے بالکل مخالف اور متوازی نظام دین و اخلاق و معاشرت و اجتماع و سیاست کو ان کا صدیوں کا بنا ہوا داعی سانچہ اب قبول نہیں کرتا۔

اس کے برخلاف مسلمانوں کا دینی سرمایہ اور آسمانی ہدایت و حکمت کا جستم محفوظ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام کی زندگی جس میں پوری اُمت کی تخلیق کی قوت ہے ان کے پاس موجود ہے، پھر اصحاب تجدید کا ایک غیر منقطع سلسلہ اور اصلاح و انقلاب کی دینی دعوت کا ایسا تسلسل ہے جس نے اسلام کو کسی دوویں بھی جاہلیت میں گم ہو جانے کا موقع نہیں دیا، جاہلیت کا خالص مادہ نظام اسلام کا ذہن (جب تک کہ اس کا سانچہ توڑ کر

از سر نو بنایا جائے) پورے طور پر ہم نہیں کر سکتا اور مسلمان جاہلیت کی تیزی میں اس طرح فٹ نہیں ہو سکتا جس طرح ایک ڈھلاؤ ڈھلایا پرزہ فٹ ہو جاتا ہے۔

دین الہی کا علمبردار اور دنیا کا محتسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں فرمایا تھا:-

اَللّٰهُمَّ اِنَّ تَهْلِكُ هَذِهِ الْعَصَاةُ لَئِيَّا اَنْتَ اَنْتَ اَوْ اَسْ جَاعَتْ كَوْهَلَاكُ كَرْنِيَّ كَا
لَا تَقْبَلُ۔
تو پھر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔

مسلمانوں کے سارے نقائص کے باوجود یہ حقیقت اب بھی اسی طرح باقی ہے، جاہلیت دنیا کے لئے جو نقشہ رکھتی ہے اور جس نقشہ پر وہ آج دنیا کو چلا رہی ہے اس کے خلاف اگر کوئی نقشہ ہے تو صرف مسلمانوں کے پاس ہے اگرچہ مسلمان خود اس کو بھولے ہوئے ہیں لیکن نقشہ ابھی خالص نہیں ہوا اور نہ کبھی ضائع ہو سکتا ہے، مسلمان اپنے دین کے رُوسے دنیا کے محتسب اور خدائی فوجدار ہیں جس دن وہ بیدار ہوں گے اور اپنا فرض منصبی انجام دیں گے وہ مشرق اور مغرب کی قوموں کے لئے روزِ حساب ہوگا، انھیں کے خاکستر میں وہ چنگاری دہلی ہوئی ہے جو کسی نہ کسی دن بھڑک کر جاہلیت کے خرمن کو جلا کر خاک کر دے گی۔

علامہ اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو نظامِ جاہلی کے علمبردار و صد نشین ابلیس کی زبان سے ادا کروایا ہے ۱۹۳۶ء کی مجلسِ شوریٰ میں شیاطینِ عالم نے جمع ہو کر ان خطرات کو پیش کیا جو ابلیسی نظام کے لئے سخت تشویش اور پریشانی کا باعث ہیں اور جن کی طرف جلد متوجہ ہونے کی ضرورت ہے ایک شیر نے جمہوریت کا نام لیا، اور اس کو جہانِ نو کا تازہ فتنہ "بتلایا، دوسرے نے اشتراکیت سے سخت خطرہ ظاہر کیا اور ابلیس کو مخاطب کر کے کہا ہے

فتنہ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و بز بونے کو ہے جس جہاں کلبے فقط تیری سیادت پر مدار
صدر مجلس (ابلیس) نے اپنے مشیروں کو ان فتنوں سے اطمینان دلایا اور اپنی گہری او
اندر دنی واقفیت کی بنا پر ان کی اصل حقیقت بیان کی جو ان کی ظاہر میں نگاہ سے پوشیدہ
رہ گئی تھی اور ان فتنوں کا ٹوٹ بتایا جس کا اس نے پہلے سے انتظام کر لیا تھا۔

آخر میں اس نے اپنے نقطہ نظر سے اصل خطرہ کا ذکر کیا جس کے لئے اگرچہ اس نے انتظامات
سوچ لئے ہیں مگر مستقبل کی خطرناکی سے اس کے جسم پر زہ طاری اور راتوں کی غینہ چرا ہے وہ کہتا ہے
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے جس کی خاکستریں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ کرتے ہیں اشک کھراکھی سے جو ظالم و ضو
جانتا ہے جس پر روشن باطن لایم ہے مزدکیٹ فتنہ فردا نہیں اسلام ہے
جانتا ہوں میں یہ امت حالی قرآن نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری راتیں بے یل و مضلے پیرانِ حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن یہ خون ہونے جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
اخذ را ئین پیغمبر سے سوار اخذ حافظ ناموس زن مرد آزار دافریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے نے کوئی نفور و خافان نے فقیر و نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف منعموں کو مال و دولت کا بنانا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب بادشاہوں کی نہیں! الشری ہے یہ زمیں
چشم عالم سے ہے پوشیدہ آئینِ خوب غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقین

لہ اشتراکیت

جیسی بہتر الیات میں اُبھار ہے یہ کتاب الشریک تا ویلات نہ اُبھارے
وہ اپنے مشیروں کو مشورہ دیتا ہے ۵

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شمش جہاں
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سبب ہرے ہوں تا
خیر اسی میں ہے قیامت تک ہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہاں بے ثبات
ہے وہی شعرو تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو پھپھکے اس کی آنکھوں کو تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوا ہلاکت کی بیدار گئی میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کا نشانہ

عالم اسلامی کا پیغام

عالم اسلام کے پاس اب بھی دنیا کے لئے نیا پیغام اور زندگی کی نئی دعوت ہے یہ وہی پیغام
ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ تیرہ سو برس پہلے اس کے حوالہ کیا تھا یہ ایک بڑا طاقتور
واضح اور روشن پیغام ہے جس سے زیادہ منہذا نہ بلند و برتر اور مبارک پیغام اس پورے عرصہ میں
دنیا نے کسی کی زبان سے نہیں سنا۔

یہ عین وہی پیغام ہے جس کو سن کر مسلمان مدینہ طیبہ سے نکلے اور تمام دنیا میں پھیل گئے اور
جس کو ایک مسلمان سفیر نے شاہ ایران کے اس سوال پر کہ تم ہمارے ملک کیسے آئے بغض نفطوں میں
اس طرح بیان کیا تھا: اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہم اس کی مشیت کے لوگوں کو بندوں کی بندگی
سے نکال کر اس وحدہ لا شریک کی بندگی میں دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت میں اور مذابح کے ظلم
و نا انصافی سے اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کر لیں پیغام میرا آج بھی ایک حرفت کی کوشش
کی ضرورت نہیں آج کی بیسویں صدی کی دنیا کے لئے بھی وہ ایسا ہی نیا اور تازہ اور نارسا حال

ہے، جیسا چھٹی صدی مسیحی دنیا کے لئے تھا۔

آج بھی لوگ ترائیدہ اور ناترائیدہ بتوں کے سامنے سرسجود ہیں آج بھی اللہ واحد کی بندگی اجنبی و مانوس ہو رہی ہے، آج بھی غیر اللہ کی عبادت و طاقت کا بازار گرم ہے آج بھی خواہشاتِ نفس کا بت برسرِ راہ چڑ رہا ہے آج بھی اجار و مہربان (عالم درویش) کو مکمل سلطان صاحبِ طاقت اور اہلِ دولت، زعماء و قائدین سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈر آڈیٹر مین ڈون آکٹیبے ہوئے ہیں جن کے لئے ویسے ہی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں اور ان کے آستانوں پر اسی طرح سے ناصیہ فرسائی ہو رہی ہے جیسے مغربِ باطل کے سامنے ہوتی تھی۔

آج عالمِ انسانیت اپنی وسعت و وسائلِ سفر کی فراوانی نقل و حرکت کی آسانی اور اقوام و ممالک کے قربِ اتصال کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ تنگ ہے اس وقت کا مادہ پرست انسان اس دنیا میں کسی دوسرے کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا، اور اپنے فوائد و خواہشاتِ نفس اور خود پرستی کے سوا اس کو کسی چیز سے بچپی نہیں خود غرضی نے اس کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کسی لمبے جوڑے ملک میں دو آدمی بھی زندہ رہ سکیں تنگ نظر وطن پرستی ہر ایسے انسان کو جو اس کے وطن کے باہر پیدا ہو جانے کا قصور وار ہے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اس کے ہر کمال کی منکر ہے اور اس کو ہر حق سے محروم کرتی ہے۔

پھر اس زندگی کی رہی سہی وسعت کو ان اہلِ سیاست و حکومت نے اور تنگ کر دیا ہے جو زندگی، وسائلِ معیشت اور خوراک کے سرچشموں اور ذخیروں پر قابض ہیں وہ جس کے لئے چاہتے ہیں اس زندگی کو تنگ کر دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں وسیع کر دیتے ہیں بڑے بڑے وسیع نہر اور شاداب زرخیز ملک لوگوں کے لئے بے فیض ہو گئے ہیں قوموں کی قومیں اور پوری پوری آبادیاں نابالغ بچوں اور نا سمجھ ٹیمپوں کی طرح دوسروں کی اتالیقی اور تولیت میں زندگی گزار رہی ہیں،

انسان کا انسان پر اعتماد نہیں رہا، ہر ایک دوسرے کو بدگمانی اور شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنا حریف سمجھتا ہے، قرآن مجید کے مین اور مہجرانہ الفاظ کے مطابق زمین اپنی تمام وستوں کے باوجود تنگ ہو گئی ہے اور طغیانی اندر ہی اندر جھنجھکی مٹی میں تمدن اور حکومت کی نئی نئی بیڑیاں اور غلامی کے طوق لوگوں پر پڑتے جا رہے ہیں، ہر وقت ٹیکسوں اور نئے نئے محاصل کی بھربھارے مصنوعی ٹخموں کا خطرہ ہے، بیرونی اور اندرونی جنگیں سروں پر نڈھال رہی ہیں، فسادات، اسٹراٹجیاں اور ہڑتال زندگی کا لازمی بن گئے ہیں۔

بے شک آج بھی مذاہب کی نا انصافی سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف لانے کی ضرورت ہے اس روشن خیال اور ترقی یافتہ زمانہ میں بھی ایسے مذاہب پائے جاتے ہیں جو کج عقائد و تعلیمات مضحکہ خیز ہیں جو اپنے پیروں کو بے عقل اور بے شعور جانوروں کی طرح قابو میں رکھتے ہیں اور ان کو اپنے عقل و تفکر سے کام لینے کی اجازت نہیں دیتے پھر کچھ مذاہب نظام ایسے ہیں جو مذہب کہلانے کے روادار تو نہیں لیکن اپنے تسلط و اقتدار میں اپنی غیر محدود طاقت و حکومت میں اور اپنے پیروں کی اندھی تقلید اور جوش عقیدت میں قدیم مذاہب سے کسی طرح کم نہیں ہیں یہ وہ سیاسی نظام اور اقتصادی نظریات ہیں جن پر آج لوگ اسی طرح سے ایمان لائے ہیں، جیسے پہلے مذاہب وادیان پر ایمان لاتے تھے یہ اس عصر کی قوم پرستی، وطن پرستی، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتمالیت وغیرہ ہے یہ نئے مذاہب اپنی نارواداری تنگ نظری اور بے رحمی میں قدیم جاہلی ادیان و مذاہب سے بھی بڑھے ہوئے ہیں کسی سیاسی عقیدہ یا معاشی نظریہ سے اختلاف کی سزا آج اس سے کہیں زیادہ سخت ہے جتنی زمانہ سابق میں کسی مذہب یا عقیدہ سے اختلاف کی تھی آج جب کسی پارٹی یا اصول کا اقتدار قائم ہوتا ہے تو مخالف جماعت کو زندگی کا حق بھی نہیں دیا جاتا اور اس کو اپنے اختلاف کی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے اس زمانہ کی

ڈوہڑی جنگیں کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر یا کسی مذہبی گروہ کی تحریک سے نہیں ہوئیں بلکہ محض سیاسی اغراض کے تصادم اور قومی خود غرضیوں کی بنا پر ہوئیں اسپین، چین کی خانہ جنگیاں CIVIL WARS جن کے سامنے چھٹی صدی مسیحی کی عیسوی دنیا کی مذہبی خانہ جنگی اور قرونِ وسطیٰ کی کلیسا اور علم و فن کی کش مکش بھی گرد ہے کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہ تھیں بلکہ محض ایک سیاسی اصول کے اختلاف اور اقتدار پسند گروہوں کی کش مکش تھی۔

آج بھی عالمِ اسلامی کا پیغامِ خدا نے واحد کی عبادت اور اطاعتِ مطلق اللہ کے پیغمبروں کی رسالت، بالخصوص آخری اور سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ (صلعم) کی رسالت اور آخرت کے عقیدہ پر ایمان لانے کی دعوت ہے اس دعوت کو قبول کرنے کا انعام اور صلہ یہ ہوگا کہ یہ عالم تو برتو تار کیوں سے نکل کر جن میں وہ صدیوں سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے روشنی کی طرف آجائے گا، اپنے جیسے انسانوں کی بندگی سے وہ نجات پا کر خدائے واحد کی بندگی کی نعمت پائے گا، زندگی کے اس جلی خانہ سے نجات پا کر جس میں وہ صدیوں سے محبوس ہے، زندگی کے کھلے میدان اور دنیا کی آزاد فضا میں قدم رکھے گا، اعتقادی اور سیاسی مذاہب کی جکڑ بند یوں سے رہائی پا کر وہ دینِ فطرت اور شریعتِ الہی کے سایہِ عدل میں جگہ پائے گا۔

اس پیغام کی ضرورت و اہمیت کی اس بلندی و برتری جیسی اس زمانہ میں واضح ہوئی ہے اور جیسا آج اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے ویسا کبھی نہیں ہوا تھا، آج جاہلیتِ سر بازار رُسوا ہو چکی ہے اس کے چھپے ڈھکے عیب کھل گئے ہیں لوگ زندگی سے عاجز ہیں اور اس وقت کے ناخداؤں سے مایوس ہیں، دنیا کی قیادت میں اصولی تبدیلی کا یہ خاص وقت ہے اس وقت تک دنیا کی قیادت میں جو کچھ تبدیلیاں ہوئیں وہ اس سے زائد نہیں

کہ جب کشتی کا ملاح کشتی کھیلتے کھیلتے ٹھک جاتا ہے تو وہ کشتی کا پتووار ایک ہاتھ سے دوسرے میں لے لیتا ہے، جب وہ ہاتھ بھی ٹھک جاتا ہے تو پھر پتووار بدل لیتا ہے، برطانیہ سے امریکہ یا امریکا سے روس کی طرف عالمگیر رہنمائی یا بین الاقوامی اثر و اقتدار کی تبدیلی کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہیں کہ ملاح نے کشتی کا پتووار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لے لیا، یہ ناخدا کی تبدیلی یا اصول جہاز رانی کی تبدیلی یا سمت سفر کی تبدیلی نہیں بلکہ صرف دائیں بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

انسانیت کی شکل کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ عالمگیر قیادت اور زندگی کی جہاز رانی ان مجرم اور انسانیت کے خون سے رنگین ہاتھوں سے نکل کر جنھوں نے انسانیت کے قافلہ کو غرق کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے ان امانت دار فرض شناس، خدا ترس، تجربہ کار ہاتھوں کی طرف منتقل ہو جو انسانیت کی جہاز رانی کے لئے روز ازل سے بنائے گئے ہیں، نتیجہ خیز اور کارآمد انقلاب صرف یہ ہے کہ دنیا کی رہنمائی اور انسانیت کی سربراہی جاہلیت کے کیمپ جس میں برطانیہ، امریکہ، روس اور ان کی حاشیہ بردار مشرقی اور ایشیائی قومیں ہیں اور جس کی زمام قیادت مشرفین اور اکابر مجرمین کے ہاتھوں میں ہے منتقل ہو کر اس امت کے ہاتھ میں آجائے، جس کی قیادت انسانیت کے معمار اعظم رحمت عالم پیداوار آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے اور جو اس دنیا کی تعمیر نو اور انسانیت کی نشأت ثانیہ کے لئے محکم اور واضح اصول و تعلیمات رکھتی ہے اور جس کا ایمان دنیا کو اس وقت کی جاہلیت سے اسی طرح نکال سکتا ہے جس طرح اس نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے نکالا تھا۔

نیا ایمان

لیکن اس کا عظیم کے لئے عالم اسلام کو خود تیاری اور اپنے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی اس کے لئے پہلی تیاری یہ ہے کہ عالم اسلام، اسلام پر نیا اور تازہ ایمان لائے عالم اسلام کو نئے دین، نئے پیغمبر، نئی شریعت اور نئی تعلیم کی قطعاً ضرورت نہیں، اسلام آفتاب کی طرح نہ کبھی پرانا تھا نہ اب پرانا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی اور آخری نبوت ہے آپ کا دین محفوظ ہے، اور آپ کی تعلیمات زندہ لیکن عالم اسلام کو بلاشبہ نئے ایمان کی ضرورت ہے، نئے فتنوں، نئی طاقتوں، نئی ترغیبات، نئی دعوؤں کا مقابلہ کمزور ایمان، اور مجرّد رسوم و عادات سے نہیں کیا جاسکتا، کوئی بوسیدہ عمارت کسی نئے طوفان اور کسی نئے سیلاب کو برداشت نہیں کر سکتی، پھر داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنی دعوت پر غیر متزلزل یقین ہو اس میں ایک ایسے انسان کا جوش ہو جو کسی نئے عقیدہ پر نیا ایمان لایا ہے ایک ایسے انسان کا سرور اور سرخوشی ہو جس نے کوئی نیا خزانہ پایا ہو یا نیا نیک دریافت کیا ہو، عالم اسلام اگر دنیا کے انسانیت میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے اور دنیا کی موجودہ مادہ پرستی اور شک و اضطراب پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے اندر نئی ایمانی روح، تازہ یقین اور نیا جوش و خروش پیدا کرنا ہوگا۔

معنوی تیاری

عالم اسلامی کو اس مقدس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے معنوی تیاری اور اندرونی

تبدیلی کی بھی ضرورت ہوگی، ظاہر ہے کہ عالم اسلام خدا ناشناس یورپ کا مقابلہ تمدن و تہذیب کے کھوکھلے مظاہر مغربی زبانوں کی مہارت اور زندگی کے اس رنگ ڈھنگ کے اختیار کر لینے سے نہیں کر سکتا جس کو قوموں کی ترقی میں کوئی دخل نہیں، وہ اپنا پیغام اس روح اور معنوی طاقت کی مدد ہی سے پہنچا سکتا ہے جس میں یورپ روز بروز دیوالیہ ہوتا جا رہا ہے، عالم اسلام اپنے تہ مقابل پر صرف اسی صورت میں غلبہ حاصل کر سکتا ہے کہ وہ اپنے حریف سے ایمان میں فائق ہو، زندگی کی محبت اس کے دل سے نکل چکی ہو، خواہشات نفسانی کے بند سے آزاد ہو چکا ہو، اس کے افراد شہادت کے حریفوں جنت کا شوق ان کے دل میں چکیاں لیتا ہو، دنیا کا فانی مال و متاع ان کی نگاہ میں وقعت نہ رکھتا ہو، اللہ کے راستے کی تکلیفیں اور مصیبتیں وہ سنسی خوشی برداشت کرتے ہوں، درحقیقت ایک خدا ناشناس منکر آخرت کے مقابلہ میں مومن کا یہی امتیاز ہے، اور اسی بنا پر اس سے یہ توقع کی گئی ہے کہ اس میں برداشت کی طاقت زیادہ ہوگی، قرآن مجید میں ہے:-

وَلَا تَقْنُتُوا إِنِّي بَعْتُغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنَّ
تَكُونُوا تَأْمَنُونَ فَإِنَّهُمْ يَكْمُلُونَ
لَكُمْ تَأْمَنُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ
مَا لَا يَرْجُونَ -
اور مخالف قوم کے نقاب میں ہمت نہ ہارو، اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو ان کو بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تم کو پہنچتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز دے مالا یَرْجُونَ۔
(النساء - ۱۰۴) کی امید رکھتے ہو جن کی وہ امید نہیں رکھتے۔

واقعہ یہ ہے کہ مومن کی طاقت اور اس کے فتح و غلبہ کا راز یہ ہے کہ اس کو آخرت کا یقین اور اللہ کے اجر و ثواب کی امید ہوتی ہے، اگر عالم اسلامی کے سامنے بھی تمام تر فہمی دنیاوی مقاصد اور مادی منافع ہیں، اور وہ بھی محض محسوسات و مادیات کے ظلم میں

گرفتار ہے تو یورپ کو اپنی مادی طاقت صدیوں کی تیاری اور وسیع ساز و سامان کی بنا پر غلبہ اور اقتدار کا زیادہ حق ہے۔

عالم اسلام پر ایک طویل دور ایسا گزرا ہے کہ اس کو معنوی طاقت کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا، اور نہ اس کو اس کی حفاظت کی فکر تھی، نہ وہ اس کو غذا پہنچانے کی طرف متوجہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سوتے خشک ہوتے چلے گئے، اور تیزی سے اس میں انحطاط واقع ہوا اسی عرصہ میں عالم اسلامی کو مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں ایسے معرکے پیش آئے جن میں اس کو ایمان یقین، صبر و تحمل اور ثبات و استقامت کی ضرورت بشتت محسوس ہوئی اور جوان صفات کے بغیر جیتے نہیں جاسکتے تھے، جب اسلامی طاقتوں کو دھکا لگا اور انھوں نے اس معنوی طاقت کا سہارا لینا چاہا جس کی جگہ مسلمانوں کے دل تھے تو ان کو اچانک یہ معلوم ہوا کہ یہ طاقت عرصہ ہوا گم ہو چکی ہے اور دل کی انگلیٹھیاں سر ہر ہو چکی ہیں اس وقت عالم اسلامی کو یہ محسوس ہوا کہ اس نے اس روحانی طاقت کی ناقدری کر کے اور اس سے غفلت برت کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے اس وقت اُس نے اپنے ذخیرہ کا جائزہ لیا تو اس کو کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس خلا کو پُر کر سکے اور اس نقصان کی تلافی کر سکے۔

اسی عرصہ میں عالم اسلامی کو ایسے معرکے بھی پیش آئے جن میں اسلام کی عزت و حرمت کا سوال تھا اُس کو خیال تھا کہ تمام عالم کے مسلمانوں میں قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ اسلام کی طرف سے مدافعت، مقامات مقدسہ کی حفاظت اور دینی جوش و حمیت میں از خود درفتہ ہو جائیں گے اور تمام اسلامی ممالک میں آگ سی لگ جائے گی، لیکن عالم اسلام پر ان واقعات کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا، زندگی کے کام بدلتورہوتے رہے کہیں کہیں

کچھ آواز بلند ہوئی اور خاموش ہو گئی، اور پھر دنیا اپنے کام میں لگ گئی، اس وقت عالم اسلام کے مفکرین اور اہل نظر کو معلوم ہوا کہ دینی حمیت اور اسلامی احساس کمزور پڑ چکا ہے، اور ایمان کا شعلہ اگر پورے طور پر بجھا نہیں تو بہت دب گیا ہے اس وقت دوسروں کو بھی عالم اسلام کی یہ کمزوری معلوم ہوئی اور اندرونی انحطاط اور انحلال کا احساس ہوا، اور اس کا وہ عجب جاتا رہا جو اس کی مجاہدانہ تاریخ پڑھ پڑھ کے دل و دماغ پر پڑتا ہے۔

آج عالم اسلامی کے قائدین و مفکرین اور اس کی جماعتوں اور حکومتوں کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا تخم دوبارہ بونے کی کوشش کریں، جذبہ دینی کو پھر متحرک کریں، اور پہلی اسلامی دعوت کے اصول و طریق کار کے مطابق مسلمانوں کو ایمان کی دعوت دیں اور اللہ و رسول اور آخرت کے عقیدہ کی پوری طاقت کے ساتھ دوبارہ تبلیغ و تلقین کریں، اس کے لئے وہ سب طریقے استعمال کریں، جو اسلام کے ابتدائی داعیوں نے اختیار کئے تھے، نیز وہ تمام وسائل اور طاقتیں کام میں لائیں جو عصر جدید نے پیدا کر دی ہیں۔

قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اب بھی زندگی اور طاقت کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے عالم اسلام کی خشک رگوں میں زندگی کا گرم اور تازہ خون پھر دوڑ سکتا ہے، ان کے مطالعہ اور اثر سے اس جاہلی دنیا کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھرتا ہے، اور ان کی تاثیر سے ایک نگھتی سوتی قوم ایک پرجوش بے چین اور سرگرم عمل قوم بن جاتی ہے، ان کے اثر سے (اگر ان کو اثر کرنے کا موقع دیا جائے) پھر ایک بار ایمان اور نفاق، یقین اور شک، وقتی فوائد اور مستحکم عقائد، موقع پرست ذہنیت

اور حق پرست ضمیر عقل مصلحت میں اور عرش مصلحت سوز کے درمیان پھر معرکہ کارزار گرم ہوتا ہے، پھر جہانی راحت اور قلب کے سکون تن آسانی کی زندگی اور شہادت کی موت کے درمیان کش مکش پیدا ہوتی ہے، وہ مبارک کش مکش جو ہر مغیر نے اپنے اپنے وقت میں پیدا کی تھی، اور جس کے بغیر حق و باطل کا فیصلہ اور اس دنیا کی اصلاح و انقلاب کا کوئی کام نہیں ہو سکتا، اس وقت عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ اور مسلمانوں کے ایک ایک گھر اور ایک ایک خاندان میں ایسے صاحب ایمان نوجوان پیدا ہوں گے جن کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے :-

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُۢ بِرَبِّهِمْ	وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر
وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَرَبَطْنَا عَلٰی	ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہر بات
قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا	میں اور ترستی کر دی تھی اور ہم نے ان کے
رَبَّنَا رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	دل مضبوط کر دیے جب کہ وہ (دین میں)
لَنْ نَذْغُوْا مِنْ دُوْنِهَا اِلٰهًا	پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے
لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطًا ۝	جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کے
(الکہف ۱۳-۱۴)	پھونک کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے

کیونکہ اس صورت میں ہم نے یقیناً بڑی ہی بیجا بات کہی۔

اس وقت پھر دنیا میں ایک بار بلال و عمار، خباب و خبیب، صہیب و مصعب بن عمر، عثمان بن مظعون اور انس بن النضر کے جوش ایمانی اور ایثار و قربانی کے نمونے نگاہوں کے سامنے آئیں گے، جنت کی ہوائیں اور قرن اول کے ایمانی جھونکے دوبارہ جلجلیں

اور ایک نیا عالم اسلام ظہور میں آئے گا جس سے موجودہ عالم اسلام کو کوئی نسبت نہیں۔
موجودہ عالم اسلام کی بیماری، پریشانی اور بے اطمینانی نہیں ہے، بلکہ حد سے
بڑھا ہوا اطمینان و سکون، دنیا کی زندگی پر قناعت اور حالات کے مصاحبت ہے، آج
دنیا کا عالمگیر فساد اور انسانیت کا زوال اور ماحول کی خرابی اس کے اندر کوئی بے حسنی
نہیں پیدا کرتی، اس کو زندگی کے اس نقشہ میں کوئی چیز غلط اور بے محل نظر نہیں لگتی اس کی
نظر اپنے ذاتی مسائل اور مادی فوائد سے آگے نہیں بڑھتی، اس کی موجودہ افسردگی اور
مرہ دلی کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کا پہلو خلش سے اور اس کا دل تپش سے خالی ہے۔

طبیع عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا

نرا مرض ہے فقط آرزو کی بے نمشی

اس لئے ضرورت ہے کہ یہ مبارک کش کش پھر پیدا کی جائے اور اس امت کا سکون
برہم کیا جائے اس کو اپنی ذات اور اپنے مسائل کی فکر کے بجائے (جو جاہلی قوموں کا شعار
ہے) انسانیت کا درد و غم، ہدایت و رحمت کی فکر اور آخرت اور بحسابہ الہی کا خطرہ
پیدا ہو اس امت کی خیر خواہی اس میں نہیں ہے کہ اس کے لئے سکون اطمینان کی دعا
کی جائے بلکہ اس میں ہے کہ اس کے لئے درد و اضطراب کی دعا کی جائے اور بر ملا کہا جائے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آتشا کر دے

کہ تیرے بچر کی موجوں میں اضطراب نہیں

شعور کی تربیت

کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو،

ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو اور دینی و دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک و بد کی تمیز نہ ہو وہ اپنے دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو، پچھلے تجربوں کے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت نہ ہو، اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قومی مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرأت نہ ہو وہ خود غرض رہنماؤں کی چرب زبانی و شیریں کلامی سے سحر ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ نیا دھوکا کھانے کے لئے تیار رہتی ہو وہ قوم اپنی تمام دینی ترقیات اور دنیاوی سرفرازیوں کے ساتھ قابل اعتماد نہیں وہ پیشہ و راہ خود غرض رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلونا بن جاتی ہے ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بنا پر بن مانی کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔

مسلم ممالک کے متعلق اگر ہم یہ کہنے سے احتیاط کریں کہ وہ بیداری اور شعور سے بالکل محروم ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کا شعور بہت کمزور ہے اور وہ بیداری کی ابتدائی منزل میں ہیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خیر خواہ اور بدخواہ کے ساتھ ان کا معاملہ تقریباً یکساں ہے بلکہ بعض اوقات بدخواہ اور غیر مخلص شخص مسلمانوں میں زیادہ ہرول عزیز اور متدین جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مومن سانپ کے ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا لیکن مسلمان ممالک کے باشندے ہزار ہزار بار ڈسے جانے کے لئے تیار رہتے ہیں ان کا حافظہ نہایت کمزور ہے وہ اپنے قائدین اور رہنماؤں کے ماضی کو اور ماضی قریب کے واقعات کو فوراً بھول جاتے ہیں ان کا دینی اور شہری شعور کمزور اور سیاسی شعور تقریباً ناپید ہے یہی وجہ ہے کہ وہ غالب قوتوں اور خود غرض رہنماؤں کا بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں اور آسانی کے ساتھ ان کا رخ ہر طرف موڑا جاسکتا ہے حکومتیں ان کی مرضی کے خلاف فیصلے

کرتی رہتی ہیں اور جس طرف چاہتی ہیں، ایک لاکھٹی سے ہانک لے جاتی ہیں۔

مغربی قومیں اپنے روحانی اور اخلاقی افلاس اور ان تمام خرابیوں کے باوجود جن کی تشریح ہم نے اس کتاب میں کی ہے شہری اور سیاسی شعور کی مالک ہیں، وہ سیاسی بلوغت کو پہنچ چکی ہیں، وہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتی ہیں، وہ مخلص و منافق، اہل و نااہل کے فرق کو جانتی ہیں، وہ اپنی قیادت ایسوں کے سپرد نہیں کرتیں جو نااہل ضعیف اور خائن ہیں، وہ جب اپنے مسائل کسی کے سپرد کرتی ہیں تو ڈرتے ہوئے اور احتیاط کے ساتھ اور جس مرحلہ پر بھی ان کی نااہلی یا خیا کا اظہار ہوتا ہے اور وہ یہ دیکھتی ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے اور ان کا کام ختم ہو گیا تو ان کو وہ اپنے منصب سے سبکدوش کر دیتی ہیں، اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آتی ہیں جو ان سے زیادہ اہلیت کے مالک اور موقع کے مناسب ہوتے ہیں، اس موقع پر کسی رہنمایا معتد کی سابقہ خدمات، شاندار ماضی اور کسی محرک میں نمایاں کامیابی اس قومی فیصلہ میں حائل نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں سیاسی پیشہوروں اور نااہل اور خائن رہنماؤں سے محفوظ ہیں، ان کے سیاسی رہنما اور ان کے نمائندے بھی محتاط اور امانت دار بننے پر مجبور ہیں، وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں، قوم کی سرزنش عوام کے عتاب و احتساب اور رائے عامہ کی قہرناکی سے وہ لرزہ بر اندام رہتے ہیں۔

عالم اسلام کی ایک بہت بڑی ضرورت اور اس کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے اور جمہور کی عقلی مدنی اور سیاسی تربیت کی جائے، یاد رہے کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ اشخاص کی کثرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں شعور بھی موجود ہے اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عموم اور علوم کی اشاعت سے شعور کے بیدار کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن شعور پیدا کرنے کے لئے بہر حال مستقل

جدوجہد کی ضرورت ہے، مسلمان رہنماؤں اور مسلمانوں میں اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جس قوم میں غدر کی کمی ہے وہ قوم اعتماد کے لائق نہیں، خواہ اس کو اپنے قائدین پر کتنا ہی اعتماد دہوا وروہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کسی ہی جہتی اور سرگرمی دکھائے اور ان کی دعوت پر کتنی ہی عظیم قربانیاں پیش کرے اس لئے کہ جب تک اس کا شعور تیار نہیں اور وہ بالکل نظر اور بختہ خیال نہیں ہوئی ہر آن اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور تحریک کا آلہ کار بن جائے گی اور ان کی آن میں سالہا سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا جس قوم کا شعور بیدار نہیں ہوا اور جس میں خود سوچنے اور اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پڑمیران میں پڑا ہو اور مختلف سمت کی ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہوں۔

اسلام اگرچہ ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کی بنیاد وحی و نبوت پر ہے لیکن اس نے بھی اپنے پیروؤں میں ایک خاص شعور پیدا کیا جو شعور کی تمام اقسام میں زیادہ مکمل زیادہ وسیع اور کہیں زیادہ گہرا ہے اس نے اپنے ماننے والوں میں ایک خاص قسم کا طریق فکر پیدا کیا جو جاہلی طریق فکر سے بالکل مختلف ہے اس نے اپنے ماننے والوں کو ایک بیدار اور خود ارشور عطا کیا جو اپنی وسعت اور قدرتی بچک کے باوجود ان افکار و نظریات کو انگیز نہیں کر سکتا جو اس کے مسلمات سے جوڑ نہ کھاتے ہوں اور نہ ان عناصر و اجزاء کو ہضم کرنے کے لئے تیار ہے جو اس کی روح اور اس کے اصول سے تضاد رکھتے ہوں۔

اسلامی شعور کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و صحبت سے صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ ظلم ایک قبیح شے اور دینی و اخلاقی جرم ہے جو کسی کے لئے جائز نہیں وہ اس پر اپنا

لاچکے تھے کہ مسلمان کو ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے، خواہ وہ قریب ہو یا بعید دوست ہو یا دشمن، اپنا ہوا یا بیگانہ، انھوں نے جاہلانہ حمیت اور قوی قبائلی اور خاندانی تعصبات سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی تھی اور سمجھ لیا تھا کہ اسلام میں اس اندھے تعصب کی کوئی جگہ نہیں، مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے خواہ حق کسی طرف ہو، یہ ان کا عقیدہ بن گیا تھا، اور ان کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔

ایک دن اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے وہ سنتے ہیں کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم، اگر ان کی تربیت میں ذرا بھی خامی اور ان کے ذہن میں کچھ بھی انتشار ہوتا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس بات کو سن لیتے اور اس قول کو اس کے جاہلی مفہوم میں قبول کر لیتے جس کے مطابق ان کا نشو و نما ہوا تھا اور ساری عمر اسی پر عمل کرنے میں گزری تھی، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دین کی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ سراسر وحی ہوتی ہے، ان سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرنے والا اور آپ کی تمام باتوں کو بے چوں چو تسلیم کرنے والا نہیں تھا، لیکن بایں ہمہ وہ خاموش نہ رہ سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے عقیدہ اور اس فکر و فہم سے ٹکرایا جو آپ ہی کی تعلیمات و تربیت کا نتیجہ تھا، اس سے ان کے اسلامی شعور پر ایک ضرب لگی اور ان کے دماغ کی چولیس ہل گئیں وہ اپنی اس تکلیف کو چھپانہ سکے اور انھوں نے استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ ہم مظلوم کی توبہ ذکریں مگر ظالم کی کیسے مدد کریں؟ اس پر آنحضرت (صلعم) نے اپنے قول کی شرح فرمائی کہ ظالم بھائی کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا جائے اور اس کو ظلم سے باز رکھا جائے، یہ سنتے ہی گرہ کھل گئی اور ان کے اسلامی ذہن نے اس ارشاد کو اس طرح قبول کیا جیسے ایک جانی بوجھی

حقیقت ہوتی ہے یہ اسلامی شعور کی نزاکت اور اسلامی ذکاوت جس کی واضح مثال ہے۔ ایک دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج بھیجی اور ایک صحابی کو اس کا امیر بنایا اور ان کو امیر کی اطاعت کی تاکید فرمائی، وہاں یہ اقامت پیش آیا کہ امیر اس سفر میں کسی بات پر ناراض ہو گئے جس کی وجہ سے انھوں نے آگ جلوائی اور اپنے انھیں کو اس میں داخل ہونے کا حکم فرمایا انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آگ سے نجات حاصل کرنے ہی کے لئے کیا تھا کیا اب اس میں داخل ہو جائیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی تصویب کی اور فرمایا کہ اگر وہ آگ میں کود پڑتے تو کبھی نہ بچتے، صحابہ کرام کا یہ انکار اسی بنا پر تھا کہ وہ اس اصول پر ایمان لائے تھے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی فرمانبرداری صحیح نہیں، اور یہ کہ اطاعت اسی وقت فرض ہے جب نیک بات کا حکم دیا جائے۔ اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کی وجہ سے صحابہ کرام کسی غلط کام اور کسی ناانصافی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، خواہ اس کا صدر خلیفہ وقت کیوں نہ ہو وہ اگر خلیفہ کی کوئی زیادتی دیکھتے تو برسرِ سر اس کو ٹوک دینے میں ان کو تامل نہ ہوتا، حضرت عمرؓ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، ان کے جسم پر پورا جوڑا لے، جوڑا دو کپڑوں پر شل ہوتا ہے اور فرماتے ہیں لوگو! سنتے نہیں مسلمان کہتے ہیں ہم نہیں سنتے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ تم نے ہم کو تو ایک ایک کپڑا تقسیم کیا اور تم پورے جوڑے میں لبوس ہو وہ فرماتے ہیں عجلت مت کرو پھر اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو آواز دیتے ہیں پہلی آواز پر کوئی جواب نہیں ملتا پھر فرماتے ہیں کہ اے عمر کے بیٹے عبداللہ! عبداللہ ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جس کپڑے کی

۱۔ (لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (حدیث شریف)

تہ بند باندھ رکھی ہے، یہ تمہارا ہی کپڑا ہے؟ وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں اس پر مسلمان کہتے ہیں۔ ہاں امیر المومنین اب فرمائیے ہم سب نہیں گے۔

اس اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ بنی اُمیہ کو اپنا شاہی اقتدار قائم رکھنے میں بڑی زحماتیں پیش آئیں اسلامی روح نے بار بار اس اقتدار کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بار بار اس عرب شاہی کے خلاف علم جہاد بلند ہوا، اموی فرماؤں کو اس وقت تک سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوا جب تک وہ نسل ختم نہیں ہو گئی جس نے اسلامی اصول و تربیت پائی تھی اور جو خلافت اسلامی اور اسلام کے نظام حکومت اور طریق حکمرانی سے عشق رکھتی تھی اور اس سے انحراف کو بدعت اور تحریف کا مراد سمجھتی تھی۔

یہی نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی طرح کی اصلاح اور کوئی معاشرتی یا سیاسی انقلاب شعور کی بیداری اور ذہنوں کی نیاری کے بغیر وقوع میں نہیں آتا، اگرچہ انقلابِ فرانس کا تذکرہ اسلامی دعوت و انقلاب کے تذکرہ کے سلسلہ میں سوءادب سے خالی نہیں، اور یہ ایک ناقص اور محدود کم کا انقلاب تھا، جو جذباتی جوش اور بے اعتدالیوں سے پاک نہیں تھا، تاہم اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب کسی معاشرہ یا ملک کا شعور بیدار ہو جاتا ہے اور ذہنوں کا رخ کسی خاص طرف ہو جاتا ہے تو اس سیلاب کا تھاں بڑی سے بڑی چٹان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے، انقلابِ فرانس کے رہنماؤں نے جن میں سے بہت سے لوگ بڑی اچھی ذہنی، علمی اور ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے اور جن کے جلو میں ادیبوں، افسانہ نگاروں اور اہل قلم کا ایک لشکر تھا، انھوں نے ایک خاص مقصد کے لئے فرانسیسی عوام کے شعور کی تربیت کی، عوام کے دل میں ملک کے فرسودہ نظام کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا کیا، پرانی اخلاقی قدروں اور تصورات و روایات کے خلاف ایک عام بے اطمینانی اور بیزاری پیدا کر دی، اور ماحول اور خارجی دنیا

پہلے دلوں کے اندر انھوں نے غم و غصہ اور نفرت و حقارت کی ایک آگ روشن کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام لوگوں کے لئے ناقابل برداشت بن گیا، حریت، انوثت و مساوات کے کلمات محبوب اور مقدس بن گئے اور ہر فرانسیسی کا وظیفہ اور تذکرہ کلام بن گیا، اس وقت یہ بغاوت ابھری جوش و غضب کا کوہ آتش فشاں پھٹا، اور پرانے معاشرہ کا قصر زمین پر آ رہا، اگرچہ اس انقلاب کے رہنما اس کو انسانیت کے لئے زیادہ مفید نہ بنا سکے (اور شاید ان کے پیش نظر یہ تھا بھی نہیں) لیکن انھوں نے ملک میں انقلاب کر دیا اور اس انقلاب کو کوئی طاقت روک نہ سکی، اس لئے کہ اس انقلاب کا چشمہ لوگوں کے دل و دماغ کے اندر سے اُبلا تھا، اور اس کی پشت پر قوم کی رائے عامہ اور جمہور کی خواہش تھی اور شعور اس کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

آج جس جبر کو یورپ نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور ان کمزوریوں کے ساتھ جبر کے ساتھ کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی وہ صرف زندہ ہی نہیں بلکہ برسرِ اقتدار ہے وہ شہری زندگی کی ذمہ داریوں کا احساس اور سیاسی شعور ہے ابھی تک نگریزوں اور امریکیوں میں ایسے لوگوں کا مثالیں شاذ و نادر ہیں جو قومی خیانت کا ارتکاب کرتے ہوں یا اپنے ملک کو سستے داموں فروخت کر ڈالتے ہوں یا جو حکومت کے اسرار فاش کر دیتے ہوں یا خرابے ناکارہ اسلحہ اور ذخیرہ جنگ کی خریداری کے مجرم ہوں ایسی مثالیں مشرق میں اور یورپ میں بہت کم یا اب اور تقریباً نایاب ہیں، یورپ کا اخلاقی بگاڑ انفرادی دائروں میں محدود ہے اس کے ذمہ دار بیشک بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں قوموں کو دھوکا دے سکتے ہیں اور بڑی بڑی قوموں کو پامال کر سکتے ہیں مگر یہ اپنے ذاتی فوائد اور اغراض کے لئے نہیں بلکہ قومی و ملکی مصالح کے لئے، یقیناً اسلام میں ان مجرمانہ افعال کی گنجائش نہیں اور بد اخلاقی خواہ فرو کے ساتھ ہو یا جاہلیت کے ساتھ خواہ انفرادی محرکات کی بنا پر یا اجتماعی محرکات و قومی محرکات کی بنا پر بد اخلاقی ہی ہے، لیکن

مغربی جو کچھ کرتا ہے ایک شعور اور اپنے مخصوص فلسفہ اخلاق کے تحت ہنر جو کرتا ہے
بے شعوری اور شخصی اغراض و محرکات کے ماتحت۔

مسلمان ممالک کے قائمین اور اہل اقتدار سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کبھی اپنے کسی
حقیر فائدہ یا لذت و خواہش کے ماتحت اپنے ملک کو بہن رکھ دیں یا اس کا بیعنامہ کر دیں یا
اپنی قوم کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر دیں یا اپنی قوم کو کسی ایسی جنگ میں جھونک دیں
جو اس کی مرضی و مصلحت کے خلاف ہو اس سے زیادہ عجیب خیزیاں یہ ہے کہ قوم اس کے
باوجود بھی ان کی قیادت کا جھنڈا لے کر چلتی رہے، وہ ان کی زندگی کے نعرے لگائے اور ان کی
تعلیف میں رطب لسان رہے، یہ صورت حال اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا
ضمیر مردہ اس کے قوائے فکر معطل اور وہ شعور کی دولت سے محروم ہے۔

بہت سے مسلمان ملک ایسے ہیں جہاں عوام کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا
ہے، جہاں عوام صرف محنت و مشقت کے لئے اور خواص صرف عیش و عشرت کے لئے ہیں،
اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانیاں ہوتی ہیں اور انسانیت سوز افعال و جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے
شریعت کے احکام پا مال کئے جاتے ہیں، لیکن نہ عوام اور جو مسلمین ہیں اس سے غم و غصہ کی کوئی
اہر سید اہوتی ہے نہ کسی قلب کو اس سے اذیت پہنچتی ہے، یہ سب درحقیقت انسانی غیرت
اور اسلامی خود داری کے فقدان کا نتیجہ ہے اور نہایت خطرناک صورت حال ہے۔

کسی انقلاب اور کسی بناوت کی کوئی قیمت نہیں (خواہ ظاہری طور پر وہ ملک
و قوم کے لئے کتنی ہی مفید ہو) جب تک کہ اس کی بنیادیں کوئی نچترہ عقیدہ، فکر صحیح، اور
ترسیت یافتہ اور عاقلانہ شعور نہ ہو، جب تک کہ رائے عامہ پورے طور پر تیار نہ ہو اس وقت
تک کسی بادشاہ کی جلا وطنی، کوئی انقلاب، حکومت اور وزارت کی کوئی تبدیلی کوئی اہمیت

نہیں کھتی اور بالکل قابل اعتبار نہیں ہے اگر قوم میں ان افعال اور اس رویہ سے نفرت نہیں ہے تو ایک غلط شخص یا غلط جماعت کی جگہ پر دوسرا غلط شخص اور دوسری غلط جماعت آسکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ قوم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے اس لئے اصل قابل اعتبار چیز یہ ہے کہ قوم کا ضمیر اور شعور اتنا بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غلط چیز اور مجرمانہ فعل کو کسی حالت میں اور کسی شخص کے لئے بھی برداشت نہ کر سکے۔

اس لئے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و نا انصافی کو برداشت کر سکے نہ دین و اخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، دوست اور دشمن، مصلح اور مفسد کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکے، مجرم اس کی ناراضگی اور عتاب سے بچ نہ سکے اور غلط اس کے اعتراف اور قدر شناسی سے محروم نہ رہے وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکے، اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جب تک یہ شعور نہ پیدا ہو کسی اسلامی ملک و قوم کا جوش و خروش، صلاحیت کار دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر و مناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

خود غرضی اور نفس پرستی کی گنجائش نہیں

الف ایسے کی کتاب اس دور کی نائنڈگی کرتی ہے جس میں زندگی صرف ایک فرد اور ایک شخص کے گرد گھومتی نظر آتی ہے جس کو خلیفہ یا بادشاہ کہتے تھے یا چند افراد کے ایک مختصر مجموعہ کے ارد گرد جو وزراء اور شہزادے کہلاتے تھے، زمین اس خوش نصیب فرد کی ذاتی ملکیت تصور کی جاتی اور قوم غلاموں و زرخیزوں کی ایک ٹولی ہوتی تھی اور شیخ ان کے

مال و متاع جائیداد و املاک اور عزت و اکبر و کمال سمجھا جاتا اور پوری قوم دراصل اس ایک فرد کا سایہ تھی، پوری زندگی اپنی تاریخ، علوم، ادبیات، شعر و شاعری کے ساتھ اسی کے گرد چکر کاٹتی اور اسی کا طواف کرتی تھی، اگر کوئی شخص اس عہد پر نظر ڈالتا اور اس دور کے ادب و لٹریچر کا جائزہ لیتا تو وہ دیکھتا کہ وہ شخصیت اس زمانہ کی سوسائٹی پر اس طرح حکمراں اور مسلط ہے جس طرح ایک قوی ہیکل درخت اپنے نیچے اگنے والے چھوٹے چھوٹے پودوں اور گھاس پھوس پر اپنے بازو پھیلائے رہتا ہے اور ہوا اور سورج کی گرمی روکتا رہتا ہے، بالکل اسی طرح پوری قوم اس ایک فرد کی شخصیت میں جذب ہو جاتی، پھر نہ اس کی کوئی مستقل شخصیت تھی نہ ارادہ، نہ آزادی اور نہ احساس خود داری۔

یہ فرد وہ ہوتا جس کے لئے زندگی کا پہیہ گھومتا تھا، اسی کے لئے کسان ہل چلاتا اسی کے لئے تاجر محنت کرتا، اسی کے لئے کاریگر اور صنّاع اپنا جوہر دکھاتے، اسی کی خاطر مصنفین کتابیں لکھتے اور شاعر اپنی قوتِ گویائی کا مظاہرہ کرتے، اسی کے لئے لڑکے پیدا ہوتے، اسی راستہ میں لشکر حملہ کرتے، بلکہ اسی کی خاطر زمین اپنے خزانے اگلتی، اور سمندر اپنی نعمتیں پھینکتا، اور عوام جو درحقیقت اس سب ولایتِ ثروت اور زرخیزی و شادابی کے باعث ہوتے اور ان سب کا دار و مدار انھیں پر ہوتا، وہ غلاموں کی طرح دن کاٹتے، بادشاہ کے خوانِ نعمت سے جو کچھ بچ رہتا ہے، وہ اسی پر خوش ہوتے، اور شاہی افراد سے کچھ مل جاتا تو اس پر شکر ادا کرتے اور اگر اس سے بھی محروم رہتے تو صبر و تحمل اختیار کرتے، ان کی انسانیت مر جاتی تو ان کو افسوس نہ ہوتا اور وہ چالپوسی اور موقع پرستی کا راستہ اختیار کر لیتے۔

یہ وہ عہدِ تاریخ ہے جو مشرق میں خوب پھلا پھولا اور اس نے سوسائٹی پر اثرات

چھوٹے، ادبیات، شاعری، تمدن و اجتماع سب پر اثر انداز ہوا، عربی کتب خانہ پر اس کے گہرے اثرات پڑے انھیں اثرات کا ایک جیتا جاگتا مرقعہ الف لیلا کی کتاب ہے جو اس عہد کی تصویر کشی کرتی ہے جب بغداد کا کوئی خلیفہ یا دمشق اور قاہرہ کا کوئی بادشاہ سب کچھ ہوتا تھا، اس کی حیثیت افسانہ زندگی کے ہیرو اور مرکزی نقطہ کی ہوتی تھی۔

یہ عہد جس کا نقشہ الف لیلا کے قصوں اور کہانیوں میں کھینچا گیا ہے اور افغانی کی تاریخ و ادب میں جس کی تصویر بنی گئی ہے وہ نہ اسلامی عہد تھا نہ عقل اور منطق کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا اس کو اسلام بھی ناقابل قبول قرار دیتا ہے اور عقل بھی اس کا انکار کرتی ہے، اسلام اس غیر فطری عہد کے زوال کا پیغام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد کا نام ”جاہلیت“ رکھا اس پر نفین کی، اس کے علمبردار اور فرمانروا، کسریٰ و قیصر کے خاتمہ کی خبر دی۔

یہ عہد کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ میں بھی زندگی کی صلاحیت اور باقی رہنے کا استحقاق نہیں رکھتا، یہی اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب لوگ حالات سے بے بس اور مجبور ہو گئے ہوں یا بیداری اور شعور کی دولت سے محروم ہو چکے ہوں، اور ان کی زندگی دم توڑ چکی ہو۔

اس صورت حال کو عقل برداشت نہیں کر سکتی، کون شخص اس کو پس کرے گا کہ چند افراد کو کھانے پینے کی زیادتی کی وجہ سے تھمہ ہو جائے اور دوسری طرف ہزاروں آدمی بھوک اور فاقہ کشی سے جان دے رہے ہوں، کس کو یہ اچھا لگے گا کہ ایک بادشاہ اس کے بیٹے مال و دولت کے ساتھ مجنوںوں کی طرح کھلیں اور لوگوں کو زندہ رہنے کے لئے ایک وقت کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے ایک کپڑا نصیب نہ ہو، اس پر کون راضی

ہو سکتا ہے کہ ایک طبقہ جو اکثریت میں ہو اس کا کام تو صرف یہ ہو کہ پیداوار بڑھائے
 زمین سے غلہ پیدا کرے صبح سے شام تک بیل کی طرح جتا ہے اور ایک طبقہ جو انگلیوں پر
 گنا جاتا ہو اس کا کام یہ ہو کہ ان کی محنتوں اور عرق ریزیوں کا ثمرہ کھائے اور ان نعمتوں
 سے فائدہ اٹھائے اور یہ سب شکرواحسان مندی کے ایک کلمہ کے بغیر اور احساس و شعور
 سے بالکل خالی ہو کر، یہ کون گوارا کر سکتا ہے کہ اہل صنعت و حرفت، اہل عقل و برد
 ارباب کمال اور مختلف صلاحیتیں اور ذہنی طاقتیں رکھنے والے لوگ ہمیشہ تکلیف
 ہی اٹھاتے رہیں اور وہ لوگ عیش کریں اور رنگ لیاں منائیں جن کو اسراف
 و فضول خرچی کے سوا کچھ نہیں آتا جو فسق و فجور میں ڈوبے رہنے اور شر میں پینے کے علاوہ
 کوئی کام نہیں جانتے، یہ کس کی نگاہ دیکھ سکتی ہے کہ اہلیت رکھنے والے ارباب انش،
 امین، دیانت دار، عالی دماغ اور دقیق النظر لوگوں سے اچھوتوں کا سا برتاؤ کیا جائے
 اور بادشاہ اور امراء و رؤساء کے ارد گرد خیس النفس دنی الطبع بے دماغ، اور
 ضمیر فروشوں کی ایک ٹولی ہو جن کی سب سے بڑی فکر حصول دولت اور نفسانی خواہشات
 کی تسکین ہو، جنہوں نے اس دنیا میں چالمپوسی اور خوشامد اور بے گناہوں کے خلاف
 سازش کے علاوہ کوئی فن نہ سیکھا ہو اور جن کی آنکھوں کا پانی مرجچکا ہو اور ان کا
 شعور و احساس فنا ہو گیا ہو۔

یہ ایک غیر طبعی حالت ہے جس کو ایک دن بھی باقی نہ رہنا چاہئے نہ کہ برسوں
 تک! اگر تاریخ کے کسی دور میں یہ صورت حال پیدا ہوئی اور عرصہ دراز تک قائم رہی تو
 یہ قوم کی غفلت و لاپرواہی کا نتیجہ تھی، یا اس کی مرضی اور پسند کے خلاف زبردستی
 اس کے سرخٹھوپئی لگئی، اور اسلام کے ضعف اور جاہلیت کی قوت کی وجہ سے ایسا ہوا

لیکن جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، شعور بیدار ہوا اور قوم میں احتساب اور جائزہ کی شان پیدا ہو گئی تو یہ ساری عمارت فوراً منہدم ہو گئی۔

آج جو لوگ الف یلے کی دنیا میں رہتے ہیں وہ خواب کی دنیا میں رہتے ہیں، وہ ایسے گھر میں سیرا ڈالے ہوئے ہیں جو مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہے، وہ ایسے گھر میں زندگی گزار رہے ہیں جو ہر وقت خطرات سے گھرا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کب کدال پڑنے لگیں اور کب چھت ٹوٹ کر گر پڑے۔

الف یلے کا زمانہ گیا اور اس کی بساط الٹ چکی، عالم اسلام کو اپنے نفس کو دھوکہ نہیں دینا چاہئے اور اپنے کو گاڑی کے اس پہیہ سے نہیں باندھنا چاہئے جو ٹوٹ چکا ہے، خود غرضی اور نفس پرستی ایک چراغِ سحری ہے جس کا تیل ختم ہو چکا ہے، اس کا فتنہ جل کر خاک ہو گیا ہے، وہ بجھ جائے گا ہوا کا جھونکا آئے یا نہ آئے۔

اسلام میں اس طرح کی انانیت اور خود غرضی کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں شخصی برتری یا خاندانی برتری اور خود غرضی کو پیر رکھنے کی بھی جگہ نہیں جو آج بعض مشرقی قوموں اور اسلامی ملکوں میں پائی جاتی ہے، اس میں اس وسیع اور عظیم خود غرضی کی بھی کوئی جگہ نہیں جو آج یورپ، امریکہ اور روس میں نظر آتی ہے، یورپ میں اس کی شکل ایک پارٹی اور جماعت کے اقتدار و تسلط کی ہے، اور امریکہ میں سرمایہ داروں کے قالب میں جھلوہ گر ہوتی ہے، روس میں وہ اس چھوٹے سے گروہ کی شکل میں سامنے آتی ہے جو کمینوزم پر ایمان لایا چکا ہے، وہ اکثریت پر زبردستی سے حاوی ہے، اور مزدوروں اور قیدیوں کے ساتھ اس سفاکی اور سنگ دلی اور بے دردی کے ساتھ سلوک کرتا ہے جس کی مثال تاریخ میں شکل سے ملے گی۔

یہ انانیت اور خود غرضی اپنی تمام صورتوں، شکلوں کے ساتھ ختم ہو کر رہے گی، زخمِ خودہ انست

اس سے سخت انتقام لے گی، دنیا کی، دنیا کا مستقبل اب صرف عدل پسند رحم دل توازن اسلام کے ساتھ وابستہ ہے، چاہے خود غرضی، کو تھوڑی سی اور مہلت مل جائے، چاہے اس کی گام ذرا ڈھیلی ہو جائے اور چاہے اس کو اپنی سرکشی، گمراہی، طغیانی میں گرا لے کے لئے کچھ دن اور مل جائیں۔

خود غرضی اور انسانیت شخصی ہو یا خاندانی جماعتی ہو یا طبقاتی، قوم کی زندگی کے لئے ایک غیر طبعی چیز ہے جس سے اس کو پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کرنا ہے، نہ اسلام میں اس کی کوئی جگہ ہے نہ اس بیدار سوسائٹی میں جو بلوغ اور سنِ رشد کو پہنچ گئی، مسلمانوں کے لئے اور عربوں کے لئے اور ان کے رہنماؤں اور حکمرانوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس سے آزاد ہو جائیں اور اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیں قبل اس کے کہ وہ اپنے ساتھ ان کو بھی لے ڈوبے۔

مشرق میں بھی اب اس کو تاہ نظری کا چل چلاؤ ہے، اور اس کا وقت سفر قریب ہے، اس کے عروج و اقبال کے تارے غروب ہونا شروع ہو گئے ہیں، یہ زید اور عمرو و بکر کا مسئلہ نہیں، یہ ایک عہد کا مسئلہ ہے جو ختم ہو رہا ہے، ایک مدرسہ فکر اور مکتب خیال کا معاملہ ہے جس کا دم واپس ہے، جو ابھی تک اس کے سہارے جی رہے ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ یقیناً اب ڈوبنے والا ہے۔

صنعتی اور جنگی تیاری

عالمِ اسلامی کا کام یہاں ختم نہیں ہو جاتا اگر اس کو اسلام کے پیغام کی اشاعت کی خواہش ہے، اور وہ دنیا کی قیادت و رہنمائی کا فرض انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو اس کے لئے ممتاز قوت اور تربیت، صنعت، علوم، تجارت اور فن حرب میں مکمل تیاری کی ضرورت

ہوگی اس کو زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے ستغنی اور بے نیاز ہونا پڑے گا، وہ اس سطح پر ہو کہ اپنے لئے پہننے اور کھانے کا سامان کر سکے، اپنے لئے ہتھیار تیار کر سکے، اپنی زندگی کے معاملات کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہو، اپنی زمین کے خزانے وہ خود برآمد کر سکے اور اس سے فائدہ اٹھا سکے اپنی حکومتوں کو اپنی دولت اور اپنے آدمیوں کے ذریعہ چلائے اس چاروں طرف پھیلا ہوئے سمندروں میں اس کے بحری بیڑے اور جہاز شور کر رہے ہوں وہ دشمن کا مقابلہ اپنے یہاں کے جنگی جہازوں توپوں اور ہتھیاروں سے کرے اس کی برآمد اس کی درآمد سے زیادہ اور اس کو مغربی ممالک سے قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے اس کو اس کے کسی جھنڈے کے نیچے نہ آنا پڑے اور وہ کسی کیمپ میں شامل ہونے پر مجبور نہ ہو۔

جب تک عالم اسلامی علم و سیاست صنعت و تجارت میں مغرب کا محتاج رہے گا مغرب اس کا خون چوستا رہے گا، اسی کی زمین کا آپ حیات نکلے گا اس کا سامان تجارت اوڑھنا ہر روز اس کی منڈیوں، بازاروں اور جیبوں پر چھاپے مارا کریں گی اور اس کی ہر چیز پر ہاتھ صاف کرتی رہیں گی، جب تک عالم اسلامی مغرب سے قرض لیتا رہے گا اور اپنی حکومت کا انتظام کرنے اہم اور کلیدی جھنڈوں کو چر کرنے اپنی فوج کو ٹریننگ دینے کے لئے مغرب کے آدمیوں کا رہنمائی رہے گا، وہاں کا سامان تجارت و صنعت منگائے گا، اور اس کو اپنا اتالیق اور استاد مرقی اوڑھنا سرپرست حاکم اور سردار سمجھے گا اس کے حکم اور اس کی رائے کے بغیر کوئی کام نہیں کرے گا، اس وقت تک وہ مغرب سے مقابلہ کرنا تو درکنار اس سے آنکھیں بھی نہیں ملا سکتا۔

یہ علمی اور صنعتی زندگی کا وہ شعبہ تھا جس کے بارہ میں عالم اسلامی نے عہد ماضی میں کوتاہی سے کام لیا اور جس کی تعزیریں اس کو طویل اور ذلیل زندگی کا مزہ چکھنا پڑا اور اس پر مغربی قیادت اور سرداری مسلط کی گئی جس نے دنیا میں تباہی و غارتگری

قتل و خون ریزی اور خود کشی برپا کی اب اگر اس موقع پر بھی عالم اسلامی نے علمی و صنعتی تیاری اور اپنی زندگی کے معاملات میں آزادی کے بارہ میں غفلت برتی اور اس مرتبہ بھی اس سے یہ چوک ہو گئی تو دنیا کی تقدیریں نصیبی اور ثقافت لکھ دی جائے گی اور انسانیت کے ابتلا کی مدت اور طویل ہو جائے گی۔

نئی علمی تنظیم

عالم اسلامی کے لئے ضروری ہے کہ علم کی اس طرح تنظیم جدید کرے جو اس کی روح اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو، عالم اسلامی نے قدیم دنیا پر اپنی علمی سیادت کا سکہ جمادیا تھا اور دنیا کی عقلیت و ثقافت (کلچر) کے رگ ریشہ میں سرایت کر گیا تھا اس نے دنیا کے ادب و فلسفہ کے جگریش نشین بنایا تھا، صدیوں تمدن دنیا اس کی غص سے سوچتی رہی اسی کے قلم سے لکھتی رہی اور اسی کی زبان میں تصنیف و تالیف کرتی رہی چنانچہ ایران ترکستان افغانستان اور ہندوستان کے مصنفین اور اہل علم اگر کوئی اہم کتاب لکھنا چاہتے تھے تو عربی ہی میں لکھتے تھے، اور بعض لوگ اصل کتاب عربی میں لکھتے اور اس کی تلخیص فارسی میں کرتے جیسا کہ امام غزالیؒ نے "کیمیائے سعادت" میں کیا، اگرچہ علمی تحریک جو عہد عباسی کے آغاز میں شروع ہوئی تھی یونان اور عجم سے متاثر تھی اور اسلامی اسپرٹ اور اسلامی فکر کی بنیاد پر قائم نہیں تھی اور اس میں علمی و دینی حیثیت سے متعدد خامیاں اور کمزوریاں تھیں، لیکن اپنی قوت اور تازگی کی وجہ سے وہ پوری دنیا پر آندھی پانی کی طرح چھا گئی اور قدیم علمی نظام اس کے سامنے ٹھٹھکر کر رہ گئے۔

پھر یورپ کی ترقی اور عروج کا زمانہ آیا اس نے اس قدیم نظام کو اپنے تجربات

اور علمی تنقید سے تقویم پارہ بنادیا اور اس کی جگہ تعلیم و تدریس کا نیا نظام تیار کیا، جو اس کی روح، عقلیت اور نفسیات کا کامیاب نمونہ تھا، جو طالب علم اس علمی ماحول سے فارغ ہو کر نکلتا اس کی رگ رگ میں یہ اسپرٹ کام کرتی ہوتی، دنیائے دوسری بار اس تعلیمی نظام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور عالم اسلامی کو بھی قدرتی طور پر اس کے سامنے سر جھکانا پڑا جو عرصہ سے علمی انحطاط اور فکری جمود کا بیمار تھا، اور احساس کسری کی بنا پر اپنی نجات صرف یورپ کی تقلید میں منحصر سمجھتا تھا، اس نے اس تعلیمی نظام کو اس کی کمزوریوں و خامیوں کے باوجود قبول کر لیا اور وہی نظام آج عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ پر حاوی ہے۔

اس نظام کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی نفسیات اور جدید نفسیات میں یک کشت کش برپا ہو گئی اسلامی اخلاق اور مغربی طرز اخلاق میں رستہ کشی شروع ہوئی، اشیاء اور اس کی قدر و قیمت کی جدید میزان اور قدیم میزان میں ایک جنگ شروع ہو گئی، اس نظام کا ایک ثمرہ یہ نکلا کہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں شک اور نفاق، بے صبری، زندگی سے عشق اور بوالہوسی، نقد کی ادھار پر ترجیح کی ذہنیت پیدا ہو گئی اور اس طرح کے دوسرے عیوب پیدا ہو گئے جو مغربی تہذیب کا لازمہ ہیں۔

اگر عالم اسلامی کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالم گیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خود مختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں یہ مسئلہ بہت گہرے غور و فکر کا محتاج ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف و تالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے اس کام کے سربراہ کا عصری علوم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق و تنقید کے درجہ تک پہنچتی ہو،

اور اس کے ساتھ اسلام کے اصلی سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب و نظر معمور ہو، یہ وہ ہم ہے جس کی تکمیل کسی جماعت یا انجمن کے لئے مشکل ہوگی، یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے اس مقصد کے لئے اس کو منظم جماعتیں و مکمل ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دست گاہ رکھتے ہوں، وہ ایسا انصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب سنت کے حکمت اور دین کے ناقابل تبدیل حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجزیہ و تحلیل پر حاوی ہو وہ مسلمان نوجوانوں کے لئے علوم عصریہ کی از سر نو تدریس کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی روح کی بنیاد پر ہو، اس میں ہر ایسی چیز ہو جو نوخیز طبقہ کے لئے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم کر سکے اور اپنی سالمیت کی حفاظت کر سکے وہ مغرب سے مستغنی ہو اور مادی و دماغی جنگ میں اس کے مقابلہ میں آ سکے اپنی زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھا سکے اور اپنے ملک کی دولتوں کو استعمال میں لائے اسلامی ملکوں کی مالیات کی نئی تنظیم کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے تحت اس طرح چلا سکے کہ طرز حکومت اور مالیاتی امور کی تنظیم میں یورپ پر اسلامی نظام کی برتری صاف ظاہر ہو جائے اور وہ اقتصادی مشکلات حل ہو جائیں جن کے حل کرنے کے معاملہ میں یورپ سپر ڈال چکا ہے اور اپنی بے بسی کا اعتراف ہے۔

اس روحانی، صنعتی اور فوجی تیاری اور تعلیمی آزادی کے ساتھ عالم اسلامی عروج حاصل کر سکتا ہے، اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے اور دنیا کو اس تباہی سے نجات دلا سکتا ہے جو اس کے سر پر پڑ چکی ہے، قیادت منہی کھیل نہیں، نہایت سنجیدہ معاملہ ہے اور منظم جدوجہد مکمل تیاری عظیم اٹھان قربانی اور سخت جانفشانی کی محتاج ہے۔

عالم عربی کی قیادت

عالم عربی کی اہمیت

دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جسم کے لئے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور شرق بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلامی کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر لوہے عالم اسلامی کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدا نخواستہ اس کو تیسری جنگ کا میدان بننا پڑے، وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابل کاشت زمینیں ہیں۔ مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار، آمدنی، زرخیزی و شاطی، دولت و ترقی، تہذیب تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے جس کی گود میں دیباے نیل رواں دواں ہے، یہاں فلسطین ہے اور اس کے ہمسایہ مالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت، حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس "عراق" کا ملک ہے جو اپنی بہادری، سخت جانی، شجاعت، عزم، اور پٹرول کے ذخیروں کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں جزیرہ عرب ہے جو اپنے روحانی مرکز، دینی اثر میں سب سے منفرد ہے جس کے حج کے سالانہ اجتماع کی نظیر دنیا میں نہیں، جہاں تیل کے چشتے سب سے زیادہ تیل پیدا کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہیں جنہوں نے عالم عربی کو اہل مغرب کی نظر کا مرکز ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت و لیڈر شپ کے لئے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا رد عمل یہ ہوا کہ ان ملکوں میں عربی قومیت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں

ایک مسلمان، عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے، اس میں اور ایک یورپین کی نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود ایک وطن پرست عرب، عالم عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی جان، اس کے عزت و افتخار کا عنوان، اور اس کا سنگ بنیاد ہیں، اگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاش اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جن کی وجہ سے عالم عربی عالم وجود میں آیا، اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر کائیٹوں

باہم دست و گریباں قبیلوں، غلام قوموں اور بے مصرف صلاحیتوں کا دوسرا نام تھی، اس پر چہل و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے، عرب رومی شہنشاہی سے جنگ بول لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کا تصور کرنا بھی ان کے لئے مشکل تھا، شام جو بعد میں عالم عربی کا بہت اہم حصہ قرار پایا ایک رومی نو آبادی تھی، جو مطلق العنان حکومت اور سخت ترین ڈکٹیٹر شپ کے رحم و کرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی و انصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا تھا۔

عراق کیانی حکومت کی اغراض و خواہشات کا شکار تھا، نئے نئے محاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی، رومی مصر کے ساتھ ایک گائے کا سا برتاؤ کرتے تھے، جس کو ڈوبنے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور بخل سے کام لیتے، پھر وہاں سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا، دفعتاً اس متفرق منتشر مظلوم دنیا پر اسلام کی باد بھاری کا ایک جھونکا چلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت یہ عربی دنیا ہلاکت کے قریب تک پہنچ گئی تھی، آپ نے اس کی دستگیری فرمائی، اس کی نبضیں ڈوب ہی تھیں آپ نے اس کو زندگی بخشی، نئی روشنی عطا کی، کتاب و حکمت کی تعلیم دی، تزکیہ کا سبق پڑھایا، آپ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سفیر تھی، امن و سلامتی کی پیامبری تھی، تہذیب و تمدن کی علمبردار تھی، قوموں کے لئے رحمت کا پیغام تھی، اب ہم شام کا بھی نام لے سکتے ہیں، عراق کا بھی ذکر کر سکتے ہیں، ہم مصر پر بھی فخر کر سکتے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا کہیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر کرتا نہ مصر کا وجود ہوتا اور عالم عربی

عالم عربی ہی نہ ہوتا۔ اور یہیں تک نہیں دنیا بھی تمدن و شائستگی، علم و فن، تہذیب و ترقی کی اس سطح پر نہ ہوتی، اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دین اسلام سے متعلق ہونا چاہتا ہے اور اپنا حج مغرب کی طرف پھیرتا ہے یا عرب کے عہد قدیم کی طرف حریصانہ نظر ڈالتا ہے یا اپنے نظام زندگی اور ریاست و حکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیروی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائد امام، رہبر اور اسوہ و معیار نہیں سمجھتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت کو فوراً واپس کر دے اور اپنے پہلے دور جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے، جہاں رومیوں اور ایرانیوں کا سکھ چلتا تھا، جہاں ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامراج کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل و گمراہی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلگ گنہگار کے گوشہ میں ایک مجہول زندگی گزارا جا رہی تھی اس لئے کہ یہ شان دار اور روشن تاریخ، یہ تابناک تہذیب، یہ بازار ادب، یہ عربی سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہے۔

ایمان عالم عربی کی طاقت ہے

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے امام اور قائد ہیں، ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوا اس کی طاقت کا راز اور اس کا لا رگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے، اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

عالم عربی کو اگر کیونرزم یا یہودیت سے جنگ کرنا ہے یا کسی دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کر سکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے، یا پٹرول کی قیمت کے طور پر اس کو حاصل ہوتی ہے، وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اس ایمان منہوی قوت اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کر سکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی، او فتح حاصل کی تھی، وہ اس بل کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس کو زندگی سے شق اور موت سے نفرت ہو، اس جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدادہ ہو، اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس کو شک و شبہ کا گھن لگ چکا ہو، اور افکار و خواہشات باہم دست گیرا ہوں، اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ ضعیف الایمان اور تشنگ قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جا سکتا، عرب کے قائدین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لئے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، تاجروں اور جہولہ کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں، ان میں جہاد کا جذبہ، جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر و ہانت کا احساس پیدا کریں، ان کو خواہشات نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے، خدا کے راستہ میں مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے، مسکراتے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں۔

شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہو گئی، جو ایک

بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے جس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جو ان کا طفرائے امتیاز تھی ختم ہو گئی جسم کمزور
ہو گئے، لوگ ناز و نعم میں زندگی گزارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور
قریب ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرہ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں
لوگوں نے کشتی، شہسواری جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا
اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے تعلیم و تربیت کے
رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، اسادگی،
استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ عجی ممالک میں اپنے عرب عمال کو لکھتے ہیں:-
ایاکم والتعم وندی العجم تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی
وعلیکم یا شمس فانہا اور عجی لباسوں سے ہمیشہ دور دو
حمام العرب وتمعد دوا رہنا دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی
واخشوشنوا واغلولقوا عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں
واعطوا الرکب استہا کا حام ہے جھاکشتی سادہ زندگی
وانزوانزوا وارموا صبر تحمل موٹے جھوٹے پہننے کے
الاعراض لے عادی رہو، گھوڑے پر چست لگا کر
بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہئے
نشانے درست ہوں۔

لے بنوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

ارموا بنی اسماعیل اے اہل عرب تیر اندازی کی شق
خان اباکم کان رکھو اس لئے کہ تمہارے جدا مجد
سرمیبا۔ (حضرت اسماعیل تیر انداز تھے۔)

ایک جگہ ارشاد ہے:-

الات القوة السرمی یاد رکھو (جس قوت کے تیار رکھنے کی
الات القوة السرمی قرآن مجید میں تاکید ہے) وہ تیر اندازی
ہے وہ تیر اندازی ہے۔

تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو اور عجز و تختنت پیدا کرتی ہو، عریاں صحافت نگاری فحش اور ملحہ ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق بے حیائی، فسق و فجور اور بد پرستی کی تبلیغ کر رہا ہو، ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں جو نسل اسلامی کے قلب اخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے اور فسق و مصیبت اور فحش پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لئے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تایخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا اور عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرتِ مادری کے خلاف بناوت کی اور آزادی و بے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی سالبقت کی کوشش کی، خالگی زندگی سے نفرت و غفلت بڑھی اور ضبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی، اس کا تاثر اقبال غروب ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی

لے بخاری ص ۷۷

مٹ گئے، یونانی، رومی، اور ایرانی اقوام کا انجام یہی ہوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے، عالم عربی کو ڈرنا چاہئے کہ ہمیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو۔

طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت سے دوسرے اسباب کی بنا پر عیش و عشرت، غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام، اسراف لذت و خواہش اور فخر و آرائش کے لئے فضول خرچی کی عادت پڑ چکی ہے، اس عیش و تنم اور بیداری کے ساتھ خرچ کے پہلو بہ پہلو فقر و فاقہ اور غربانی بھی موجود ہے جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرتے ہیں اور سر شرم سے جھک جاتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت کے زائد غذا، لباس کا مصرف نظر نہیں آتا، دوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوی پڑ پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے کپڑا بھی نصیب نہیں، جب عرب کے اہل امراء و اصحاب ثروت ہوا سے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چیتھڑوں میں لیٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تار تار ہوتا ہے، جو ایک پیسے کے لئے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں، بہترین کالوں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں اور تنگ تاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تحفہ و فاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا اس وقت تک کیونرم کے لئے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے، جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی، وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جمال و اعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تعزیر و نذری کے طور پر اوروں کے عمل کے طریقہ پر اس کی جگہ

ایک ظالم و جابر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔

تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت و حرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انھیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب کے مستغنی ہوں اپنی تمام ضرورتیں، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، شینیں آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب کے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لئے جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے، وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے، عالم عربی کے لئے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے، زندگی کا خون اس کو فائدہ پہونچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہونچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انھیں کے سپرد ہوں، عالم عربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم، درآمد برآمد، قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور شینوں، اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو، ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے

جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت و فنی بہارت
دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔

انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جبکہ انسانیت کی ثقافت بُجھتی
انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی اس وقت انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ ان افراد کی دسترس
باہر تھا جن کی زندگی ناز و نعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت و مشقت کے برداشت
کرنے اور مالی و جانی نقصانات کو جھیلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لئے
بہمہ وقت عیش و نشاط کا سامان موجود تھا اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار
تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے اور منافع سے دست بردار
ہو کر اپنے جان و مال عیش و آرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات و مشکلات کے
مقابل میں پیش کر سکتے تھے ان کو اپنے پیشہ و تجارت کی کساد بازاری اور کسی طرح کے
مالی نقصان و خطرات کی پروا نہ تھی جن کو اپنے آبا و اجداد اپنے دوستوں اور قرابت مندوں
کی قائم کی ہوئی اُمیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا، صالح علیہ السلام کی قوم نے
جو کچھ ان سے کہا تھا وہی ان تعلق والوں کی زبان پر بھی جاری ہو جاتا۔

قَالُوا يُضِلُّهُمْ قَدْ كُنْتَ فِينَا لے صالح! تم سے تو ہماری بڑی بڑی
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا (ہود: ۶۲) اُمیدیں وابستہ تھیں۔

جب تک دنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اس وقت تک انسانیت کا بقا و استحکام
اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے یہ کردار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی

اصطلاح میں محروم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انھیں کی بلند بختی اور جذبہ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دار و مدار ہے وہ چند افراد جو اپنی جان کو مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگان خدا کے ابدی مصائب سے بچنے کا سبب بنتے ہیں، اور دنیا کے ایک بڑے گروہ کو شر سے خیر کی طرف لاتے ہیں، اگر چند افراد کی محرومی و ہلاکت ایک پوری ملت کے لئے خوشحالی اور سرفرازی کا باعث ہو اور اگر کچھ مال و زر اور تجارت و حرفت کے نقصان اور گھائے سے بے شمار اور لاتعداد انسانوں کے لئے دینی و دنیوی فلاح کا دروازہ کھلتا ہو تو یہ سودا ہر طرح سستا ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ یہ جانتا تھا کہ روم و فارس اور دنیا کی تمدن قومیں جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم کی باگ ڈور ہے ہرگز اپنے عیش و نشاط کو نہیں چھوڑ سکتیں وہ اپنی ناز پروردہ زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتیں وہ بے یار و مددگار انسانیت کی خدمت و دعوت و جہاد کے لئے مصائب و آلام کے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتیں، ان کے اندر اتنی استطاعت ہرگز نہیں کہ اپنی پر تکلف زندگی اور زیب و زینت کا ایک معمولی سا بوجھ بھی قربان کریں، ان میں ایسے لوگ بالکل مفقود تھے جو اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہوں اپنی حرص و طمع کو روک سکیں اور جو تمدن کے لوازم اور فیشن کی پابندی سے بے نیاز ہو کر واجبی گزران پر اکتفا کر سکیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پیغام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو دعوت و جہاد کے بوجھ کو اٹھا سکتی تھی اور ایثار و قربانی کے جذبہ سے بھر پور تھی یہ وہی عربی قوم تھی جو طاقتور و سادہ نشا اور جفاکش تھی، جس پر مصنوعی تمدن کا کوئی وار کا گرنہ ہوا، اور دنیا کی رنگینیوں کا کوئی جامد

نہ چل سکا، یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو دل کے غنی، علم سے بھرپور اور تکلفات سے کوسوں دُور تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے کر اٹھے اور آپ نے جدوجہد و جانفشانی کا حق پوری طرح ادا کر دیا، اس دعوت کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لئے رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپ خواہشات سے بالکل کنارہ کش تھے، دنیا کی دلفریبیوں کا آپ پر کوئی جادو نہ چل سکا یہی وہ چیز تھی جو دنیا کے لئے اُسوہ حسنہ اور رہنمائی۔ جب قریش کے وفد نے آپ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور آپ کے لئے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل کو فریفتہ اور نفسانیت رکھنے والے انسان کو خوش کر سکتی تھیں مثلاً حکومت و ریاست، عیش و عشرت، دولت و ثروت تو آپ نے ان تمام چیزوں کو بے تامل ٹھکرا دیا، اسی طرح جب آپ کے چچائے گفتگو کی اور چاہا کہ آپ کو اس دعوت کے پھیلانے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں تو آپ نے مضامین فرما دیا کہ اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا اور اس وقت تک کہ شش کرتار ہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کر دے یا میں خود اس سلسلہ میں کام نہ آجاؤں، یہی جدوجہد اور قربانی دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلقی اور پُر مسرت زندگی کے مقابلہ میں تکلیف و مشقت کی زندگی کی ترجیح اہل دعوت کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک نمونہ اور اُسوہ بن گیا، آپ نے اس سلسلہ میں اپنے اوپر عیش و آرام راحت و آسائش کے دروازے بند کر لئے اور خود اپنے ہی اوپر نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان، اہلیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقعہ نہیں دیا

وہی لوگ جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش و راحت میں انھیں کا حصہ سب سے کم تھا، اور جہاد و قربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے جب آپ کسی چیز کی نعمت کا ارادہ کرتے تو اس کی ابتدا اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے اور جب کسی حق کی باری آتی یا کوئی نفع پہنچا یا ہوتا تو دور کے لوگوں سے شروع کرتے اور با اوقات آپ کے قرابت دار اور قبیلہ والے اس سے محروم ہی رہ جاتے آپ نے جب سودی کاروبار ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے کاروبار کو مٹایا اور ان کے تمام سودی منافع کو ختم کر دیا، اسی طرح جاہلیت کے انتقامات و مطالبات کو باطل کرنے اٹھے تو ربیعہ بن حارث ابن عبد المطلب کے خون کو پہلے باطل کیا، اور جب آپ نے زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے اور ناقصاً باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لئے اس کو قیامت کے لئے حرام کر دیا فتح مکہ کے دن جب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ سے بنی ہاشم کے لئے سقاہت زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برادری کا مطالبہ کیا تو آپ نے خندک اٹھا کر فرمادیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی ان کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اے عثمان! دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لے لو آج احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ رہے گی کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، الا یہ کہ کوئی ظالم اس کی جڑ کرے آپ نے ازواج مطہرات کو زہد و قناعت اور دکھی زندگی گزارنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے کے لئے آمادہ ہو تو میری رفاقت اختیار کر سکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں اور اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَاجِكَ
إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ
وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا
وَإِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ
أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِثْلَهُ

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے
کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار
چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متلے دیدوں
اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں
اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول
کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک
کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے

أَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب ۴۵) اجر عظیم عطا کیا کر رکھا ہے۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھر والوں نے اللہ اور رسول ہی کو اختیار کیا،
اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ آپ کے پاس کچھ غلام و خادم آئے
ہیں اور جبکہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے گھٹے پڑ گئے تھے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرمادیجئے تاکہ میں کچھ آرام
حاصل کر سکوں تو آپ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لئے یہ چیز
خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں
کے ساتھ تھا اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔

مکہ کے لوگ جب ایمان لائے تو ان کی اقتصادی زندگی کا نظام درہم بہم ہو گیا
ان کی تجارت کا سدا بازاری کا فکار ہو گئی اور بعض اپنے راش المال سے بھی محروم ہو گئے
تھے کہ جس کو انھوں نے اپنی زندگی میں حبس کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے،
جو راحت و آرام کے سامان اور آرائش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے، حالانکہ

پہلے ان کی امتیازی شان یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلدادہ تھے، اسی طرح اس دعوت کے پھیلانے اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلے میں بہتوں کی تجارت برباد ہو گئی اور کتنے اپنے آبائی دولت کے حصوں سے محروم ہو گئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپ کا ساتھ دیا تو اس کا اثر ان کے کھیتوں، ان کے باغات پر پڑا مگر بایں ہمہ جب انھوں نے اپنا کچھ تھوڑا سا وقت ان کی نگہداشت کے لئے چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو تنبیہ کیا گیا، ارشاد ہوا:۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرة ۱۹۵) آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہی حال عرب اور ان تمام لوگوں کا ہوا جو اس دعوت سے متاثر اور اس پر عمل پیرا ہوئے چنانچہ جہاد کی مشقت اور جان و مال کے خسارہ میں ان کا اتنا بڑا حصہ تھا جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَأَخْوَاؤُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبُّ
إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّسُوا

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ و تمہارا
بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویا
اور تمہارا گنبد اور وہ مال جو تم نے کمائے
ہیں اور وہ تجارت جس میں تم کسی نہ ہونے کا
تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند
کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور
اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیار

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝
ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ بے شک کی گزیراؤ
کو ان کے قصود تک نہیں پہنچاتا۔
(سورۃ التوبہ - ۲۴)

دوسری جگہ فرمایا:-

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ
حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ
يَتَخَفُوا أَعْنَى رَسُولِ اللَّهِ وَلَا
يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۖ
مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابوں کے
جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ
اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے
رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی
جان کی پرواہ نہ کر کے محض اپنی جانوں
(التوبہ - ۱۲۰)

کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لئے کہ انسانی سعادت کی عمارت انھیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی
تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرف اسی بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین انصار اپنے کو مٹا کر
انسانیت کی سرسبزی اور قوموں کی ہدایت و فلاح کا فیصلہ حاصل کر لیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالْبُلُوْا نَكْمًا مِّنَ الْخُوفِ
وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ فِي السَّرَّاتِ ۚ (البقرہ - ۱۵۵)
ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ نہ کچھ خوف
بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی
اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:-

لَقَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتُكِّدُوا أَلَّا
يَقُولُوا آمَنُوا وَهُمْ لَا يَصِفُونَ ۝
کیا لوگ اتنا کہہ کر جھوٹ جائیں گے کہ
ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش

(المنکبوت ۲) نہ کی جائے گی۔

اگر عرب اس سرفرازی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں تردد سے کام لیتے تو بد بختی اور عالم کے فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

الَّا تَفْعَلُوْهُ لَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِیْنَ وَفَسَادَ الْاَنْفَالِ (۴۳) اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہوگا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

بھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دورِ اہم پر کھڑی تھی، اس وقت دو ہی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنے جان و مال، آل و اولاد اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہو کر اجتماعی مصلحت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ قربان کر دیتے جب دنیا کو سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوائیں چلتیں، یا پھر وہ اپنی خواہشات و مرغوبات اور اپنی انفرادی لذت و عیش کو انسانیت کی سعادت و فلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا گمراہی و بد بختی کے دلدل میں پھنسی رہ جاتی اور غفلت و مد مہوشی کے عالم میں پڑی رہتی لیکن اللہ تعالیٰ کو انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لئے عربوں میں اس نے ولولہ پیدا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر ایمان و اشار کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انھوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب و نوع انسانی کی سعادت کی امید میں انھوں نے دنیا کے تمام عیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو بچ دیا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں انھوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ

راہِ خدا میں جانیں دیں اور محنتیں کیں تو اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت کے بہتر اجر سے نوازا
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔)

آج دنیا ہٹ ہٹا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی مسیح میں تھی
یہ عالم پھر اسی دورِ اہم پر نظر آ رہا ہے جس دورِ اہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کے وقت تھا، آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لئے جان کی
بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت دنیا کی نعمتوں، ترقی و خوشحالی کے امکانات
اور اپنے سامانِ راحت کو خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے
جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدلتور اپنے حقیر اغراض اور ذاتی سر بلندی و ترقی،
عہد و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافہ اور کاروبار کی ترقی کی فکر میں رہیں،
اور سامانِ عیش اور اسبابِ راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا
اسی زہریلے تالاب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلاک ہو رہی ہے اگرچہ اچھے
ذہین عرب نوجوان بڑے بڑے شہروں میں خواہشات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں اور اگر ان کی
زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہے اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فکر نہیں ہے اور ان کی
تمام جدوجہد صرف اپنی ذاتی زندگی اور اپنی مرفہ و احمالی کے گرد جھک لگا رہی ہے تو ایسی
صورتِ حال میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے، بعض جاہلی قوموں کے نوجوان ان کے
زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بلند تھا جب کہ انھوں نے اپنے
پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحت و آرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا

جاہلی شاعر امرأ القیس ان سے کہیں زیادہ باہمت تھا کہ کہتا ہے:-

ولدانی اسعی لادنی معیشتہ کفانی ولم اطلب قلیل من المال
ولکنما اسعی لمجد مؤثّل وقد یدرک المجد الموتی المثلّی
اگر میں کسی ادنیٰ درجہ کی زندگی کے لئے کوشش کرتا ہوتا تو مجھے تھوڑا سا مال
بھی کافی ہوتا اور اس کے لئے ایسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔
لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور مجھ
جیسے آدمی بھی ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔

دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان
اپنی قربانیوں سے ایک پل تعمیر کریں اس پل پر سے گزر کر دنیا بہتر زندگی کی منزل تک پہنچ سکتی
ہے زمین کھاد کی محتاج ہوتی ہے لیکن انسانیت کی زمین کی کھاد جس سے اسلام کی کھیتی
برگ بار لاتی ہے وہ وہی انفرادی خواہش و ہوس ہے جس کو مسلم نوجوان اسلام کا بول بالا کرنے اور
انٹر کی زمین میں امن و سلامتی پھیلانے کے لئے قربان کریں آج انسانیت کی افتادہ زمین
کھاد مانگتی ہے، یہ کھاد راحت و آرام کے مواقع، انفرادی ترقی کے امکانات اور پیش کے استبا
ہیں جن کو مسلمان باخصوص عرب قوم قربان کر دینے کا ارادہ کر لیں چند انسانی جانوں کی
جدوجہد اور ان کی قربانیوں سے اگر انسانی نگہ آگ کی راہ سے نکل کر جنت کی راہ پر لگ جاتے تو
یہ بڑا ستا سود ہے اس لئے کہ جو نعمت حاصل ہوگی وہ بہت ہی ہنس گراں مایہ ہے اور
اس کے لئے جو کچھ قربان کرنا پڑے وہ اس کے مقابلہ میں بہت ہی معمولی اور ارزاں ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سوا یسا زیاں نہیں

عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے

عالم عربی اپنی خصوصیات محل وقوع، اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حقدار ہے وہ یہ کر سکتا ہے کہ عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑہ اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تباہی و بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا:۔

”انسانوں کی پریشانی سے نکال کر خدائے واحد کی پرستش میں دنیا کی تنگی سے دین کی کشادگی میں اور مذاہب کی نا انصافی سے نکال کر اسلام کی عدل گستری میں داخل کرے!“
عالم انسانی عالم اسلامی کی طرف اپنے نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھ رہا ہے اور عالم اسلامی عالم عربی کی طرف اپنے لیڈر اور سربراہ کی حیثیت سے نظر میں اٹھائے ہوئے ہے کیا عالم اسلامی عالم انسانی کی توقع کو پورا کر سکتا ہے اور کیا عالم عربی عالم اسلامی کے سوال کا جواب دے سکتا ہے؟ عرصہ سے مظلوم انسانیت اور برباد شدہ دنیا اقبال کے پُر درد الفاظ میں مسلمانوں سے فریاد کر رہی ہے اس کو اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیر نو کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔

ناموس ازل را تو امینی تو امینی دارے جہاں را تو بیاری تو بیینی
لے بندہ خاکی تو ز مانی تو ز مینی صہبائے نقیصہ کش وازدیر گمان خیز

از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

فریاد از افرنک دل آویزی افرنک فریاد شیرینی و پرویزی افرنک
 عالم ہمہ دیرانہ ز چنگیزی افرنک معمار حرم ابا زبہ تعمیر یہاں خیر!
 از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
 از خوابِ گراں خیز



۳۶۵

INDEX

INSANI DUNIYA PAR MUSALMANAUN KE
UROOJ-O-ZAWAL KA ASAR

اشاریہ

”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“

گیارہواں ایڈیشن

۱۴۱۳ھ — ۱۹۹۲ء

مُرتَبَعاً

محمد غیاث الدین ندوی

اشخاص

(الف)

(حضرت) ابوبکرؓ ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۹، ۲۱۴

(حضرت) ابوبکر بن ابی موسیٰ اشعریؓ ۱۱۰

ابو جہل ۹۰

(حضرت) ابو حذیفہؓ ۱۲۹

(مولانا) ابوالحسن علی ندویؒ ۱۱۲، ۲۳، ۲۲

(امام) ابوداؤدؒ ۱۱۶، ۱۱۵

(حضرت) ابودجانہؓ ۱۲۱

(حضرت) ابوالدرداءؓ ۱۲۹

(حضرت) ابوزرؓ ۱۲۹، ۱۱۵

(حضرت) ابورجاء العطار دیؓ ۵۸

(حضرت) ابوسفیانؓ ۱۲۱

(حضرت) ابوعبیدہؓ ۱۲۸

ابوالفداء حموی ۱۷۲

ابوالفضل استرآبادی ۳۰۹

ابوالفضل گادرونی ۳۰۹

(حضرت) ابوقنادہؓ ۱۲۳

(حضرت) ابوموسیٰ اشعریؓ ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۷

(حضرت) ابی بن کعبؓ ۱۲۹

آپولیس (رومی) ۱۹۹

(سینٹ) اٹھنیس (راہب) ۲۱۲

(امام) احمد بن حنبلؒ ۸۸، ۲۱۴

(ڈاکٹر) احمد امین ۱۸، ۱۹، ۱۹۴

(سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام ۱۱۵، ۱۳۶

۱۷۶، ۲۵۸، ۳۲۹

(سیدنا حضرت) اسماعیل علیہ السلام ۳۶۰

(سینٹ) ابراہام (راہب) ۲۱۲

ابلیس دیکھیے شیطان

(محدث) ابن ابی حاتمؒ ۱۱۵

(مؤرخ) ابن الاثیر جوزیؒ ۱۷۱، ۱۷۶

ابن ارقم ۱۲۰

ابن اسحاق ۱۲۰

ابن بطوطہ ۱۵۶

(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہؒ ۲۱۴

ابن جبیر اندلسی ۱۵۶

(حافظ) ابن جوزیؒ ۱۳۶، ۱۴۲، ۱۵۶

(علامہ) ابن حجر مکیؒ ۳۱۰

ابن خلدون ۱۳۷، ۱۸۸

ابن سیدہ ۶۰

(قاضی) ابن شداد ۱۷۲

ابن عبد ربہ ۶۰

(مؤرخ) ابن کثیرؒ ۱۰۸، ۱۲۰، ۱۴۲، ۱۷۶

ابو اسحاق صابی ۱۵۷

(حضرت) ابوبردہؓ ۱۲۴

۳۷۳، ۳۷۲، ۱۱۵	(علامہ) اقبال	۲۸۴	(سربند) احمد خاں
۱۹۱	اکبر آبادی		(حضرت شیخ) احمد سرہندی (مجدد الف ثانی)
۲۱۲	(سینٹ) آگسٹائن (راہب)	۳۰۹، ۲۸۳، ۱۸۸	
۲۹۶	(مفتی) الہی بخش	۲۱	(شیخ) احمد الشریاضی
۸۹، ۷۸	آل ساسان	۲۸۷، ۲۸۵، ۱۹۱	(حضرت سید) احمد شہید
۲۹۱	(ڈاکٹر) الفرڈ ٹیلر	۲۸۸	
۲۶۶	(ڈاکٹر) الکسس کیرل	۱۴۲	احمد بن مردان مالکی
۲۵۴	الگزینڈر (راہب)	۲۹۷	(نواب) احمد علی خاں رامپوری
۶۱	(علامہ) آلوسی	۳۰۸	اختیار خاں
۱۲۰، ۱۱۹	(حضرت) اُمّ حیل (بنت خطاب)	۲۸۳	(سید) آدم بتوری
۱۴۱	(امّ المؤمنین) اُمّ حبیبہ	۴۴، ۴۱	(پروفیسر) آنھر کرشن سین
۱۱۹	امّ انجر (والدہ ابوبکر)	۴۳	اردشیر
۳۷۲	امروا القیس	۲۰۳، ۱۹۸، ۱۸۵-۸۷	ارسطو
۷۳	امیان مارسلینوس (مؤرخ)	۴۳	آزرمی دخت (بنت کسری)
۳۷۶	(مولانا محمد) امین انجانی	۱۲۹	(حضرت) اسامہ
۲۱۲	(سینٹ) انتونی (راہب)	۲۷۴، ۲۷۳	اسٹورٹ گلڈر
۱۰۹	(حضرت) انس بن مالک	۱۶۹-۱۷۳	اسٹیفن لین پول
۳۳۴، ۱۰۹	(حضرت) انس بن النضر		(محمد) اسد (لیوپولڈس) دیکھے محمد اسد
۲۰۳	انکساغورس	۲۹۶، ۲۸۵، ۱۸۸	(شاہ) اسماعیل شہید دہلوی
۲۱۹	انیس سلوٹس	۱۵۶	(شیخ) اسماعیل لاہوری
۳۷۷، ۱۹۰	(سلطان) اورنگ زیب عالمگیر	۵۱	اشوک
۳۱۱، ۳۰۸			آصف خاں ملاحظہ ہو عبدالعزیز
۲۴۲	اورینجین	۲۳۳	آغا شرف دہلوی
۷۶	ایاس بن قبیصہ	۲۴۵	اغسطس
۲۷۲	ایڈن (وزیر اعظم انگلستان)	۳۰۸	افضل خاں
		۲۰۲	افلاطون

۲۱۷ پاپائے لیوڈیم

۱۸۲ پطرس اعظم

پوپ گرگری اعظم دیکھئے گرگری

(ت) (ٹ)

۶۷ (شہنشاہ) تائی ٹنگ

۷۴ تغلب

۱۷۸ (امیر) توزون

۵۰ توشیو (دیوتا)

۲۴۲ ٹولین

۱۹۱ ٹیپو سلطان

(ج) (چ)

۴۴ جابان (ایرانی افسر)

۱۱۶ (حضرت) جابر بن عبد اللہ

۲۳۱ جان گنفر

۷۶ جلد بن ایم غسانی

۱۸۴ جوجی زیدان

۲۰۵ جونیٹس

۲۱۶، ۲۱۱ (سینٹ) جروم

۱۰۸ (حضرت) جعفر بن

(حضرت) جعفر بن ابی طالب

۲۸۸ (مولوی سید) جعفر علی نقوی

۳۱۲ (مدار الہام منشی) جمال الدین خاں بھوپالی

۳۰۵، ۳۰۳ (علامہ) جمال الدین محمد بن عمر کرق

جیل بیہم دیکھئے محمد جیل

۴۷ (نیلوت) جواہر لال نہرو

۴۷، ۴۶ (پروفیسر) الیٹورا لویا

۲۱۲ (سینٹ) الیمروز

(ب)

۱۸۹ (سلطان) بابر

الفرڈ بٹلر دیکھئے

۲۵۷ (امام) بخاری

۱۹۰ برک ایڈمز

۲۲۱ بروٹو

۳۰۹ (قاضی) بربان الدین نہروالی

۳۵۹، ۳۰۵ (علامہ) بغوی

۱۱ (ڈاکٹر) بکھٹم

۳۳۵، ۱۲۹ (حضرت) بلال بن

۲۵۰ (مشر) بلڈون

۳۹ بنوسوس (BONUS)

بودھ دیکھئے گوتم بدھ

بوڈلے (آر، وی، سی) (R. V. C. BODLEY)

۶۳ بوران (نبت کسری)

۳۱۰ (سلطان) بہادر شاہ

۴۱۷، ۴۰۰ بہرام چوبین

۱۷۷ بیرس (الملک الظاہر)

۱۲۰ (امام) بیہقی

(پ)

۱۸۲ پاپائے اعظم

۲۱۷ پاپائے البوسینٹ، ہشتم

(سینٹ) پال ۳۱۷، ۱۸۶، ۳۴

۵۹	دیران (شاعر)	۲۲۹، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸	پروفیسر جوڈ
۵۱	دیباچہ سرسوتی	۲۹۰، ۲۴۰، ۲۶۹، ۲۶۴	
۲۴۱، ۲۴۰	ڈارون	۶۷	جیمس کارکرن
۲۱۸، ۲۰۹، ۲۰۷	(ڈاکٹر) ڈیرپر	۱۷۸	چنگیز خاں
۲۶۹	ڈزریلی	حافظ ابن جوزی دیکھئے	ابن جوزی
۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶	رابرٹ برینالٹ	۶۰	حجر بن خالد (شاعر)
۳۰۴	رانا مارلگا	۷۶	(حضرت) حسان بن ثابتؓ
۴۷	(مسز) رائس ڈیوڈس	۱۶	(شیخ) حسن البنا
۱۳۵، ۱۰۸	(حضرت) ربیع بن عامرؓ	۲۸۲	(شیخ) حسن علاء بخاری
۳۶۶	(حضرت) ربیعہ بن حارثؓ	۱۶	(حضرت) حسینؓ
۱۰۸، ۷۷، ۴۴	رستم	۳۰۹	حمید الملک
۱۵۶	(شیخ) ریحی الدین قزوینی	۲۸۰	(سیدنا حضرت) خضر علیہ السلام
۱۸۸	(شاہ) رفیع الدین دہلوی	۱۲۹، ۱۲۸، ۱۰۶	(حضرت) خالد بن ولیدؓ
۲۸۴	(شاہ) روؤف احمد جدی	۱۹۸، ۱۸۷، ۱۸۵	خالدہ ادیب قائم
۱۷۰	ریحی نالڈ (والی کرکٹ)	۳۳۴	(حضرت) خبابؓ
۱۲۹، ۱۲۱	(حضرت) زید بن ثابتؓ	۳۳۴، ۱۲۰	(حضرت) خبیبؓ
۱۲۹	(حضرت) زید بن حارثہؓ	۶۶	خدا اول (شہنشاہ چین)
۲۶۰، ۲۵۹	(سیدنا حضرت) سلیمان علیہ السلام	خدا بخش دیکھئے	صلاح الدین
۲۶۲	سرید احمد خاں دیکھئے	۳۱۱	(سلطان) خسرو پاشا (مصر)
۲۱۱	(سینٹ) سرائین (راہب)	خسرو دیکھئے	توشیرواں
		۴۳، ۴۰	خسرو پرویز
		۷۱، ۶۴	خسرو ثانی
		۱۲۷	خطاب

۷۷	شعبی	۲۰۵	سرد
۵۹	شعری (تارہ)	(حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ ۱۲۸/۱۰۸	
۳۰۲	(سلطان) شمس الدین التمش	(حضرت) سعد بن ربیعؓ ۱۲۱	
۴۲	شہرستانی (عبدالکریم)	(حضرت) سعد بن معاذؓ ۱۲۲/۱۰۹	
۳۰۶	(سلطان) شیرشاہ سوری	(جلۃ الملک) سعد الشہ خاں علامی ۳۰۸	
۴۳	شیرویہ (شاہ ایران)	(شیخ) سعدی ۳۰۳	
طبقات	شیطان ابلیس دیکھو	سقراط ۲۲۷، ۲۰۳، ۲۰۰	
۵۰	شیو (دیوتا)	۵۰	سکر (دیوتا)
(ص)		(حضرت) سلمان فارسیؓ ۱۲۸/۱۸۳	
۳۶۳	(سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام	۱۸۲	سلیمان اعظم
۵۹	صاعداندلسی	(سلطان) سلیم اول ۱۸۹	
۳۱۲	(مفتی) صدرالدین خاں	(سلطان) سلیم ثالث ۱۹۴	
۳۱۲	(نواب بید) مدین حسن خاں	۵۹	سہیل (تارہ)
۶۱	صمصہ بن ناجیہ	۵۱	یقینا تھ پرکاش
(سلطان) صلاح الدین ایوبی ۱۷۲-۱۶۹		سید صاحب	ملاحظہ ہو سید احمد شہیدؒ
۱۵۴، ۱۵۳	صلاح الدین خدابخش	سید قطب ۳۰، ۲۳، ۲۱، ۱۹	
۳۳۴	(حضرت) صہیبؓ	(شیخ) سیف الدین سرہندی ۳۰۷، ۱۲۸، ۳	
(ط)		(الکامل نظر) سیف الدین قطر ۱۷۷	
(ط)		سیل (مترجم قرآن) ۳۷، ۳۵	
۴۲	(امام) طبرانی	(ش)	
۷۵، ۴۲	(امام) طبری	(سلطان) شاہجہاں ۲۸۳	
۲۹۹	(سید) ظریف الدین عظیم آبادی	شاہین مکاریوس ۷۵، ۷۴	
۲۰۸	(مولوی) ظفر علی خاں	(سٹر) شیرڈ ۲۴۱	
(ع)		(حضرت) شہادین ہادؒ ۱۱۱	
(سیدنا حضرت) عیسیٰ مسیح علیہ السلام ۳۴		شرفیہ کر ۳۱۱	
۳۱۶، ۲۴۲، ۲۰۹، ۱۸۶، ۱۵۳، ۳۵			

۳۶۶ (حضرت) عثمان بن طلحہ

۳۳۴ (حضرت) عثمان بن عفون

۱۲۱ (حضرت) عروہ بن سعود ثقفیؓ

۵۹ عطارد (تارہ)

۳۶۶، ۱۳۹ (حضرت) علی بن طالب

۳۰۸ (حکیم) علی گیلانی

۱۷۰ (سلطان) عاد الدین زنگی

۳۳۴ (حضرت) عمارؓ

۱۲۹ (حضرت) عمار بن یاسرؓ

۱۰۸ (حضرت) عارہ

۱۲۷، ۱۷۸ (حضرت) عمر بن الخطابؓ

۳۵۹، ۳۴۰، ۲۳۸، ۱۶۲، ۱۲۲، ۱۲۹

۱۱۰ (حضرت) عمر بن جوحؓ

۱۷۱، ۱۶۳ (حضرت) عمر بن عبدالعزیزؓ

۲۵۲ (حضرت) عمرو بن العاصؓ

۱۲۸، ۱۰۸، ۱۱۳۶

۱۰۹ (حضرت) عمیر بن حمام انصاریؓ

۱۰۶ (حضرت) غامدیہ

۳۵۱ (امام) غزالی

۲۸۴ (شاہ) غلام علی

۲۸۵ (شیخ) غلام علی آبادی

۳۰۹ (مید) غلام علی بگرامی

۲۸۷ (دیوان) غلام مرتضیٰ

۳۰۳، ۲۸۲ (سلطان) غیاث الدین بلبن

عالمگیر ملاحظہ ہو اورنگ زیب

۱۰۷ (حضرت) عامرہ

۲۱۴، ۱۳۹ (ام المؤمنین) عائشہؓ

۳۶۶ (حضرت) عباس بن عبد المطلبؓ

۷۵ (مولوی) عبدالحکیم شرر

۳۰۳ (مولانا) عبدالحکیم بید

۲۸۷، ۲۸۵ (مولانا) عبدالحکیم بہاؤی

۲۳۶، ۲۳۵ (شیخ) عبدالحکیم

۲۹۷ (مولانا) عبدالحکیم رامپوری

۳۱۱، ۳۰۹، ۳۰۸ (عبدالحکیم) خان خانان

۳۰۸ (عبدالرزاق) خوانی

۲۹۶ (مولانا) عبدالعزیز دہلوی

۳۰۳، ۳۱۱ (مستدعی) عبدالعزیز آصف خان

۱۵۷ (شیخ) عبدالقادر جیلانی

۱۲۶، ۱۲۵ (حضرت) عبدالشکر بن عبدالشکر بن ابی

۱۲۵ (عبدالشکر بن ابی)

۱۲۹ (حضرت) عبدالشکر بن عباسؓ

۳۴۰ (حضرت) عبدالشکر بن عمرؓ

۱۲۹ (حضرت) عبدالشکر بن مسعودؓ

۲۲ (ڈاکٹر) عبدالشکر عباس ندوی

۱۹۹، ۱۷۷ (مولانا) عبدالمجید دریابادی

۱۹۴ (عبدالمجید) اول

۱۷۷ (عاجی) عبدالموہب دہلوی

۹۰

۱۱۹

ربیع

۳۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰

کسری

۲۸۲ (سلطان) غیاث الدین تغلق

۷۴

کسری پر دیز

(ف)

۱۲۴

(حضرت) کعب ابن مالک

۳۶۷

(حضرت) فاطمہ

۳۱۲

(نواب) کلب علی خاں

۳۰۸

(علامہ) فتح اللہ شیرازی

۵۹، ۵۸

کلبی

۴۳

فرخ زاد خسرو

۱۵۳

کلودیس (پادری)

۱۱۳

(حضرت) نضالین عمیر بن مورخ

۲۹۹

(بید) کمال الدین غلام آبادی

۲۸۸

(مولانا) فضل الرحمن گنج مراد آبادی

۱۹۲

کو پرنکیس

۳۹

(نہنشاہ) فوتا (PHOCAS)

۱۹۳

کولیس

۳۰۳

(سلطان) فیروز تغلق

۱۹۲

کیلر

(ق)

۲۲۹

کینن بیری

۲۶۳

قارون

(ک)

۹۲

گاندھی جی (موسن داس کرم چند)

۱۷۸

قازان خاں (محمود)

۳۷

گبن

۶۵

(بید) قاسم حسنی

۲۱۷-۲۲۰، ۶۴

(پوپ) گرگوری اعظم

۱۸۱

قاسم پاشا

۵۲، ۵۱، ۴۹، ۴۶

(ڈاکٹر) گستاوی بان

۴۲

قبا (شاہ ایران)

۵۶

گیلیگو

۶۰

قتادہ

۲۲۱، ۱۹۲

(مہاتما) گوتم بدھ

۳۱۷، ۲۰۹، ۲۰۸، ۳۴

قطنطین

۵۰، ۱۴۷

(مہاتما) گوتم بدھ

۱۵۳

قطنطین نجم (شاہ روما)

(ل)

مارٹز

لو تھر

۱۵۳

(بید) قطب دیکھے

۱۲

(لارڈ) لو تھین

۳۰۲

(خواجہ) قطب الدین بختیار کاکی

۳۱۲

(نواب) قطب الدین خاں

۳۶

قیرس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(پروفیسر) لیکلی

۲۲۶، ۱۸۲، ۱۴۷، ۱۲۷، ۱۲۲

قیصر (بادشاہ)

۲۲۱، ۱۹۲

(لین پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹

(لیون پول) ملاحظہ ہو

۲۳۸، ۲۳۱

کارل مارکس

۲۲ (مولوی) محمد رابع ندوی
 ۲۸۴ (خواجہ) محمد زبیر سرہندی
 ۲۸۶ (مولوی) محمد علی
 ۱۷۰ (مولوی) محمد عنایت اللہ
 ۱۸۱، ۱۸۰ (سلطان) محمد فاتح
 ۸۰، ۶۹ محمد کرد علی
 ۳۰، ۲۸۳ (خواجہ) محمد معصوم
 ۲۱، ۱۹ (ڈاکٹر) محمد یوسف موسیٰ
 ۱۹۰ محمود بنگوری
 ۱۹۴ (سلطان) محمود ثانی
 ۳۰۳ محمود شاہ اول
 ۳۱۰، ۳۰۳-۳۰۵ محمود شاہ دوم
 ۲۸۴ (مرزا) مظہر جان جاناں
 ۴۲، ۴۱ مزدک
 ۲۱۴، ۱۰۵ (امام) مسلم
 ۲۷۴ موسیٰ
 ۵۹ مشتری (ستارہ)
 ۳۳۴ (حضرت) مصعب بن عمیر
 ۳۱۱، ۳۰۴، ۳۰۳ (سلطان) مظفر شاہ حلیم
 ۱۲۹ (حضرت) معاذ بن جبل
 ۱۲۹ (حضرت) مقداد
 ۴۳ مکاریوس ایرانی
 مکاریوس دیکھے شاہین مکاریوس
 ۳۰۴، ۳۰۳ مندی رائے
 ۵۵، ۵۳ منوجی

۱۵۳ لیو چہارم (شاہ روم)
 ۶۷ (شاہ) لی بیان
 (۴)
 (سیدنا نبیؑ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ۹۷، ۹۰-۹۵، ۸۶، ۸۵، ۶۴، ۶۱، ۶۱، ۶۱
 ۱۳۱، ۱۲۹، ۱۰۹-۱۲۷، ۱۰۵، ۹۸-۱۰۱
 ۱۶۷، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۴۲، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۳
 ۲۳۸، ۲۳۵، ۲۳۳، ۲۱۴، ۲۱۳، ۱۸۴
 ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۱۴، ۲۹۳، ۲۴۶
 ۳۳۶، ۳۳۳، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۵
 ۳۶۰، ۳۵۵-۵۷، ۳۴۶، ۳۳۸-۴۰
 ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۳-۶۷
 ۲۶۰ (سیدنا حضرت) موسیٰ علیہ السلام
 ۱۷۶ مابوج
 ۲۴۲، ۱۵۴ مارٹن لوتھر
 مارکس ملاحظہ مارکس
 (حضرت) ماعون مالک السی
 ۱۰۶، ۱۰۵ (حضرت) مالک النخدری
 ۱۲۱ مانی
 ۴۱ میرد صاحب ملاحظہ شیخ احمد
 (علامہ) میرد الدین محمد ابن محمد الایچی
 ۳۸، ۳۳، ۳۳ (ڈاکٹر) محمد اسد (یو پولڈوس)
 ۳۰۰، ۲۶ مولانا محمد امین انجانی
 ۳۰۸ محمد جمیل سیم
 ۱۸۱-۱۸۳ (مولوی) محمد احسن
 ۲۲

۳۰۸	(علامہ) وحید الدین بن نصر الشہرجماتی	۱۹۳	موسیٰ ودالتی (سراج)
۳۱۲	(نواب) وزیر الدولہ ٹانگی	۱۲	(پروفیسر) مونٹگمری
۵۰	وشنکو (دیوتا)	۶۳	ہملہل (عرب سردار)
۱۸۸، ۸۱	(حضرت شاہ) ولی اللہ دہلوی	۶۱	میدانی (احمد النساپوری)
۲۴۱	وکتوریہ	۲۵۴	(لارڈ) میکالے
۱۲۸	ولید	۲۱۱	(سینٹ) میکیریس اسکندری (راہب)
۳۸	ولینز (ایچ جی)	۱۹۳	میگلن
۱۹۰	(سر) ولیم ڈگبی	(ن)	
(۵)			
۱۹۸	(ڈاکٹر) یاس	۳۰۳	(سلطان) ناصر الدین محمود
۲۹۷	(مطر) یاکفس	۲۰۵	نیچون (سمندر کا دیوتا)
۵۰	(راجہ) ہرش	۱۸۳	نیبولین
۱۲۸، ۴۰	ہرقل	۱۲۲، ۱۰۸	نجاتشی
۷۸، ۷۷	ہرز	۲۱۴	(امام) نسائی
۷۸	ہرزان	۲۸۲	(شیخ) نصیر الدین چراغ دہلی
۲۱۷	(شہنشاہ) ہنری چہارم	۲۸۲	(حضرت) نظام الدین اولیاء
۵۰، ۴۱	ہوٹن میانگ (چینی سیاح)	۳۰۸	(قاضی) نظام الدین بدخشان
۶۱	ہینٹن بن عدی	۲۹۹	(ملا) نظام الدین کھنوی
(۷)		۱۶۹-۱۷۱	(سلطان) نور الدین زنگی
۳۰۵، ۲۶۱	(سیدنا حضرت) یوسف علیہ السلام	۷۱	نوشیروان (خسرو)
۱۷۶	یاجوج	۱۹۲	نیوٹن
۲۴۲	یجن	(۹)	
۱۳۵، ۷۸، ۷۷	(شاہ) یزدگرد	۱۹۳	واسکو ڈی گاما
۴۰	یزدگرد دوم	۶۳	واٹل
۲۱۱	(سینٹ) یوحنا (راہب)	۵۰	(راجہ) والی کامروپ
۲۱۱	(سینٹ) یوئیس (راہب)		

قبائل و خاندان اور طبقات

۲۴۴	بربری (قبیلہ)	۵۴، ۱۷	انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
۵۳-۵۵، ۴۹، ۴۶	برہمن	۱۶۵، ۱۶۱، ۱۱۴، ۱۱۳، ۹۲، ۸۴، ۸۱	
۶۳	بکر (قبیلہ)	۲۷۹، ۲۱۴، ۱۷۵	
۹۷	بسوس (قبیلہ)	۳۶۶	ازواج مطہرات
۵۹	بنواسد	۳۶۵	اہل بیت کرام
۳۴۱، ۱۶۴، ۱۶۳	بنو امیہ - اموی	۲۴۳	آرین
۱۱۹، ۵۹	بنو نمیم	۷۷	آزادیہ - زادویہ (خاندان)
۵۹	بنو حنیفہ	۲۳۶	اطالوی
۳۴۱، ۱۶۴، ۱۶۳	بنو عباس - عباسی	۷۵، ۶۶	آل ساسان - ساسانی
۵۹	بنو قیس	۲۲۴، ۲۲۱، ۲۱۱، ۱۶۹، ۹۸	انصار مدینہ
۵۹	بنو لیج	۳۶۸	انگریز - فرنگی
۳۶۶	بنو ہاشم	۲۹۷، ۲۹۶، ۲۳۲، ۱۶۹	
۲۱۸	پاپائیانِ روما	۹۸	اوس (قبیلہ)
۱۷۷-۱۷۹	سلاوی		اہل وارباب کلیسا - پادری - راہبین
۱۷۸	تاتاری سلاطین	۳۱۷، ۲۱۵-۲۲۳، ۲۱۱، ۱۵۳	
۱۹۲، ۱۹۴، ۱۸۹، ۱۸۰-۱۸۵، ۴۸	ترک	۷۶	اہل حیرہ
۱۹۶	ترکمان	۹۸	اہل مکہ
۱۷۴	تغلب (قبیلہ)	۲۱۴، ۱۲۵	اہل یشرب - اہل مدینہ
۶۳	تینگ (چینی شاہی خاندان)	۴۳-۴۵، ۴۰، ۳۲	ایرانی - اہل ایران
۶۵	جاپانی	۳۶۱، ۱۳۵، ۷۸، ۷۷، ۷۵، ۷۴	
۳۱۸، ۲۷۴، ۲۸	حزام (قبیلہ)	۷۵	ایرانی امراء
۵۹	جمن	۳۴۸، ۳۲۹، ۳۲	ایشیائی و مشرقی اقوام
۳۱۸، ۲۳۶	جن	۱۸۰، ۷۱، ۶۴، ۳۷، ۳۵	باریطینی
۵۹		۳۵	باریطینی سلاطین

۵۳-۵۶ ثور۔ اچھوت

۲۱۴، ۱۲۵، ۱۰۸، ۱۱۵ شیطاں۔ ابلیس

۳۲۳، ۳۱۹، ۲۷۱، ۲۴۷، ۲۳۲

۱۲۲، ۱۱۶، ۱۱۱، ۹۷-۹۹ صحابہ کرامؓ

۳۴۰، ۳۲۲، ۲۳۵، ۱۲۰

۱۷۴، ۱۶۹-۱۷۱ صلیبی

۵۹ طے (قبیلہ)

۱۰۷ عبد قیس (قبیلہ)

۱۸۷، ۱۸۰، ۱۷۹ عثمانی ترک۔ آل عثمان

۱۸۲ عثمانی سلاطین

۱۱۵، ۱۰۱، ۱۰۹ عجمی

۹۱ عدنان (قبیلہ)

۷۶، ۷۵، ۶۹، ۵۷-۶۳، ۱۱۹، ۱۶ عرب

۱۳۵-۱۳۸، ۱۱۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۹۷، ۹۰

۳۵۵، ۳۴۹، ۳۱۳، ۱۷۴، ۱۶۴، ۱۵۴

۳۷۰-۳۷۲، ۳۶۸، ۳۶۴، ۳۵۶-۳۶۱

۳۱۰ علمائے حرمین

۶۴، ۴۰، ۳۹، ۳۵ عیسائی، مسیحی، نصرانی

۱۸۷، ۱۸۵، ۱۸۳، ۱۷۰-۱۷۲، ۱۵۳

۲۱۶-۲۱۸، ۲۰۸-۱۰، ۱۹۴

۱۲۴ غسان (قبیلہ)

۷۶ غسانی امراء

۳۴۲، ۳۴۱

۲۴۱، ۵۹

۹۱ قحطان (قبیلہ)

۵۵، ۵۳ چھتری (قبیلہ)

۶۷، ۶۶، ۶۴، ۴۸، ۱۱۵ چینی۔ اہل چین

۵۹

۱۸۸ خاندان قرظی محل

۵۹

۱۲۶، ۹۸ خزاعہ (قبیلہ)

۱۶۴

۱۶۴، ۱۶۳، ۱۵۷ خلفائے بنی امیہ

۱۷۱، ۱۶۲ خلفائے راشدین

۹۷

۵۵

۶۷، ۶۵، ۶۴، ۳۲ رومی۔ اہل روما

۱۱۹، ۱۱۴، ۱۱۳، ۵۸-۱۷۹، ۶۹

۳۵۶، ۳۴۳، ۳۲۶، ۲۱۳، ۲۰۴-۲۱۰

۳۶۱، ۳۵۷

۱۷۰، ۱۶۹ زرنگی خاندان

۷۵، ۷۴، ۷۱، ۴۲-۴۴، ۴۱ سلاطین ایران

۲۱۸، ۲۰۸، ۱۸۰، ۷۶، ۷۴ سلاطین روما

۳۰۳ سلاطین گجرات

۴۷

۶۴ سوی (خاندان)

۱۲۴، ۷۶، ۶۹ شامی

۸۲

۳۰۹ شاہان صفویہ

۳۰۴

شاہان ماوراء

۶۵	نارڈگ (قبیلہ)	۹۴-۹۸۱۹-۱۶۲	قریش (قبیلہ)
۱۲۴	نبطی	۳۶۵، ۱۲۸، ۱۲۷	
۶۳	وائل (قبیلہ)	۲۶۳	قوم عاد
۶۵	وسی گوٹھ (قبیلہ)	۲۱۵	قیصرہ
۵۲	ویدی آریہ	۱۷۴	کرد
۵۵، ۵۳	ولیش	۵۹	کنانہ (قبیلہ)
۲۹۶، ۲۹۵، ۵۱، ۴۹	ہندو	۴۳	کیانی (خاندان)
۲۹	یورپین۔ اہل یورپ۔ مغربی اقوام	۵۹	نخم (قبیلہ)
۱۹۴، ۱۹۳، ۱۸۵، ۱۶۶، ۱۴۶، ۱۴۶		۴۶، ۴۵	مجموسی
۳۰۰، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۶۶، ۲۶۴		۴۲	مزدکی
۳۴۳، ۳۳۷، ۳۲۹، ۳۲۱، ۳۲۰		۱۷۷، ۱۷۴	مصری
۳۵۵		۸۲، ۴۸	مغل
۱۹۷-۲۰۶، ۱۸۵، ۱۶۶، ۷۰	یونانی	۸۲	مغل سلاطین
۳۶۱، ۳۴۳، ۲۲۷		۳۵	ملکانی عیسائی (MALKITE)
۵۶	یونانی مؤرخین	۳۵	منوفزٹ عیسائی (MONO PHYSITES)
۶۴، ۶۰، ۴۸-۴۰	یہود۔ یہودی	۲۵۳، ۱۲۸، ۱۱۶، ۹۸	مہاجرین
۲۹۸، ۲۱۷، ۶۵			

کتابیات

۵۸	بیۃ النبۃ من القرآن	قرآن مجید	
	(ت)	(الف)	
۱۷۲	تاریخ الی القداء حموی	آثار الصادق	۲۸۴
۲۰۳-۲۰۶، ۱۹۹	تاریخ اخلاق لیرپ	اربعین (عالمگیر)	۳۰۸
۲۱۶، ۲۱۱		ارشاد روحانی	۲۸۴
۷۵	تاریخ اسلام (شرر)	ازالۃ الخفاء	۱۸۸
۷۵، ۴۳	تاریخ ایران (از مکاریوس)	اسرار المحبۃ (رسالہ)	۱۸۸
۶۷	تاریخ چین	اسلام اینڈ دی ورلڈ	۱۱
۱۶۹	تاریخ دعوت و عزیمت	اقضاء الصراط المستقیم	۲۱۴
۱۰۷، ۷۵-۷۸، ۴۱-۴۳	تاریخ طبری	الاغانی	۳۴۶
۳۷	تاریخ عالم برائے مؤرخین	الف لیله	۳۴۸، ۳۴۶، ۳۴۴
۱۳۲، ۱۳۶	تاریخ عربین الخطاب (ابن جوزی)	انجیل	۱۴۷
۱۷۶، ۱۷۱	تاریخ اکال	الانصاف (رسالہ)	۱۸۸
۱۸۴	تاریخ مصر	ایام العرب	۶۳
۲۸۳	تذکرہ آدمیہ	ایران بے حد ساسانیان	۷۷، ۷۴، ۷۲، ۷۱
۱۵۶	تذکرہ علماء		۷۹، ۷۸
۱۸۷	تذکرہ مشرق و مغرب کی کشکش	(ب)	
۲۰	التصویر الفنی فی القرآن	باضعت مسلمین و بنیاد خطر سقوط	۱۲
۱۲۵	تفسیر ابن جریر	بنجاری ملاحظہ ہو صحیح بخاری	
۱۱۶	تفسیر ابن کثیر	البدایۃ والنبایۃ	۱۲۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۹۴
۱۲۶، ۶۰	تفسیر طبری		۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
۱۸۸	تکمیل الاذہان	بلوغ الأرب فی احوال العرب	۶۱

سنن الداری ۶۱

سنن نسائی ۲۴۷، ۲۱۴

سيرة ابن هشام ۱۲۱

سيرت يرد احمد شهيد ۲۸۵

سيرة عمر بن الخطاب (ابن جوزي) ۱۳۶

۱۴۲

شرح اربعين ۳۰۸

(ص ص)

صحیح بخاری ۱۲۳، ۱۱۶، ۱۰۹، ۵۹، ۵۸

صحیح مسلم ۳۶۰، ۲۱۴، ۱۳۷، ۱۳۴، ۱۲۴

صحیح مسلم ۱۲۳، ۱۱۶، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۶، ۱۰۵

صحیح مسلم ۳۶۰، ۲۹۳، ۲۴۷، ۲۱۴، ۱۳۴، ۱۲۴

صید الخاطر ۱۵۶

مغنی الاسلام ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۸

(ط)

طبائع الاستعداد ۲۳۵

طبقات الامم ۵۹

(ع)

عقبات ۱۸۸

العدالة الاجتماعية في الاسلام ۲۱

العقد الفريد ۶۰

(ق ق)

فتاوى عالمگیری ۳۰۷

فجر الاسلام ۱۸

فلسفۃ تاریخ العثماني ۱۸۱-۱۸۳

تلاش ہند (DISCOVERY OF INDIA)

۴۷

تمدن ہند (گستاوی بان) ۴۶، ۵۱، ۴۹

۵۶، ۵۳

(ح خ)

حجۃ البشر بالافق ۱۸۸، ۸۳، ۷۸

حماہ ملاحظہ ہو دیوان ۳۰۹

خزانہ عامرہ ۳۰۹

خطبات ایشام ۸۰، ۷۷، ۶۹

خطبات المقرئین ۴۰

(ذ ذ)

دار المعارف ۲۸۵، ۲۸۴

دیوان الحماہ ۶۲، ۶۰

ذیل الرقعات ۲۸۳

(س س)

رحلة ابن جبیر ۱۵۶

رسالۃ قطیبیہ ۲۹۹

ریاست (افلاطون) ۲۰۲

زاد المعاد ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۱۰

زعماء الاصلاح فی العصر الحداثی ۱۹۴

(ش ش)

سبع معلقات ۶۰

سفرنامہ ہوٹن سیانگ ۵۰

سلطان صلاح الدین (غایت الشریعہ) ۱۷۰-۱۷۴

سنن ابی داؤد ۲۴۶، ۲۱۴

۲۱۴، ۸۴	مذاہم احمد	۱۸۸	الفوز الکبیر
۲۰	شاہد القیامت فی القرآن	۱۹۰	قانون تہذیب و الخطا
۳۰۵	معالم التنزیل	(۵) (۷)	الکامل دیکھئے
۲۰۷-۲۱۰	مورک و مذہب و سائنس	تاریخ الکامل	۵۹، ۵۸
۲۱۷		۶۱	کتاب الاصلام
۱۸۰	مفکرین اسلام	۱۸۶	کتاب الاغانی
۱۸۸، ۱۳۸	مقدمہ ابن خلدون	۱۴۲	کتاب پیدائش
۴۲	الملل والنحل (الشہرتانی)	۶۰	کتاب المجالہ
۱۸۸	منصب امامت	۲۲۹	کتاب المختص
۲۸۸	منظورۃ السعداء	۲۱۴	کتاب مقدس
۵۳-۵۶	منو شاہنشاہ	۳۵۱	کتاب النبوءات
	(۵) (ن)	۱۵۶	کیمیائے سعادت
۲۹۹، ۲۹۷، ۲۸۴، ۲۸۳	نزہۃ النجا		لقتۃ الکبد
۲۰	النقد الأدبی	(۴)	
۱۹۳	نئی ایجادات کی تاریخ	۳۰۸	ماثر الامراء
۲۸۷	وقائع احمدی	۲۳، ۱۶	ماذا خسر العالم
۵۲-۵۴، ۴۹	وید	۲۸۶	مخزن احمدی
	(۷) (۵)	۸۴	مستدرک حاکم
۴۷	ہندوستانی تمدن	صحیح مسلم	مسلم
۳۳۴، ۲۳۳	ہجالی حملہ (آغا اشرف دہلوی)	مسلمانوں کے تنزیل سے دنیا کو کیا نقصان	پہونچا
۳۰۳	یادایام (تاریخ گجرات)	۲۳، ۲۱	

مقامات

۸-۶۷۷۷۷۷-۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷

۱۸۲/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

۳۶۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷۷

۱۸۳/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

۳۱۸/۷۷۷

۱۸۲

ایشیائے کوچک

۲۳۴

ایمنی تھیر

(ب)

۷۷

بابل (صوبہ)

۲۸۸/۷۷۷

بالاکوٹ

۱۸۲

بحر ابیض

۲۴۴

بحر اٹلانٹک

۱۶

بحر احمر

۱۸۲

بحر اسود

۱۸۲/۷۷

بحر متوسط

۱۸۲

بحر ہند

۲۸۹/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

بخارا

۳۲۳/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

بدر

۱۸۲/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

برطانیہ

۱۲۲

برک غندان

۲۹۷/۷۷۷

بریلی

۲۸۲

بستی غیاث پور (نظام الدین)

(الف)

۲۱۸/۷۷۷

۱۲/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

۱۷۳

اردن

۷۹

آرمینیہ (فارنگیوں)

۲۱۸

اسکاٹ لینڈ

۱۸۲

اطلس (کوہ)

۳۱۸/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

افریقہ

۳۵۱/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

افغانستان

۲۸۶

الآباد

۲۸۴

امروہہ

۲۵۸/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

۲۵۸/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

۶۷۷/۷۷۷ (SPAIN)

۳۲۸/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

۳۹

انطاکیہ

۵۶/۷۷۷ (انگلینڈ-برطانیہ)

۳۲۹/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

۲۸۵/۷۷۷

اودھ

۲۱۸

آئر لینڈ

۱۲

ایڈنبرا

۴۶۷/۷۷۷-۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷/۷۷۷

ایران-فارس

۱۵۳	تورین	۳۴۶،۲۸۴،۱۷۸،۱۷۶،۱۵۶	بنداد
۲۶	مکسلا	۲۸۶	بنارس
۳۱۲	ٹونگ	۲۸۵،۱۹۰	بنگال
	(ج) (چ)	۲۱۸	بوہیا
۲۷۳-۷۵،۶۵	جاپان	۲۸۵	بہار
۱۷۷	جاوت	۲۸۴	بہرائچ
۲۸۴	جاش	۳۱۲	بھوپال
۳۱۸،۲۰۶	جمن	۱۱۳،۵۸	بیت اشتر شریف - خانہ کعبہ
۱۹۵	اگرارڈ	۳۶۶،۱۵۶	
۲۱۹،۶۵	جزائر برطانیہ	۱۶۹-۱۷۲،۶۴	بیت المقدس
۳۵۹،۳۵۵،۱۲۸،۹۲،۶۳	جزیرہ عرب	۲۶۵	HIG BEN (بڑا گھنٹہ گھر - لندن)
۱۸۲	جزیرہ نمائے بلقان		(پ)
۱۹۸	جنیوا	۲۳۴	پامپی آئی
۳۲۸،۲۸۴،۶۷،۴۸،۲۵	چین	۲۸۶	پٹنہ
	(ح) (خ)	۱۸۲	پرننگال
۲۸۴،۲۷۴،۱۲۸،۹۰	حبشہ - حبش	۲۸۴	پشاور
۶۰،۱۸،۱۶	حجاز	۱۹۰	پلاسی (جنگ)
۱۲۱	حدیبیہ	۲۸۴	پنجاب
۳۱-۷۵۸	حرم شریف	۲۸۵	پونہ
۳۱۰،۲۸۳	حرمین شریفین	۲۷۱	پیرس
۲۸۴	حصار		(ت) (ٹ)
۱۷۱-۱۷۳	حطین (فلسطین)	۲۸۴	تاٹفندہ
۳۰	حلوان (مصر)	۱۲۳	تنبوک
۲۸۵	حیدر آباد	۱۹۵،۱۷۸	ترکستان
۷۷،۷۶	حیرہ	۳۱۱،۱۹۰-۱۹۵،۱۸۵،۷۵،۱۱۲	ترکی
		۳۵۱	

(س)
۳۰۴ سارنگ پور
۱۷۵ ریدسکندری
۲۸۴، ۲۸۳ مرمرند
۲۸۹، ۲۸۴ سمرقند
۲۸۴ سبھل
۲۸۲ سنجر
۳۰۹ سندھ
۲۴۲ رومی کلیا
۲۶۵ یلون

(ش)
شام ۶۸-۷۰، ۶۴، ۶۳، ۶۵، ۱۸
۱۲۸، ۹۵، ۸۴، ۷۹، ۷۶، ۷۵
۳۵۶، ۲۸۴، ۱۷۷، ۱۷۳، ۱۶۶
شرق اوسط لاطینی
مشرق وسطی

(ط)
۶۴ صلیب مقدس
۲۸۵ صوبہ متحدہ
۱۷۳ صور (فلسطین)
طیفون دیکھئے

(ع)
عالم اسلامی - اسلامی حاکم ۲۹، ۲۸
۱۸۷، ۱۸۵، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۶۹-۷۵
۳۲۵، ۲۸۱، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۸۹، ۱۸۸
۳۲۸-۵۲، ۳۲۴، ۳۲۰-۳۷، ۳۲۸
۳۷۳، ۳۶۲، ۳۵۴

۲۸۴ خانقاہ مجددیہ - دہلی
خانہ کعبہ دیکھئے بیت الشریف
۱۱۱

(۵) (۷)
دارا ابن ارم
۱۲۰
۱۶ دجلہ
۱۷۳ دریائے اردن
۱۸۲ دریائے صاودہ (SAVA)
۳۵۴، ۱۸۲ دریائے نیل
۳۰۹، ۳۰۷ دکن
۳۴۶ دشت
۲۸۵ دو آبہ
۲۸۹، ۲۸۲-۲۸۴، ۱۸۲ دہلی
۲۸۵ ڈھاکہ

(س) (ن)
۳۱۲، ۲۹۷، ۲۸۴ رامپور
۱۷۳، ۱۷۲ رملہ
۳۲۸، ۳۲۹، ۳۱۹ روس
۶۷-۷۰، ۶۳، ۶۴، ۳۵ روم - روما
۲۰۲، ۱۸۲، ۱۵۳، ۹۰-۷۸، ۷۶، ۷۴
۲۲۶، ۲۱۴، ۲۱۰، ۲۰۸، ۲۰۵، ۲۰۳
۳۶۵، ۳۱۶، ۲۸۴، ۲۳۴، ۲۲۷
۲۹۷ روہیلکھنڈ
۳۶۶ زرم

۳۴۶	قاہرہ	۴۶	عجائب خانہ مکمل
۱۷۲	قبۃ صخرہ	۳۵۹، ۳۵۱، ۱۲۸	عجم
۱۳۱۱، ۱۹۲، ۱۸۰-۸۳، ۶۴	قسطظیہ	۳۵۵، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۲۸، ۱۷۵	عراق
۱۸۳	قفقاز	۳۵۶	عرب عالم عربی، ممالک عربیہ
۲۱۷	قلعہ کالوسا	۱۹، ۱۶، ۱۵	۱۹۳، ۱۳۵، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۰، ۱۶۱، ۱۲۵
۳۰۴	قلعہ مالوہ	۳۷۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۵۴-۵۹	۵۹
۱۲	قم	۶۲	عراق (میدان)
۳۰۷، ۲۸۴	قندھار	۲۳۸	عربش بدر
۵۰	قنوج	۲۸۶، ۲۸۵	عظیم آباد
	(۵)	۱۷۲	عکہ
۳۰۷، ۲۸۴	کابل	۱۷۷	عین جالوت
۲۹۵	کاندھلہ	(۷)	غ
۱۹۰	کرناٹک	۲۸۶	غازی پور
۲۸۵	کشمیر	۲۸۴	عزنی
خانہ کعبہ	کعبہ	بیستی	غیاث پور
۲۸۷، ۲۸۶	ککلتہ		لاخطہ پور
۲۳۲	کلیسائے انگلستان	(۸)	ف
۱۸۲	کوہ اطلس	ایران	فارس
۶۴	کپیڈوتیا	۷۹۰	فاریکیوں (علاقہ آرمینیہ)
	(۹)	۱۶	فرات
۳۰۹، ۳۰۸	گجرات	۳۴۱، ۲۱۷، ۱۶۵، ۱۳۸	فرانس
۲۸۴	گورکھپور	۷۵	فرش بہار (ایرانی)
	(۱۰)	۱۸۸	فرنگی محل (کھنڈ)
۲۸۴، ۲۸۳	لاہور	۳۵۴، ۱۶۹-۷۱، ۱۸، ۱۵	فلسطین
۲۸۴، ۱۲	لکھنؤ	(۱۱)	ق
۲۷۱، ۲۶۵، ۲۳۳، ۱۹۰، ۱۱	لندن	۱۸۱	قاسم پاشا (قسطظیہ)

۹۴، ۹۲، ۹۰، ۸۲، ۸۱، ۷۶	کرمنشہ	۶۵	لوائے
۳۶۷، ۳۱۱، ۳۱۰، ۲۸۷، ۲۷۷، ۱۹۸، ۹۵		(۴)	اسکو
۲۸۴	لٹان	۲۶۶	اسکو
۱۲۹	موتہ	۱۸۲	اسکو
۱۷۰	موصی	۳۰۴، ۳۰۳	مالوہ
(۵) (۶)		۳۰۴	مانڈو
نظام الدین	ملاحظہ ہو	۱۰۷، ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۷۱	مراٹھن (طیفون)
۲۷۱، ۲۶۶	نیویارک	۱۳۲، ۱۲۹، ۱۲۸	
۱۸۲	ویانا	۱۳۳، ۱۰۰، ۹۸	مدینہ منورہ - یثرب
۱۸۲	وٹس	۳۲۵، ۲۱۴، ۱۷۰، ۱۲۹، ۱۲۴، ۲۶	
(۷)		۳۶۹، ۳۶۸	مراٹھ
۲۶-۲۸، ۲۵، ۱۷، ۱۵	ہندوستان	۱۹۵، ۱۸۲	مرزا پور
۱۵۴، ۹۲، ۶۴، ۵۶، ۵۳، ۵۲، ۵۰		۲۸۶	مرشد آباد
۲۸۱، ۲۸۲-۸۵، ۱۹۵، ۱۸۸-۱۹۳		۲۸۷	مسجد حرام (مکی)
۳۰۳، ۳۰۲، ۲۹۹، ۲۹۷، ۲۹۲، ۲۸۹		۳۱۰	مسجد عمرہ (مکہ)
۳۵۱، ۳۱۸، ۳۱۲		۱۷۰	مسجد نبوی
۲۷۳	ہیروشیا	۱۵۹	مشرق اقصیٰ
۱۸۰	ہنگری	۳۵۴، ۷۵	مشرق وسطیٰ - شرق اوسط
(۸)		۱۸، ۱۶	
۱۷۳	یاقا	۱۹۱، ۷۵، ۶۴، ۵۸، ۱۹	
۱۷۲، ۱۶۹	یثرب	۶۹، ۶۸، ۶۴، ۳۰، ۱۷	مصر ۲۳، ۱۵
۹۵، ۹۰	یروشلم	۱۹۵، ۱۹۳، ۱۸۴، ۱۷۷، ۱۳۶، ۱۲۸	
۳۸۱، ۳۷۹، ۱۷۱-۱۶	یمن	۳۵۶، ۳۵۴، ۳۱۱، ۲۸۴، ۲۱۱	منظر نگر
۱۷۲، ۱۶۹، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۴۶، ۶۳	یورپ - مغرب	۲۹۵	مغرب
		یورپ	دیکھئے

۳۵۰-۵۴،۳۴۸،۳۴۲،۳۳۲

۳۷۳،۳۶۲،۳۶۱،۳۵۷

یونان ۲۲۶،۲۰۳،۲۰۲،۱۹۹،۶۳

۳۵۱،۳۱۶،۲۳۴،۲۲۷

۱۹۹،۱۹۰-۹۶،۱۸۸،۱۸۱-۸۶

۲۲۳-۲۷،۲۱۸-۲۰،۲۰۶،۲۰۲

۲۶۴،۲۵۶،۲۴۸،۲۳۶-۲۴،۲۳۲

۳۱۲،۲۹۹-۳۰۱،۲۹۰،۲۷۸،۲۷۱

۳۳۶،۳۳۳،۳۲۱،۳۱۹،۳۱۸،۳۱۶

متفرقات

۱۹۳ دارالہلال مصر

۳۵ رومن کیتھولک

۲۸۳ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ

۳۵۸ عرب لیگ

۱۹ قاہرہ یونیورسٹی

۲۲۹ کاؤت فیکرہی (یورپ)

۱۹،۱۸،۱۷،۱۶،۱۵،۱۴،۱۳،۱۲،۱۱،۱۰،۹،۸،۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱

۲۳۸،۱۱ لندن یونیورسٹی

۱۷ کتب خانہ عبدالوہاب دہلوی، مکرہ معظمہ

۱۷ کتب خانہ مولانا عبد الماجد دریابادی

۱۸ کلیۃ الادب، جامعہ مصریہ، قاہرہ

۱۲ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، کھنؤ

۱۸۵ مدرسہ سلیمانیہ ترکی

۱۸۵ مدرسہ فاتح، ترکی

مذہب و نظریات

۳۱۷ استعمار، اسپرلیزم

ادارے تحریریں اور کتب خانے

۱۹،۱۶ الاخوان المسلمون

۱۹۴ انجینئرنگ کالج (ترکی)

۱۲ ایڈنبرا یونیورسٹی

۲۸۵،۲۸۴ ایسٹ انڈیا کمپنی

۲۳۴ ایف پی ٹی

۲۹۷ بریلی کالج، بریلی

۲۳۲ بینک آف انگلینڈ

۲۱،۱۹ جامع ازہر، مصر

۲۲ جامعۃ أم القرى، مکہ مکرمہ

۱۱۸ جامعہ مصریہ، قاہرہ

۱۲ جلسات علمی اسلام شناسی، قم

۱۹ جامعہ الازہر للفسح والایف

۲۸۴ خانقاہ مجددیہ (دہلی)

۲۰ دارالعلوم مصر

۲۲،۱۲ دارالعلوم ندوۃ العلماء

۱۹۸۱۱۸۵-۸۷ فلسفہ ارسطو

۱۶۷ فلسفہ اشراق

۲۰۰۱۸۶۱۶۷ فلسفہ الہیات

۲۲۸، ۲۲۱-۲۵، ۲۲۶ قومیت- وطنیت

۲۲۹ بحوثیت

۸۴ مصری افلاطونیت

۲۲ نظریہ ارتقاء

۲۴۱، ۲۴۰ وحدانیت

۵۷ وحدۃ الوجود

۲۳۹، ۲۳۸، ۱۶۷ ہندومت- ہندو مذہب

۴۹، ۴۶، ۲۵ یونانی فلسفہ، یونانی تحریک، یونانی خرافات

۳۴ ۲۰۰۱۹۹۱۸۵

۲۵ یہودیت

۲۵ سماج، تہذیب تمدن اور معاشرہ

۲۹۳، ۱۵۴، ۱۱۶ اسلامی معاشرہ و تمدن

۳۱۳ برہمنی تہذیب

۵۳ رومی معاشرہ و تمدن

۱۹۷، ۱۵۳، ۷۲ رومی معاشرہ و تمدن

۲۲۷، ۲۰۴، ۲۰۳ مغربی تہذیب نظام فکر

۱۹۷، ۱۹۶، ۱۲، ۱۴ ہندوستانی سماج

۳۱۹، ۲۹۰، ۲۸۸، ۲۷۹، ۲۳۵، ۲۲۸، ۱۹۹

۳۶۱ یونانی تمدن

۲۲۷، ۲۰۴، ۱۹۷، ۹۹، ۱۵۳ سلطنتیں اور ادوار حکومت

۳۵۸، ۹۰ ایرانی سلطنت

اسلام- کتاب کی اکثر صفحات میں

۳۲۷، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۸ اشراکیت- زندقیت

۳۶۱، ۳۴۸ احتمالات

۳۲۷ باطنیت

۱۹۹ بت پرستی

۱۵۲، ۵۸، ۵۷، ۴۶، ۵۰ برہمنیت

۳۱۷، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۵۳ بودھ مت

۴۷، ۴۶، ۵۰ پتیا

۵۲ جاہلیت

۹۴، ۹۳، ۸۶، ۵۸، ۲۵، ۱۳

۳۲۷، ۲۳۶، ۲۲۶، ۱۶۲، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۳۱

۳۷۰، ۳۶۶، ۳۵۷، ۳۴۶، ۳۲۹، ۳۲۸

۳۲۷ جمہوریت

۵۲ جوگ

۵۰ جینی مذہب

۳۶۷، ۳۶۶، ۲۱۵، ۲۱۲، ۲۱۱، ۳۴ ربانیت

۳۴ رومی بت پرستی

۳۵ رومن کیتھولک

۵۶ نستی

۱۹۱ شیعیت

۹۲ عدم تشدد (نظریہ گاندھی جی)

۳۵۵ عربی قومیت

۳۴، ۲۵ عیسائیت، نصرانیت، دین مسیح

۲۱۸، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۸۶، ۱۴۶

۲۴۲، ۲۳۶، ۲۲۷، ۲۲۶

